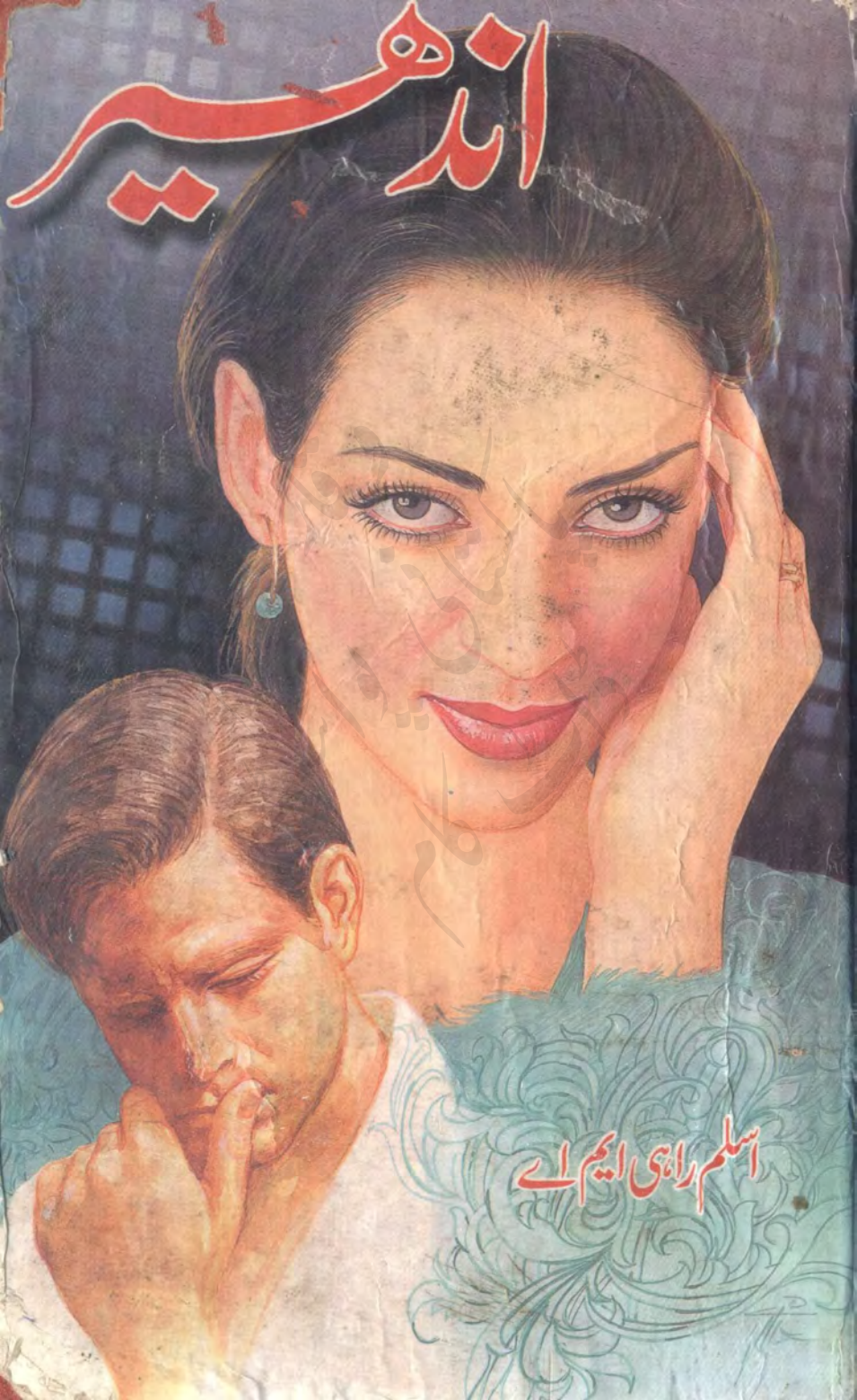


اندھ سی



اسلم راہی ایم اے

Handwritten signature/initials

فیروز پور روڈ کے کنارے شاہ جمال کی ایک کوٹھی میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تھی۔ قریب ہی خانساں جو کہ کھانے کی میز صاف کر رہا تھا فون کی طرف لیکا۔ ریسیور اٹھایا اور کپکپاتی سی آواز میں بولا۔ ”میں منظور بول رہا ہوں۔“

دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ ”طاہرہ خاتون کہاں ہے؟“

”جی وہ باہر لان میں بیٹھی ہے۔“ خانساں منظور کی پھر ویسی ہی آواز ابھری تھی۔

دوسری طرف سے کسی نے تحمانہ آواز میں کہا۔ ”جلدی جاؤ۔ انہیں بلا کے آؤ۔“

منظور نے ریسیور رکھ دیا۔ باہر آیا۔ بھاگتا ہوا لان میں آیا۔ لان میں ڈھلی ہوئی عمر کی ایک خاتون بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے بادب کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ ”بیگم صاحبہ آپ کا فون ہے۔“

وہ خاتون جس کا نام طاہرہ تھا، اپنی جگہ سے اٹھی۔ آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ اس کی حالت سے لگتا تھا جیسے وہ بیمار ہو۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ٹیلی فون پر آئی۔ ریسیور اٹھایا پھر بول اٹھی۔ ”کون....؟ میں طاہرہ بول رہی ہوں۔“

دوسری طرف سے جب کسی نے تعارف کرایا تو طاہرہ خاتون کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ کچھ دیر تک وہ مسکراتی رہی۔ دوسری طرف سے کوئی گفتگو کرتا رہا۔ اس کے بعد طاہرہ خاتون پھر بول پڑی۔ ”دراصل میں تمہیں بتانا بھول گئی تھی۔ واقعی میں علاج کے لئے اپنی بیٹی کے پاس امریکہ جا رہی ہوں اور پرسوں کی میری سیٹ بک ہو چکی ہے۔ مجھے افسوس ہے میں بتانہ سکی۔ بہر حال جانے سے پہلے میں خود ہی تم لوگوں سے ملنے آؤں گی۔“ اس کے ساتھ ہی طاہرہ خاتون نے ریسیور اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ کچھ دیر اپنی جگہ کھڑی سوچتی رہی۔ اس کے بعد اس کی نگاہیں اپنے خانساں منظور پر جم گئیں۔ ساتھ ہی اس کی آواز سنائی دی۔

”منظور تم خود بھی آؤ اور اپنی بیوی ساجدہ کو بھی لے کر آؤ۔ میں تم سے ایک اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی خانساں منظور باہر نکل گیا۔ آواز دے کر اس نے اپنی بیوی کو بلایا۔ اس کی بیوی جس کا نام ساجدہ تھا وہ بھاگی بھاگی آئی۔ دونوں اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں طاہرہ خاتون کھڑی تھی۔ ہاتھ کے اشارے سے اس نے دونوں کو کرسیوں پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ خود بھی وہ ان دونوں کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”تم دونوں میاں بیوی جانتے ہو کہ میں علاج کے لئے اپنی بیٹی کے پاس جا رہی ہوں۔ کب تک واپس آؤں گی نہیں جانتی۔ یہ بھی خبر نہیں کہ زندہ بھی بچوں گی یا نہیں۔ لہذا ایک راز ہے جو میں اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہوں۔ اس راز سے تمہیں آگاہ کرنا چاہتی ہوں۔ تاکہ میرے بعد اس راز کے سلسلے میں کوئی بات اٹھے تو تم اسے حل کر سکو۔ منظور! یہ راز اس وقت کا ہے جب تمہارا باپ خانساں کی حیثیت سے یہاں کام کرتا تھا۔ تم دونوں میاں بیوی بعد میں آئے۔ بہر حال میں سارے حالات تم دونوں کو تفصیل سے سناتی ہوں تاکہ میرے بعد تم اس راز سے متعلق یہاں رہنے والوں کی رہنمائی کر سکو۔

سنو! میں دو بیٹوں اور دو بیٹیوں کی ماں ہوں۔ پہلے میرا بڑا بیٹا امریکہ گیا۔ وہاں اس نے ایک امریکن خاتون سے شادی کر لی۔ اس کے ہاں ایک بیٹی ہوئی۔ بہن بھائیوں میں سب سے بڑی میری بیٹی ہے۔ اس کا نام نجم السحر ہے۔ اس کی شادی میں نے اپنی بہن کے بیٹے سے کی جس کا نام مسعود تھا۔ لیکن دونوں میں بن نہ پائی۔ میری بیٹی نجم السحر ڈاکٹر ہے۔ مسعود انجینئر تھا۔ دراصل پڑھائی کے دوران میری بیٹی ایک دور کے عزیز ڈاکٹر کو پسند کرنے لگی۔ مسعود سے اس کی شادی یوں جانور بردستی ہوئی۔ مسعود سے اس کا ایک لڑکا ہوا جس کا نام طارق رکھا گیا۔ دونوں میاں بیوی میں پہلے ہی سے ان بن تھی۔ پھر حالات کی بد قسمتی کہ ہمارا دور کا وہ عزیز جس کا نام رحمان ہے جسے میری بیٹی پسند کرتی تھی وہ بھی اسٹیٹ ہی میں تھا۔ وہ چند دنوں کے لئے یہاں آیا۔ نجم السحر سے اس نے ملاقات کی تو نجم السحر بے قابو ہو گئی۔ اس نے مسعود سے طلاق کا مطالبہ کیا۔ دونوں میاں بیوی میں جھگڑا ہوا جس کے نتیجے میں مسعود نے میری بیٹی نجم السحر کو طلاق دے دی۔ اس وقت میری بیٹی نجم السحر کا بیٹا جس کا نام میں نے تمہیں طارق بتایا ہے ڈیڑھ سال کا تھا۔

میری بیٹی نجم السحر ایسی غیر ذمہ دار نکلی کہ اس نے طلاق کے بعد عدت پوری ہوتے ہی رحمان سے شادی کر لی۔ اپنے ڈیڑھ سالہ بچے کو میرے پاس چھوڑ گئی کہ میں اس کی دیکھ بھال کروں۔ خود اپنے شوہر کے ساتھ امریکہ چلی گئی۔ وہاں خود بھی اس نے سروس کر لی۔ اب اس کو گئے بیس بائیس سال ہو گئے ہیں اور اس نے اپنے اس بچے کی جسے وہ ڈیڑھ سال کی عمر میں میرے پاس چھوڑ گئی تھی شکل تک نہیں دیکھی۔ وہ بچہ جوان ہو چکا ہے۔ وہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ میں تمہیں تفصیل سے بتاتی ہوں۔

بچہ جس کا نام میں نے تمہیں طارق بتایا ہے اس کا پورا نام طارق مسعود تھا۔ اسے میں نے شہر کے بہترین سکول میں داخل کرایا۔ پھر میری بد قسمتی کہ میں بیمار ہو گئی۔ اسے کوئی سکول چھوڑنے والا نہیں تھا۔ سب بچوں کی مائیں اپنی اپنی گاڑیوں میں جب اپنے بیٹوں کو چھوڑنے اور لینے جاتیں تو طارق احساس کمتری کا شکار ہو گیا۔ اس لئے کہ وہ رکشہ میں آتا جاتا تھا۔ دوسرے بچوں کی ماؤں کو پیار کرتے ہوئے دیکھتا تو مجھ کے رہ جاتا۔ میرے پاس ڈرائیور نہ تھا کہ اپنی گاڑی میں اسے بھجواتی۔ میں شروع سے ہی اپنی گاڑی خود چلاتی رہی ہوں۔

آہستہ آہستہ اس کے اندر ہمارے خلاف نفرت کا جذبہ ابھر تار ہا۔ اس کا ایک کلاس فیلو تھا جسے وہ بہت پسند کرتا تھا۔ اس کی ماں روزانہ اسے چھوڑنے اور لینے آتی تھی۔ وہ طارق کو بھی برا پیار کرتی تھی۔ بد قسمتی سے اس کا وہ کلاس فیلو ایک ایکسیڈنٹ میں ہلاک ہو گیا۔ اس کی ماں اپنے بچے کے مرنے پر ہلاک ہو گئی۔ روز سکول آتی اور سکول سے باہر اس وقت تک بیٹھ کے روتی رہتی جب تک سکول سے چھٹی نہ ہوتی۔ طارق اس کی یہ حالت دیکھتا اور کڑھتا۔ آخر وہ ایک روز اسی خاتون کے ساتھ چلا گیا جس کا نام سعدیہ تھا وہ اسے اپنی ماں کہنے لگا۔ میرے پاس اس نے آنا بند کر دیا۔

اسی خاتون نے اسے پڑھانا شروع کیا۔ میری کچھ حالت سنبھلی تو میں سکول گئی لیکن طارق نے میرے ساتھ آنے سے انکار کر دیا۔ پھر وہ کچھ عرصہ غائب رہا۔ اس لئے کہ جس مکان میں سعدیہ عورت رہتی تھی وہاں سے اس نے رہائش تبدیل کر لی۔ میں نے بچے کو بہت ڈھونڈا لیکن نہ ملا۔ پھر کچھ عرصے بعد اس سے میری ملاقات ہوئی۔ اب وہ بالکل اجنبی ہو چکا تھا۔ میں نے اسے گھر لانے کی بڑی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئی۔ گاہے گاہے البتہ وہ

السر کو وعدہ دیا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو اس کے بیٹے سے بیاہ دیں گے جسے وہ ڈیڑھ سال کا پاکستان چھوڑ گئی تھی۔ امریکن ماں کی بچی بھی یہاں آچکی ہے اور میری بیٹی نجم السحر کے موجودہ شوہر رحمان ہی کے ہاں اس کے بچوں میں رہتی ہے۔ اس لڑکی کا نام طوبی ہے۔ اسے پتہ ہے کہ اس کے ماں باپ نے اس کی سگائی اس کے پیدا ہونے کے تھوڑے عرصے بعد نجم السحر کے بڑے بیٹے سے کر دی تھی جو اب گم ہو چکا ہے۔ طوبی اپنے طور پر بھی طارق کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہے لیکن میں اسے طارق کا بھی تک پتہ نہیں دے رہی اس لئے کہ وہ اپنی ماں سے انتہا درجہ کی نفرت کرتا ہے۔ اگر میں نے اس وقت اسے طوبی سے ملا دیا تو وہ طوبی کو ٹھکرادے گا۔ میں چاہتی ہوں پہلے میری بیٹی یہاں آئے۔ اپنے بیٹے کے ساتھ اپنے تعلقات درست کرے، اسے راضی کرے اس کے بعد میں اس کا تعارف طوبی سے کرانا پسند کروں گی۔

امریکہ میں جو میری بیٹی ہوتی ہے جس کے پاس میں جا رہی ہوں اس کا نام بدر النساء ہے اور اس کے میاں کا نام سلیمان ہے۔ وہ دونوں میاں بیوی بھی وہاں ملازمت کرتے ہیں۔ میری بیٹی نجم السحر نے اپنے دوسرے شوہر رحمان سے شادی کرتے وقت صرف یہ بتایا تھا کہ اس کی شادی اس سے پہلے مسعود سے ہو چکی تھی لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ مسعود سے اس کا ایک بچہ بھی ہے اور اس کی عمر ڈیڑھ سال ہے۔ دراصل اس نے بچے کو اس لئے چھپا کے رکھا کہ اسے ڈرتھا کہیں رحمان اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار نہ کر دے۔ لیکن امریکہ جانے کے کچھ عرصہ بعد ایک روز اس نے رحمان پر انکشاف کر دیا کہ اس کا ایک ڈیڑھ سالہ بچہ بھی مسعود سے ہے جسے وہ پاکستان چھوڑ آئی تھی۔ اس پر رحمان نے کبھی برے رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ پاکستان آنے کے بعد رحمان خود طارق کی تلاش میں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کا چونکہ ایک ہی بیٹا ہے۔ طارق کے مل جانے پر اس کے دو بیٹے ہو جائیں گے۔ اس طرح ایک کے بجائے اسے دو بازو میسر ہوں گے۔“

”بیگم صاحبہ آپ نے یہ تو بتا دیا کہ آپ کے ایک بیٹے کا حادثہ امریکہ میں ہوا اور وہ ہلاک ہو گیا ہے۔ پر آپ کا دوسرا بیٹا کہاں ہے؟“

اس پر طاہرہ خاتون مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ میرا دوسرا بیٹا بھی امریکہ میں ہے۔ میں کچھ عرصہ اپنی بیٹی اور چند روز بیٹے کے پاس رہوں گی۔ دونوں ساتھ ساتھ ہی رہتے ہیں۔

مجھے ملتا رہا۔ میں بھی اس امید پر رہی کہ جب اس کی ماں آئے گی تو حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ میں اگر بچے پر جبر کرتی تو وہ اکثر جاتا، باغی ہو جاتا۔ سارا معاملہ خراب ہو جاتا۔ آہستہ آہستہ دوریاں بڑھتی گئیں۔ یہاں تک کہ بچے کی نفرت اپنی ماں کے خلاف اچھے عروج پر پہنچ گئی۔ اسے کسی نے یہ بتا دیا تھا کہ اس کی ماں نے جب وہ ڈیڑھ سال کا تھا اس کے باپ سے طلاق لے لی تھی اور پھر کسی ایسے ڈاکٹر سے شادی کر کے امریکہ چلی گئی تھی جسے وہ پہلے ہی پسند سے کرتی تھی۔

طارق نے اپنی نفرت کا اظہار کچھ اس طرح کیا کہ ایک روز میرے گھر آیا اور مجھے کچھ رقم دی اور کہنے لگا۔ ”یہ اس دودھ کی قیمت ہے جو میری ماں نے مجھے ڈیڑھ سال پلایا۔ اس کے آگے اس نے کچھ نہیں کہا بس چلا گیا۔ میں آج تم دونوں کو لے کر جاؤں گی اور وہ جگہ تمہیں دکھاؤں گی جہاں وہ اپنی منہ بولی ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ وہ اسے چھوڑتا نہیں۔ سگی ماں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے۔ البتہ میں تمہیں اس کا گھر دکھا دوں گی۔ تاکہ میرے جانے کے بعد جب میری بیٹی آئے تو تم اس کے بیٹے تک اس کی رہنمائی کر سکو۔

میں پرسوں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ میرے جانے کے چند روز بعد میری بیٹی نجم السحر بھی امریکہ سے یہاں آجائے گی۔ میں تم پر یہ انکشاف کروں کہ اس کا شوہر رحمان پہلے ہی یہاں آچکا ہے۔ اس کی بیٹیاں اور رحمان سے جو اس کا بیٹا ہے وہ یہاں مقامی کالجوں میں زیر تعلیم ہیں۔ رحمان نے یہاں گارڈن ٹاؤن میں اپنا ایک ہسپتال بھی بنا لیا ہے۔ میری بیٹی بھی اپنی سروس سے فارغ ہونے کے بعد چند دن تک آئے گی اور رحمان کے ساتھ اپنے ہسپتال میں کام کرے گی۔

میں چاہتی ہوں کہ میری غیر موجودگی میں تم میری بیٹی کو اس جگہ لے جاؤ جہاں اس کا بیٹا رہتا ہے اور دونوں کو آپس میں ملانے کی کوشش کرو۔ بس یہی کام میں تمہارے ذمہ لگانا چاہتی ہوں۔ ساتھ ہی تم پر مزید ایک انکشاف کرتی ہوں۔ تم نے دیکھا ہو گا اکثر ویشتر امریکی نقش و نگار کی ایک انتہائی خوبصورت لڑکی میرے پاس آتی رہی ہے۔ وہ میری پوتی ہے۔ میرا بیٹا جو سب سے پہلے امریکہ گیا وہاں اس نے ایک امریکن خاتون سے شادی کر لی۔ اس سے اس کی بیٹی ہوئی۔ ہماری بد قسمتی کہ ایک حادثے میں وہ دونوں میاں بیوی مر گئے بیٹی بچ گئی۔ بیٹی کی پیدائش کے تھوڑے ہی ماہ بعد دونوں میاں بیوی نے میری بیٹی نجم

میری بیٹی بدر النساء کی شادی بھی میری بہن کے دوسرے بیٹے سے ہوئی۔ اس کا نام سلیمان ہے اور وہ طارق کے باپ مسعود کا چھوٹا بھائی ہے۔“

”وہ جو امریکن ماں کی بیٹی طوبی ہے وہ یہاں کیا کرتی ہے؟“

طاہرہ خاتون نے پھر جواب دینا شروع کیا۔ ”وہ ایم ایس سی کر چکی ہے۔ اب اس کا یہاں اچھا خاصا بزنس ہے۔ اس کی گارمنٹس کی فیکٹری ہے۔ وہ ایکسپورٹ کرتی ہے اور اچھے خاصے پیسے کماتی ہے۔ ساتھ ہی اس کی اپنی ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی ہے جس میں وہ خود بیٹھتی ہے۔ لڑکی کو تم نے دیکھ رکھا ہے۔ اکثر و بیشتر میرے پاس آتی رہتی ہے۔“

ساجدہ مزید کچھ پوچھنا چاہتی تھی کہ باہر کار کا ہارن سنائی دیا۔ اس پر طاہرہ خاتون کہنے لگی۔ ”چلو باہر چلتے ہیں۔ شاید کوئی آیا ہے۔“

جب وہ کوٹھی کے اندرونی حصے سے باہر آئے تو سفید رنگ کی ایک ٹیوٹا کار وہاں کھڑی تھی اور اس سے ڈھلی ہوئی عمر کا ایک شخص نکل رہا تھا۔ اس پر ساجدہ جھٹ سے بولی۔ ”بیگم صاحبہ! آپ نے رحمان صاحب کا ذکر کیا ہے اور وہ خود ہی آگئے ہیں۔“ اتنی دیر تک رحمان آگے بڑھا۔ طاہرہ خاتون کو سلام کیا پھر کہنے لگا۔

”اماں میں ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔ نجم السحر نے اپنے آنے کی تاریخ تبدیل کر دی ہے۔ پہلے وہ ایک ہفتے بعد آرہی تھی۔ اب شاید اس نے وہاں سے کلیرنس لے لیا ہے اور وہ آج ہی شام کی فلائٹ سے آرہی ہے۔ میں نے آپ کو یہ اطلاع دینی تھی کہ سب نے اسے ایئرپورٹ ریسیو کرنے جانا ہے۔ میں خود آپ کو لے کے جاتا مگر یہ اطلاع دینے کے بعد میں طوبی کی طرف جاؤں گا۔ اس کی ایک مہم آن پڑی ہے اسے سر کرنے کے بعد پھر میں ایئرپورٹ جاؤں گا۔“ اس پر طاہرہ خاتون کہنے لگی۔ ”اگر طوبی کو کوئی کام ہے تو بیٹے تم اس کی طرف چلے جانا۔ میں منظور اور ساجدہ کے ساتھ ایئرپورٹ پہنچ جاؤں گی۔ تم کوئی فکر نہ کرو۔“

اس پر ڈاکٹر رحمان بولا۔ ”مجھے اب اجازت دیجئے۔ میں نے طوبی کے پاس جانا ہے۔ اسے ساتھ لے کر ایک مہم پر نکلتا ہے۔ وہ بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہی ہوگی۔“

طاہرہ خاتون نے تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔ ”بیٹے! طوبی کی ایسی کون سی مہم ہے جو اتنی اچانک آن پڑی ہے اور طوبی نے اس کا ذکر مجھ سے بھی نہیں

کیا۔ حالانکہ ہفتے میں ایک دو بار وہ ضرور میرے پاس آتی ہے۔“

اس پر ڈاکٹر رحمان مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ”اماں دراصل بات یہ ہے کہ طوبی کا ایک کلاس فیلو تھا جو کہ ایف ایس سی تک اس کے ساتھ ہی پڑھتا رہا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی رہائش تبدیل کر لی۔ طوبی کو اس کی کچھ خبر نہ ہوئی۔ بس یوں چار سال گزر گئے۔ گزشتہ دن طوبی نے اسے ایک ٹی وی پروگرام میں دیکھا۔ اس نے بہترین انداز میں ایک غزل گائی۔ اسی غزل کو پھر اس نے شہنائی پر سنایا۔ پھر اسی غزل کو اس نے وائسن پر بھی پیش کیا۔ طوبی نے اسے پہچان لیا۔ اس کے کہنے پر میں ٹی وی ڈائریکٹر کے پاس گیا اور اس لڑکے کا پوچھا۔ اب اس کا میں نے ایڈریس معلوم کر لیا ہے۔ دراصل طوبی اس کو اس کی کارگزاری پر مبارک باد پیش کرنا چاہتی ہے۔ میں طوبی کو لے کر وہاں جانا چاہتا ہوں۔ آپ منظور اور ساجدہ کے ساتھ ایئرپورٹ چلی جائیے گا۔ میں بھی جلد فارغ ہو کر ایئرپورٹ پہنچوں گا۔“ اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر رحمان پیچھے ہٹا، اپنی گاڑی میں بیٹھا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔



پوچھتے ہوئے میں اس کے گھر گیا۔ میری خوش قسمتی کہ وہ مجھے گھر ہی میں مل گیا۔ اپنی ماں اور اپنے چھوٹے بھائی کے پاس بیٹھا وہ باتیں کر رہا تھا۔ اس کی ماں پچاری شوگر کی مریضہ ہے۔ ساتھ ہی فالج زدہ بھی ہے۔ وہ اسے وہیل چیئر یا اپنی پیٹھ پر بٹھا کر ادھر ادھر لے جاتا ہے۔ اچھا دراز قد، خوبصورت اور گورے چنے رنگ کا ہے۔ تعلیم ایف ایس سی ہے۔ اس

مختلف سڑکوں سے ہوتے ہوئے ڈاکٹر رحمان نے اپنی کار ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی کے بعد بی فارمیسی اور فزیو تھراپی میں ڈپلومہ کیا ہوا ہے۔ پہلے جیل روڈ کے کسی ہسپتال میں سامنے روکی۔ پھر اندر داخل ہوا۔ شاف کے بڑے کمرے سے گزرنے کے بعد وہ آبنو فزیو تھراپسٹ کی حیثیت سے کام کرتا تھا لیکن ان لوگوں نے اپنا کوئی آدمی رکھ لیا۔ لہذا وہ کی لکڑی اور شیشے سے بنے ایک کیمین میں داخل ہوا۔ اندر امریکن خدو خال کی ایک لڑچند ماہ سے بیکار ہی ہے۔

بیٹھی ہوئی تھی جو خوابوں کے نگر میں پھولوں کی پیاس بجھاتی شبنم جیسی خوبصورت، چاہتو طوبی نے بیچ میں بولتے ہوئے ڈاکٹر رحمان کی بات کاٹ دی اور کہنے لگی۔ ”آپ مجھے کے گلشن میں شاداب شگونوں جیسی حسین، رنگ و بو کے آنکھوں میں خواہشوں کی تیلی اس کی شخصیت، اس کی ماں، اس کے بھائی کے متعلق تفصیل نہ بتائیں۔ میں ان سب کو پہلے جیسی پرکشش اور تازگی کی فضاؤں میں گھٹانہتی امگلوں جیسی جاذب نظر تھی۔ ڈاکٹر رحمان سے جانتی ہوں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ ایف ایس سی ہے کیونکہ ایف ایس سی تک دیکھتے ہوئے وہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور سامنے ایک کرسی کی طرف اشارہ کر۔ میرے ساتھ پڑھتا رہا ہے۔ آپ مجھے یہ بتائیں کہ وہ ان دنوں رہتا کہاں ہے؟ اس لئے کہ ہوئے بیٹھے کے لئے کہا۔ اس سے اس کے ہونٹوں کی شبنم میں ان کہی باتوں کی مہک، پہلے تو وہ اقبال پارک میں رہتے تھے۔ پھر اچانک نہ جانے وہ کہاں چلے گئے۔ میں نے ایک لمبا کی آنکھوں کی جوت میں دل میں ایک خلش پیدا کرتے سپنوں کی آگ تھی۔ لگتا تھا اس عرصہ انہیں تلاش کیا لیکن نہیں ملے۔ اب میری خوش قسمتی کہ وہ اچانک ٹی وی پر نمودار نشیلی سانسیں، اس کی خوبصورت نیلی آنکھیں، اس کے صندوق بازو، اس کا گلاب بدن، ہو اور اس کا کچھ اتا پتا چلا۔“

کے تن کا گداز بن اور چاہتوں بھری ریلی میٹھی پھوار سی اس کی آواز اسے کوندے سے بر اس پر ڈاکٹر رحمان پھر بول پڑا۔ ”بیٹے! اس کی رہائش بھی عجیب و غریب جگہ ہے۔ اچھرے میں مشہور و معروف اور جانی پہچانی آریہ ساج گلی کے قریب ہی ایک کھلا احاطہ بنائے ہوئے تھی۔

ڈاکٹر رحمان جب اس کے شیشہ لگے بڑے میز کے سامنے بیٹھ گیا تب وہ لڑکی جس کا ہے۔ احاطہ کا نام احاطے کے مالک نے پاکستان کو آرٹزر رکھا ہوا ہے۔ اسی احاطے کے ایک طوبی تھا اپنی کرسی پر اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھ گئی۔ پھر ڈاکٹر رحمان کی طرف دیکھتے ہو۔ جسے میں وہ لڑکا جس کی تمہیں تلاش ہے اور جس کا نام تم نے طارق بتایا ہے اپنی ماں اور بھائی اس نے پوچھ لیا۔ ”انکل آپ نے میرے کام کا کیا کیا؟“

رحمان کے چہرے پر لمحہ بھر کے لئے خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ طوبی! پھر بول پڑی۔ ”انکل! آپ نے بہت دیر لگا دی۔ میں کافی دیر سے آپ تھوڑی دیر بیٹھیں۔ میں شاف سے کہے دیتی ہوں کہ میں واپس نہیں آؤں گی۔ دفتر بند کر کے چلے جائیں۔ آپ ابھی میرے ساتھ اس جگہ چلیں جہاں طارق رہتا ہے۔“

اس پر رحمان نے ہلکا سا ایک قہقہہ لگایا۔ پھر بول پڑا۔ ”میں اب تک تمہارے کام سے پہلے ہی لگا ہوا تھا۔ پہلے میں ٹی وی پر ڈیو سر کے پاس گیا۔ اس سے اس لڑکے کے متعلق اپنی جگہ سے انھن۔“

پوچھا جس نے وہ گانے کا پروگرام پیش کیا تھا اور جس کا نام تم نے طارق بتایا تھا۔ اس کا طوبی دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ رحمان نے پھر اسے مخاطب کیا۔ ”طوبی! میری بیٹی! تو

کے ساتھ ہی طوبی اپنی کار میں بیٹھی اور ڈاکٹر رحمان اپنی کار میں جا بیٹھا تھا۔ پھر وہ دونوں اچھرہ کی طرف ہو لئے تھے۔

دونوں ایک عمارت کے احاطے میں داخل ہوئے۔ گازیاں پارک کیں۔ نیچے اترے۔ اس موقع پر ڈاکٹر رحمان نے طوبی کو مخاطب کیا۔ ”بیٹا! یہ وہ عمارت ہے جس میں طارق رہتا ہے۔“ پھر وہ دونوں آگے بڑھے۔ عمارت یو شکل کی تھی۔ سامنے والا حصہ خالی تھا۔ دائیں بائیں اور پچھلی طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر رحمان بائیں حصے کی طرف گیا۔ پھر اشارہ کرتے ہوئے طوبی سے کہنے لگا۔ ”طوبی! وہ سامنے والے کمرے طارق کے ہیں۔“

اب طوبی آگے تھی۔ ڈاکٹر رحمان پیچھے۔ رحمان نے جب ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا تو وہ اس میں داخل ہوئی۔ اندر ایک بوڑھی خاتون وہیل چیئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ بائیں تیس سال کا ایک لڑکا اس کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ جب دونوں کمرے میں داخل ہوئے تو اس پر بوڑھی خاتون اور لڑکے نے طوبی کو دیکھتے ہوئے بے حد خوشی کا اظہار کیا۔

طوبی بھاگ کر آگے بڑھی۔ پہلے اس بوڑھی خاتون سے گلے ملی پھر لڑکے کا شانہ تھپتھپایا۔ دائیں جانب کچھ کرسیاں خالی پڑی تھیں۔ وہ دونوں اس پر بیٹھ گئے تھے۔ طوبی نے اس بوڑھی خاتون کو مخاطب کیا۔ ”اماں! آپ کہاں چلی گئی تھیں؟ میں نے آپ کو بڑا تلاش کیا۔“ پھر اچانک طوبی کو کچھ خیال گزرا تو وہ ڈاکٹر رحمان کو مخاطب کر کے کچھ کہنے لگی۔ ”انکل! یہ طارق کی ماں ہیں اور ان کا نام سعدیہ ہے اور یہ طارق کا چھوٹا بھائی خلیل ہے۔“

اس کے بعد طوبی نے پھر سعدیہ کو مخاطب کیا۔ ”اماں! یہ تین چار سال میں آپ لوگوں کی تلاش میں سرگرداں رہی۔ آپ نے پہلے والی رہائش کیوں چھوڑ دی؟“

سعدیہ کچھ دیر مسکراتے ہوئے طوبی کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر عجیب مایوسانہ انداز میں کہنے لگی۔ ”بیٹا! جس گھر میں پہلے رہتے تھے وہ ہمارا نہ تھا۔ یہ بھی ہمارا نہیں ہے۔ دراصل شروع سے ہی ہم اس عمارت میں رہتے ہیں۔ اس عمارت کی کچھ مرمت ہوئی تھی اس لئے کچھ عرصہ کے لئے ہم کرائے کے اس گھر میں چلے گئے جس میں تم ہمیں ملتی رہی ہو۔ جب اس عمارت کی مرمت ہو چکی تو ہم اس میں لوٹ آئے۔“

طوبی نے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر دوبارہ اُس نے سعدیہ کو مخاطب کیا۔ ”طارق کہیں دکھائی نہیں دے رہا۔ اسے ملے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا ہے۔“

جانتی ہے کہ ہم نے اپنے ہسپتال میں بھی ایک فزیو تھراپی سنٹر کھول رکھا ہے۔ سارا ساما وہاں موجود ہے۔ فزیو تھراپی کے لئے دو کمرے بھی مختص کر دیئے ہیں اور سارے سامان ترتیب بھی درست کر دی گئی ہے۔ ہمیں بھی چونکہ ایک فزیو تھراپسٹ کی ضرورت تھی لہذا طارق سے ملنے کے بعد میں سیدھا ہسپتال گیا۔ وہاں میں نے اس کے لئے ایک اپائنٹمنٹ لیٹر ٹائپ کروایا۔ اس لیٹر پر میں نے دستخط کر دیئے ہیں۔ وہ لیٹر میری جیب میں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں اور تم دونوں باپ بنی طارق کی طرف جائیں۔ وہ ان دنوں چونکہ بیکار ہے۔ اپنی ماں کے علاج کے لئے اسے ہر وقت پیسوں کی ضرورت رہتی لہذا یہ اسے اپائنٹمنٹ لیٹر دوں گا کہ کل سے وہ ہمارا ہسپتال جوائن کر لے۔ میرے خیال میں انکار نہیں کرے گا۔ اور ہاں میں تم سے یہ کہنا بھول گیا کہ تمہاری آنٹی نجمہ السحر کا فیکس ہوا ہے۔ وہ آج شام کی فلائٹ سے آرہی ہے۔ میرے خیال میں جلدی سے اٹھو۔ پھر طارق کی طرف جاتے ہیں۔ اس سے ملنے کے بعد پھر مجھے ایئر پورٹ جانا ہو گا۔“

طوبی نور ان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ شاف کو اس نے ضروری ہدایات دیں۔ پھر با نکلتے ہوئے ڈاکٹر رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”میں اپنی کار بھی ساتھ لئے جا رہی ہوں۔ آپ کو وہاں سے ایئر پورٹ جانا ہو گا لیکن میں آنٹی کوریسیو کرنے ایئر پورٹ نہیں سکوں گی۔ میں کچھ دیر طارق اور اس کی ماں کے پاس بیٹھوں گی۔“

اس پر ڈاکٹر رحمان نے تیز نگاہوں سے طوبی کی طرف دیکھا۔ پھر اپنی کار کی طرف بڑھتے ہوئے تجسس بھرے انداز میں طوبی کو مخاطب کیا۔ ”بیٹی میں تمہارے باپ کی جا ہوں۔ اگر تو براندہ مانے تو ایک بات پوچھوں؟“

طوبی نے عجیب سے انداز میں رحمان کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ ”انکل پوچھئے پوچھنا چاہتے ہیں؟“

رحمان نے پھر ایک گہری نگاہ طوبی پر ڈالی۔ پھر اس کی آواز سنائی دی۔ ”میری بچی! تو براندہ مانے تو میرا دل، میری حیات کہتی ہیں کہ تم طارق کو پسند کرتی ہوں۔ جھوٹ منا کہنا اور مجھ سے کوئی چیز چھپانا بھی مت۔“

طوبی کی گردن جھک گئی تھی۔ کچھ دیر تک سوچتی رہی۔ پھر رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”انکل آپ کے اندازے کچھ کچھ درست ہیں۔ بہر حال چلے چلیں۔“

اس کی اپنی گزر بسر ہو۔ کسی اور کو کرایہ پر کوئی کمرہ نہیں دیتی۔ شروع سے جو لوگ اس کے پاس ہیں انہیں ہی رکھا ہوا ہے۔ اس کا یہ بھی وعدہ ہے کہ جب وہ مر جائے گی تو جس کمرے میں جو رہتا ہے وہ اس کا مالک ہو گا۔ وہ یہ بھی کوشش کر رہی ہے جو کوئی یہاں رہ رہا ہے اتنی جگہ اس کے نام ہی کر دے۔ ایسی شفیق، ایسی مہربان اور نرم دل عورت میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔ دو منزلہ عمارت ہے نیچے اوپر سب کرائے دار ہیں۔ سامنے والے حصے میں پٹھان فیملی رہتی ہے۔ عورت کا نام گل سانگا ہے۔ اس کے دو بیٹے علی خان اور مراد خان اور بیٹی زرگوندہ ہے۔ یہ بھی انتہائی شفیق اور انتہائی مہربان فیملی ہے۔ اس بے چاری کا خاوند بھی فوت ہو چکا ہے۔ بیٹوں میں سے ایک سوزو کی چلا تا ہے، دوسرا اسی عمارت کے باہر فروٹ کا ٹھیلہ لگاتا ہے۔ ہمارے سامنے والے حصے میں تین افراد رہتے ہیں۔ ایک کا نام اللہ بخش ہے۔ وہ سندھی ہے۔ دوسرے کا نام بجار خان ہے۔ وہ بلوچ ہے۔ یہ دونوں یہاں فروٹ اور سبزی منڈی میں فروٹ اور سبزی کا کام کرتے ہیں اور یہاں سے دوسرے صوبوں کی طرف فروٹ اور سبزی لے کر جاتے ہیں۔ ان کے آگے پولیس کار یا ٹرڈی ایس پی رہتا ہے۔ ادھیڑ عمر ہے۔ پوری زندگی انتہائی ایمانداری اور دیانت داری سے پولیس کی سروس کی۔ کبھی رشوت نہیں لی۔ مجرموں نے اس کی بیوی اور بچوں کو ہلاک کر دیا۔ اب وہ بھی اس دنیا میں اکیلا ہے۔ صبح ناشتہ کرنے کے بعد باہر نکل جاتا ہے۔ شام کو لوٹتا ہے اور کمرے میں پڑا سو رہتا ہے۔ اس کا نام سلطان ہے۔ اوپر والے حصے میں سامنے کا جو پورشن ہے وہ عمارت کی مالکہ جہاں آرا کے پاس ہے جو یہاں رہتی ہیں اور اس کا بائیں طرف کا حصہ ایک بیوہ عورت کے پاس ہے۔ اس کا نام سمیعہ ہے۔ ساتھ اس کے بیٹی رہتی ہے جس کو اس کے شوہر نے گھر سے نکال باہر کیا ہوا ہے۔ اس کی بیٹی کا نام ثروت ہے۔ اس کا ایک بیٹا بھی ہے جس کا نام خرم ہے۔ عمارت کے اوپر کے دائیں والا حصہ خالی چھوڑ دیا گیا ہے۔ عمارت کی مالکہ کی مہربانی ہے کہ اس حصے میں اپنی طرف سے ایک ٹی وی رکھا ہے۔ رات کو عمارت کے سب بچے اور بڑے اس کمرے میں جمع ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کا دکھ درد سنتے ہیں۔ وہاں بیٹھ کر اکٹھے ٹی وی دیکھتے ہیں اس کے بعد اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے ہیں۔ بس یہ اس عمارت کی کہانی ہے۔“ سعد یہ جب خاموش ہوئی تو رحمان مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”خاتون! یہ اس عمارت کا خاصہ بڑا عجوبہ ہے اور اگر میرے بس میں ہو تو میں اس کو دنیا کے

”بیٹی! جس وقت تمہارے انکل آئے تھے وہ یہیں تھا۔ ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد اس کا دوست آگیا۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ آج کل بیکار ہے۔ نا نوکری کے لئے بڑا سرگرداں ہے۔ اس کا دوست اسے سروس کے سلسلے میں اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ دیکھو کیا کرتا ہے۔“

طوبیٰ سعدیہ کے قریب گئی اور اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”اماں! طارق کو اب کہیں بھی سروس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انکل اس کی سروس کا بندوبست کر کے آرہے ہیں۔“ پھر طوبیٰ نے خلیل کی طرف دیکھا۔ ”کیا ایسا ممکن نہیں تم اپنے بھائی کو بلا لاؤ۔ پر جلدی، اس لئے کہ میری آنٹی آرہی ہیں۔ انہیں ریسو کرنے ایئر پورٹ بھی جانا ہے۔“

”بیٹے! اٹھو! کرایہ کی سائیکل لو اور اس کے پیچھے جاؤ اور اس کو بلا کر لاؤ۔“ سعدیہ نے اپنے چھوٹے بیٹے خلیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اور وہ چپ چاپ باہر نکل گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد رحمان کچھ دیر تک اس کمرے کا جس میں وہ بیٹھے ہوئے تھے جائزہ لیتا رہا۔ پھر باہر عمارت کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے سعدیہ کو مخاطب کر کے کہا۔ ”یہ خاصی بڑی عمارت ہے۔ اس میں لگتا ہے سب کرایہ دار ہی رہتے ہیں۔ کیا اس کا مالک بھی یہیں رہتا ہے؟“ اس موقع پر سعدیہ کے چہرے پر بڑی تلخ مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ پھر وہ بول پڑی۔ ”بیٹے یہ عمارت بڑی پرانی ہے۔ اس عمارت کی مالک ایک خاتون ہے۔ وہ بھی اس عمارت کے اندر ہی رہتی ہے۔ دراصل دہلی کے دو میاں بیوی تھے۔ وہ اپنے ایک بیٹے کے ساتھ ہجرت کر کے یہاں آئے۔ یہ عمارت کلیم میں انہیں ملی تھی۔ ان دونوں کی بد قسمتی کہ ان کا بیٹا فوت ہو گیا۔ اس کے بعد ان کے ہاں کوئی اولاد ہی نہ ہوئی۔ عورت کا نام جہاں آراء ہے۔ بیٹے کے مرنے کے کچھ عرصہ بعد اس کامیاں بھی اس جہاں فانی سے کوچ کر گیا۔ اب وہ اکیلی ہے۔ اس عمارت کے سامنے والے حصے میں دوسری منزل کے دو کمرے اس کے ہیں۔ انتہائی نیک دل خاتون ہے۔ ساری عمارت اس نے کرایہ پر چڑھا رکھی ہے۔ کرایہ داروں کے ساتھ سلوک ایسا ہی ہے جیسے ایک بزرگ اور نہایت شفیق ماں کا اپنے بچوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر کسی کے پاس کسی وقت کرایہ نہیں ہوتا تو بالکل چپ رہتی ہے۔ مانگتی ہی نہیں۔ کرایہ بھی اس نے برائے نام رکھا ہوا ہے کہ جس سے

عجائبات میں شامل کروں۔ میرے خیال میں یہاں نہ کسی کو ایسی عمارت ملے گی اور نہ ایسی عمارت کے مکین جو آپس میں رشتہ نہ ہونے کے باوجود رشتہ داروں کی طرح رہیں۔“

اس پر سعد یہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہنے لگی۔ ”بھائی! یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ بس شاد سے تھوڑی دیر بعد دیکھنے کا سارے لوگ اپنے اپنے کاموں سے لوٹ آئیں گے۔ پھر اس عمارت کی رونق قابل دید ہوگی۔ جس قدر اس عمارت میں رہنے والے لوگ ہیں سب ایک کنبے کی طرح رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ درد کا خیال رکھتے ہیں۔ میرا بڑا بیٹا طارق ایک دو ماہ سے بالکل بیکار ہے۔ پہلے یہ جیل روڈ کے ہسپتال میں کام کرتا تھا۔ انہوں نے اپنا آدمی رکھ لیا ہے اور اس کو نکال دیا ہے۔ چھوٹا بیٹا ایک موسیقار کے ساتھ کام کرتا ہے۔ طلبہ بجاتا ہے۔ موسیقار کو کوئی کام ملتا ہے تو اس کو بھی چار پیسے مل جاتے ہیں۔ بڑا بیٹا بہر حال جب نوکری پر تھا تو اچھے پیسے کماتا تھا۔ وہ ہر فن مولتا ہے۔ بہترین گائیک ہے، وائلن، شہنائی اور طلبہ عمدہ قسم کا بجاتا ہے۔ ایف ایس سی کر کے فزیو تھراپی اور بی فار میڈی کیا ہوا ہے پر پچارا ابھی تک کہیں مستقل طور پر سیٹ نہیں ہو پایا۔“ یہاں تک کہنے کے بعد سعد یہ تھوڑی دیر کے لئے رکی۔ پھر رحمان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”میری بیٹی طوبی ہمارے متعلق تفصیل سے جانتی ہے۔ شاید اس نے آپ کو نہیں بتایا ہو گا۔ ہمارے حالات بہت اچھے تھے۔ میرے شوہر ایک اچھے موسیقار تھے۔ عمدہ قسم کے شاعر بھی تھے۔ اس سلسلے میں، میں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ موسیقی اور شاعری کی مجھے بھی لگن ہوئی۔ دونوں کام میں نے بھی کئے۔ پھر ہماری بد قسمتی کہ وہ ایسے بیمار پڑے کہ جو ہمارا چھوٹا مکان تھا اسے بھی بیچ کر ان کے علاج پر لگا دیا۔ کرایہ پر رہنے لگے۔ مزید بد قسمتی یہ ہوئی کہ مجھ پر فاج گرا اور شوگر اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ میری خواہش تھی کہ ان دونوں بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلاؤں گی مگر ایسا نہ ہو سکا۔ خلیل میٹرک کر چکا ہے۔ دوسرے پچارے نے ایف ایس سی کی۔ اس کے بعد پھر وہ دھکے کھانے لگا۔ بہر حال اب تک میرے بڑے بیٹے طارق نے ہی گھر کی گاڑی کو چار کھا ہے۔“

رحمان اور طوبی تھوڑی دیر تک اس کے پاس بیٹھ باتیں کرتے رہے۔ پھر باہر نکلے۔ عمارت کا جائزہ لیتے رہے۔ اب کافی دیر ہو گئی تھی۔ اس موقع پر طوبی نے رحمان کو مخاطب کیا۔ ”انکل! میرے خیال میں آپ جائیں۔ آپ کا ایئر پورٹ پہنچنے کا وقت ہو رہا ہے۔ میں

طارق سے مل کر آتی ہوں۔“

رحمان نے غور سے طوبی کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ ”نہیں بیٹے! دونوں باپ بیٹی اکٹھے ہی جائیں گے۔ اب طارق کا انتظار دونوں مل کر کرتے ہیں۔ میں موبائل پر امی اور گھر والوں کو بتا دیتا ہوں وہ سحر کو لینے چلے جائیں۔“

پھر رحمان نے طوبی کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ موبائل پر پہلے اس نے طاہرہ خاتون کو فون کیا۔ پھر اپنے گھر پر فون کیا اور دونوں جگہ بتا دیا کہ وہ ایئر پورٹ نہیں پہنچ سکے گا۔ اس کے بعد دوبارہ وہ سعد یہ کے پاس آکر بیٹھ گئے تھے۔ اس موقع پر سعد یہ نے کچھ سوچا پھر رحمان کو مخاطب کیا۔ ”آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کے کتنے بچے ہیں؟“

رحمان کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر کہنے لگا۔ ”خاتون! دراصل میں اور میری بیوی دونوں امریکہ میں تھے۔ بچے جوان ہو گئے ہیں انہیں لے کر واپس وطن آگیا۔ ایک بیٹا، دو بیٹیاں ہیں۔ بیٹے کا نام احسن ہے۔ بڑی بیٹی کا نام ثانیہ ہے اور چھوٹے کا نام شمرہ۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ہم دونوں میاں بیوی ڈاکٹر ہیں۔ یہاں ہم نے اپنا ہسپتال بنا لیا ہے۔ لہذا بیٹے اور دونوں بیٹیوں کو ہم ڈاکٹر ہی بنا رہے ہیں تاکہ ہمارے بعد وہ بھی اپنے ہسپتال کو چلا سکیں۔ بیٹا ایم بی بی ایس کرنے کے بعد ہاؤس جاب کر رہا ہے۔ بیٹیوں میں سب سے بڑی ایم بی بی ایس کے آخری سال میں ہے۔ دوسری بیٹی کا بھی ایک سال رہتا ہے۔ میں بچوں کے لئے یہاں آگیا تھا لیکن میری بیوی وہیں رہیں۔ اب وہ بھی آج شام کی فلائٹ سے آرہی ہے۔ بس اس کے بعد یوں جاننے کہ ہماری فیملی کے سارے افراد یہاں جمع ہو جائیں گے۔“

سعد یہ پہلے تو خاموش رہی پھر دوبارہ اس نے رحمان کو مخاطب کیا۔ ”آپ کی بیوی کی فلائٹ کے آنے کا وقت ہو چکا ہو گا۔ آپ دونوں اسے ایئر پورٹ ریسو نہیں کرنے جائیں گے؟“

ذرا مسکراتے ہوئے رحمان کہنے لگا۔ ”نہیں۔ ہم نے گھر پر اطلاع کر دی ہے کہ میں اور طوبی نہ آسکیں گے۔“ اس کے بعد طوبی اور رحمان سعد یہ کا دل بہانے کے لئے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے تھے۔

سامان تھا وہ باہر لے جایا گیا۔ احسن نے سامان اپنی گاڑی کی ڈیگی میں رکھوا دیا۔ سحر اپنے بیٹے احسن کی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ طاہرہ خاتون اور ساجدہ پہلے کی طرح اپنی گاڑی میں بیٹھیں پھر وہ ایئر پورٹ کے پارکنگ ایریا سے نکل گئے تھے۔

احسن نے اپنی گاڑی کو آگے رکھا ہوا تھا۔ طاہرہ خاتون اس کے پیچھے تھی۔ فیروز پور روڈ پر آنے کے بعد احسن کو نہ جانے کیا ہوا کہ وہ اسٹیرنگ پر شاید کنٹرول نہ رکھ سکا۔ اس نے سائیکل پر جانے والے دو جوانوں کو ٹکرا دے ماری تھی۔ دونوں سائیکل سوار دکانوں کے سامنے فٹ پاتھ پر گر گئے تھے۔ غلطی احسن کی تھی لہذا اس نے فوراً کار کو دائیں جانب گھماتے ہوئے وہاں سے بھاگ نکلتا چاہا لیکن ایک سائیکل سوار جو پیچھے بیٹھا ہوا تھا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ قریب ہی پڑی ہوئی ایک اینٹ اٹھائی اور زور سے اس نے کار پر دے ماری تھی۔ کار کا پچھلا شیشہ ٹوٹ کر چور چور ہو گیا تھا۔

اپنی کار کے اس نقصان پر احسن نے کار روک دی اور کار سے نیچے اترے۔ جس جوان نے اس کی کار کو اینٹ ماری تھی اس کا گریبان پکڑ کر اس کو کہنے لگا۔ ”تم نے میری گاڑی کا شیشہ کیوں توڑا؟“

اس سائیکل سوار نے بھی احسن کا گریبان پکڑ لیا۔ کہنے لگا۔ ”تم نے جان بوجھ کر ہمیں ٹکرا کیوں ماری ہے۔ دونوں میں ٹکرا رہی ہوئی اور لڑ پڑے۔ سائیکل سوار بری طرح احسن کو زد و کوب کرنے لگا تھا۔ اسے طمانچہ اور گھونے مارنے لگا تھا۔ احسن اس کے سامنے بالکل بے بس دکھائی دے رہا تھا۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے نجم السحر یعنی احسن کی ماں نیچے اتری۔ اپنے ملازم کو بھی نیچے اترنے کا حکم دیا۔ پھر نجم السحر نے اپنے پاؤں سے جوتا اتارا اور زور زور سے سائیکل سوار کو مارنے لگی تھی اور اس کے ملازم بھی سائیکل سوار کو مار رہے تھے۔ چاروں نے مل کر اسے خوب مارا۔ اس کی پیشانی زخمی ہو چکی تھی۔ اس نے بھی جواب میں ان پر خوب ہاتھ چلایا تھا۔ احسن کو اس نے خوب پیٹا تھا۔ دونوں ملازموں کی بھی خوب مرمت کی تھی اور ایک موقع پر اس نے نجم السحر پر بھی ہاتھ اٹھانا چاہا لیکن اچانک اس نے ہاتھ فضا میں روک لیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”کاش تم عورت نہ ہوتی تو میں تمہیں بتاتا کہ غلطی ہونے کے باوجود بھی اس طرح مجھ سے جھگڑا کرتے ہوئے کیا درگت بنتی ہے۔“

طاہرہ خاتون اپنے خاندان کی بیوی ساجدہ کے ساتھ ایئر پورٹ پہنچی۔ گاڑی طاہرہ خاتون خود چلا رہی تھی۔ کار پارک کرنے کے بعد جب وہ اندر گئیں تو ایک دراز قد اور خوبصورت جوان طاہرہ خاتون کے قریب آیا اور کہنے لگا۔ ”اماں السلام علیکم۔“

طاہرہ نے آگے بڑھ کر اسے پیار کیا۔ پھر کہنے لگی۔ ”احسن بیٹے! تمہارے ابا کا کہیں سے فون آیا تھا کہ وہ اور طوبی ایئر پورٹ نہیں آسکیں گے۔“

وہ لڑکا جس کا نام احسن تھا اور جو رحمان کا بیٹا تھا فوراً طاہرہ خاتون یعنی اپنی نانی اماں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”اماں! انہوں نے ہمیں بھی اطلاع کر دی تھی۔“

طاہرہ خاتون پھر بول پڑی۔ ”بہنیں کہاں ہیں؟“

احسن نے جواب دیا۔ ”ثانیہ اور شمرہ آنا چاہتی تھیں۔ اماں نے ان دونوں کو منع کر دیا۔ بس میں اپنے دو ملازموں کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔“ طاہرہ خاتون نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تم نے اچھا کیا بیٹا وہ دونوں بہنیں یہاں آ کے کیا کرتیں۔“

جس فلائٹ کا انہیں انتظار تھا وہ اچکی تھی اور اکا دکا مسافر جن کے پاس سامان تھوڑا تھا وہ کسٹم کلیئرنس کے بعد باہر نکلنے لگے تھے۔ ان کے عزیز واقارب ان کا استقبال کرنے لگے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ڈھلتی عمر کی ایک انتہائی خوبصورت اور دراز قد عورت نکلی۔ اس کو دیکھتے ہوئے طاہرہ خاتون کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ عورت سیدھی طاہرہ خاتون کے پاس آئی اور اس سے گلے ملنے ہوئے کہنے لگی۔ ”اماں آپ کیسی ہیں؟“

وہ نجم السحر تھی۔ ڈاکٹر رحمان کی بیوی، طاہرہ خاتون کی بیٹی اور طارق اور احسن کی ماں۔ طاہرہ خاتون نے اس کی پیشانی چومی۔ پھر بڑے پیار سے کہا۔ ”میری بیٹی! میں ٹھیک ہوں۔ تم کبھی کیسی ہو؟“ پھر سحر آگے بڑھی اور اپنے بیٹے احسن کو پیار کیا۔ ٹرائلی میں جو

”بیٹا! حالات اس سے کچھ مختلف ہیں جو میں تمہیں بتاتی رہی ہوں۔ میں تمہیں یہی کہتی رہی ہوں کہ تمہارا بیٹا ٹھیک ہے، پڑھ رہا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔“ اس کے بعد طاہرہ خاتون نے نجم السحر کے پہلے شوہر کے بیٹے کے متعلق پوری تفصیل بتادی تھی۔

نجم السحر، اس کی دونوں بیٹیاں اور بیٹا احسن پریشان ہو گئے تھے۔ پھر نجم السحر نے پوچھا۔ ”آپ نے اس کو گھر سے کیوں جانے دیا اور آپ مجھے یہ بھی بتا رہی ہیں کہ وہ میرے دودھ کی قیمت بھی واپس کر چکا ہے۔ اس پر کم از کم نگاہ تو رکھنی چاہئے تھی کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ میں واپس آکر اس سے مل تو لیتی۔ آخر میں اس کی ماں ہوں۔ کسی نہ کسی طریقہ سے میں اسے منا کر گھر ضرور لے آتی۔ میں پہلے اس سے اس لئے نہیں ملتی تھی کہ کہیں رحمان ناراض نہ ہو جائیں۔ ایک موقع پر شادی سے پہلے رحمان نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کسی ایسی عورت سے شادی نہیں کروں گا جس کی پہلے اولاد ہو۔ اسی بنا پر میں نے رحمان سے اپنے بیٹے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ لیکن باہر جا کر کافی عرصے بعد جب رحمان کی طبیعت میں تبدیلی آگئی اور وہ مجھ سے اور بچوں سے بے پناہ محبت کرنے لگے اور جس وقت وہ اسٹیٹ سے مستقل طور پر یہاں آنے لگے اس وقت میں نے اپنے پہلے بیٹے کا ان سے ذکر کیا تھا۔ انہوں نے مجھے ڈانٹا تھا کہ میں نے پہلے ہی اس راز سے پردہ کیوں نہ اٹھایا تاکہ اس بیٹے کی پرورش بھی ہم ان بیٹیوں اور احسن کی طرح کرتے۔ بہر حال ماں جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اب آپ بتا رہی ہیں کہ اب اس کا کچھ پتہ نہیں۔“

اس پر طاہرہ خاتون بول پڑی۔ ”وہ گھر سے نکل کر ایک عورت کے ساتھ چلا گیا تھا۔ اس کا بیٹا اس کے ساتھ پڑھتا تھا جو ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا۔ وہ بیچاری روزانہ سکول کے باہر بیٹھ کر روتی تھی۔ بس وہ اس سے اتنا متاثر ہوا کہ اس کے ساتھ چلا گیا۔ بعد میں مجھ سے ملتا بھی رہا۔ یوں جانوائیف ایس سی کرنے کے بعد تک میری اس کی ملاقات ہوتی رہی۔ احسن سے بڑا قد کاٹھ اور اس سے خوبصورت اور گورا چٹا ہے۔ پر بنی پہلے وہ تم سے محبت کرتا تھا۔ اپنے باپ سے بھی محبت کرتا تھا۔ پھر اس کو کسی نے یہ بتا دیا کہ اس کی ماں نے زبردستی اپنے شوہر سے طلاق لے لی۔ بس اس وقت سے وہ تم سے نفرت کرنے لگا۔ پھر اپنے باپ مسعود کو بھی اچھا نہ سمجھنے لگا تھا۔ اس کے بعد وہ جہاں رہتا تھا وہاں میں نے کئی چکر لگائے۔ وہ کریم پارک میں رہتا تھا۔ جس عمارت میں وہ رہتا تھا اب وہ عمارت گر چکی ہے۔

نجم السحر، دونوں ملازموں اور احسن نے دیکھا کہ معاملہ بڑھتا جا رہا ہے اور سائیکل سوار کی مدد کے لئے دکاندار بھی جمع ہونے لگے ہیں۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹے اور کار میں بیٹھ گئے۔ اس موقع پر اپنی کار میں بیٹھی ہوئی طاہرہ خاتون نے اپنے خانساں کی بیوی ساجدہ کو مخاطب کیا۔ ”ساجدہ! میری بیٹی نجم السحر بڑی بد قسمت ہے۔ کار سے نکلنے کے بعد جو اتار کر جس سائیکل سوار کو اس نے بری طرح مارا بیٹا ہے یہی اس کا گم شدہ بیٹا ہے جس کی تلاش میں سب سرگرداں ہیں۔ ہائے اب اگر میں نے اسے بتایا کہ جس کو تو نے مارا ہے یہی تمہارا بیٹا ہے اور اس نے راضی کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا اس کا یہ بیٹا اس سے بدترین نفرت کرنے لگے گا۔ تم بھی اس کو پہچان لو۔ یہی میری بیٹی کا بیٹا ہے۔ لیکن اب اسے بتانا نہیں کہ یہ تمہارا بیٹا ہے۔ اس موقع پر اگر اس کو بتا دیا گیا اور اس نے اپنے بیٹے سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا بیٹا نفرت سے اس کے منہ پر تھوک دے گا اس لئے کہ اس نے آج اس کو بری طرح پیٹا ہے۔ جب کہ اس کی غلطی بھی نہ تھی۔ احسن نے تو جان بوجھ کر یا سنیئرنگ پر کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے انہیں پیچھے سے ٹکرماری ہے۔ غلطی احسن کی ہے۔ اس نے بھائے کی کوشش کی تھی۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا بلکہ اس سے معذرت کرنی چاہئے تھی۔ اس نے پیچھے سے اینٹ ماری ہے تو ٹھیک کیا ہے۔ بہر حال تم نجم السحر کے اس بیٹے کو دیکھ چکی ہو جس کی اس کو تلاش ہے۔ تم اس کا کسی سے ذکر نہیں کرنا۔“

اتنی دیر تک نجم السحر، احسن اور دونوں ملازم کار میں بیٹھ چکے تھے اور کار انہوں نے اشارت کر دی تھی۔ طاہرہ خاتون بھی ان کے پیچھے ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ گاڑن ٹاؤن کی ایک بہت بڑی کوٹھی میں داخل ہوئے۔ جو نہی کاریں کوٹھی میں داخل ہوئیں دو لڑکیاں بھاگتی ہوئی باہر نکلیں۔ وہ دونوں نجم السحر کی بیٹیاں ثانیہ اور شمرہ تھیں۔ نجم السحر جوں ہی کار سے باہر نکلی باری باری وہ اس سے لپٹ گئی تھیں۔ پھر سب ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے تھے۔

نجم السحر نے اپنی ماں طاہرہ خاتون کو مخاطب کیا۔ ”اماں! میں راستے ہی میں احتشام سے متعلق پوچھنا چاہتی تھی لیکن سوچا گھر آرام سے بیٹھ کر بات کروں گی۔ اب آپ بتائیں میرا بیٹا کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ میں اسے کہاں مل سکتی ہوں؟“

جواب میں طاہرہ خاتون کچھ دیر تک سوچتی رہی۔ پھر اس نے نجم السحر کو مخاطب کیا۔

مجھے آپ کی ضرورت ہے۔ اپنے بیٹے کی گمشدگی کا سن کر اماں میرا دل بڑا دکھا ہے۔ آج رات آپ یہاں ہی رہیں اور ساجدہ کو اس کے شوہر کے پاس احسن چھوڑ آئے گا۔“

طاہرہ خاتون بیٹھ گئی تھی۔ پھر ثانیہ، ثمرہ اور احسن کے کہنے پر طاہرہ خاتون انہیں ان کے بڑے بھائی کے متعلق پرورش پانے اور پھر اچانک گھر سے چلے جانے کے حالات دوبارہ سنانے لگی تھی۔



ہاں جس دوست کے ساتھ وہ کام کرتا تھا ایک بار وہ ملا۔ میں نے اس سے احتشام کا پوچھا تو کہنے لگا احتشام ہمیں چھوڑ کر کہیں اور جا چکا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ میں اسے کہاں تلاش کرتی۔“

نجم السحر بیچاری رو دینے والی ہو گئی تھی۔ آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ پھر اپنی ماں طاہرہ خاتون کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”اماں! کچھ بھی ہو میں اپنے بیٹے کو تلاش کروں گی۔ اس کے بغیر جینا میرے لئے انتہائی مشکل اور ابتر ہو جائے گا۔ وہ میرا پہلا بیٹا ہے۔ اور سب سے زیادہ میری محبت کا وہی حق دار ہے۔“

احسن، ثانیہ اور ثمرہ بھی اداس اور افسردہ ہو گئی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں بھی نمی اتر آئی تھی۔ پھر نجم السحر کی بڑی بیٹی ثانیہ اس کے قریب آئی اور اس سے لپٹ کر کہنے لگی۔ ”ماما! فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ بھائی اسی شہر میں ہو گا۔ ایک روز ہم اسے تلاش کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔“

نجم السحر کے آنسو اُمڈ آئے تھے۔ اس نے اپنے آنسو خشک کئے اور کہنے لگی۔ ”بیٹی! اتنے بڑے شہر میں اپنے گم ہو جانے والے بیٹے کو کہاں تلاش کروں گی۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ سے نفرت کا اظہار کرے، اجنبیت کا مظاہرہ کرے۔ اس لئے کہ اتنے برس گزر گئے ہیں نے کبھی بھی اس کی خبر ہی نہ لی۔ اس کی خبر نہ لینے کی میرے پاس وجہ تھی۔ مجھے ڈرتا تھا کہ اگر میں کسی سے ذکر کر دیتی کہ میرا پہلے شوہر سے بیٹا ہے تو رحمان مجھے طلاق دے کر فارغ کر دیں گے۔ لیکن میں رحمان کی ممنون اور شکر گزار ہوں کہ جب میں نے ان سے ذکر کیا تو انہوں نے خوشی کا اظہار کیا کہ ان کا ایک اور بیٹا بھی ہے۔ کاش میں شادی کے فوراً بعد اپنے اس بیٹے کا ذکر کر دیتی۔ اسے بھی اپنے ساتھ لے جاتی، اسی طرح اس کی تربیت ہوتی جس طرح تم تینوں بہن بھائیوں کی ہوئی ہے۔ بہر حال میں اس شہر میں اپنے بیٹے کو تلاش ضرور کروں گی۔“

طاہرہ خاتون اٹھ کھڑی ہوئی اور نجم السحر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”سحر! میری بچی! تم اپنے بچوں کے پاس بیٹھو۔ میں اب جاتی ہوں۔ میری پرسوں کی فلائٹ ہے۔ مجھے اپنی تیاری بھی کرنی ہے۔“

نجم السحر نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگی۔ ”نہیں اماں! آج رات یہیں رہ لیں۔“

جانے والے تھے۔ لہذا وہ بھائی کو ہسپتال لے گئے۔ میں جب وہاں پہنچا تو بھائی ہسپتال جا چکے تھے۔“

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر رحمان نے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”بڑے بد تمیز لوگ تھے۔ سائیکل کو ٹکرا مارنے کے بعد انہیں چاہئے تھا کہ وہ اپنی گاڑی کو روک کر تمہارے ساتھ معذرت کرتے۔ لیکن ان یو قوفوں نے بھاننا چاہا۔ بہر حال تم نے ٹھیک کیا۔ تم نے پیچھے سے پتھر مارا، گاڑی کا شیشہ توڑا۔ اب بیٹے تم میرے ساتھ بیٹھو۔ میں اور طوبی کافی دیر سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ ہم نے ایئر پورٹ جانا تھا لیکن تمہاری وجہ سے ہم ایئر پورٹ بھی نہیں گئے۔ اچھا اب تم یہ بتاؤ جس دوست کے ساتھ سروس کے لئے گئے تھے اس کا کیا بنا؟“

خلیل آگے بڑھا اور جو خالی کرسی پڑی تھی اس پر بیٹھ گیا۔ اب ایک خالی کرسی صرف طوبی کے قریب تھی۔ طارق شاید وہاں بیٹھنا نہیں چاہتا تھا۔ لہذا وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اس موقع پر رحمان نے اسے مخاطب کیا۔ ”بیٹھ جاؤ۔ پھر گفتگو کرتے ہیں۔“ طارق نے ایک بار خالی کرسی کو دیکھا۔ پھر دوبارہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ طوبی مسکرا دی۔ ”میں جانتی ہوں کہ تم میرے ساتھ بیٹھتے ہوئے ہچکچا رہے ہو۔ ارے میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔ تم تو میرے ساتھ بیٹھنے سے ایسے ڈر رہے ہو جیسے جس کرسی پر تم نے بیٹھنا ہے اس کے ساتھ والی کرسی پر کوئی ناگ پڑا ہوا ہے۔ بیٹھو! پھر بات کرتے ہیں۔“

طارق آگے بڑھا اور طوبی کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر گفتگو کا آغاز رحمان نے کیا۔ ”بیٹے! میں تمہیں کہہ کر گیا تھا کہ میں کل آؤں گا۔ لیکن طوبی آج ہی آنے پر آمند تھی۔ سو اس کے ساتھ آنا پڑا۔ دیکھو بیٹے! پہلے یہ بتاؤ کہیں کام ملا؟“

دکھ اور افسوس سے طارق کی گردن جھک گئی اور دھیمے لہجے میں اس نے کہا۔ ”انکل کام تو بن گیا لیکن وہاں تنخواہ بہت تھوڑی ہے۔ آنا جانا بھی بہت دور کا ہے۔ جو کچھ مجھے ملے گا اس کا ادھار تو کر لے پر چلا جائے گا۔“

طارق کے اس جواب پر طوبی اور رحمان دونوں مسکرا دیئے تھے۔ پھر رحمان بول پڑا۔ ”بیٹا! اچھا ہو تمہارا کوئی اچھا کام نہیں بنا۔ میں یہی چاہتا تھا کہ تمہارے دوست کے ساتھ تمہارا کام نہ بنے۔ میں اپنے حالات تفصیل سے پہلے ہی بتا چکا ہوں۔“ پھر اس نے اپنے

رحمان اور طوبی کو پاکستان کو امرٹرز میں کافی دیر انتظار کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ باتوں ہی باتوں میں مغرب کی اذان ہو گئی تھی۔ تب وہ ہیل چیئر پر بیٹھے ہی بیٹھے سعدیہ نے باہر دیکھتے ہوئے کسی قدر پریشانی کا اظہار کرنا شروع کیا۔ ”خدا خیر کرے۔ طارق ابھی تک نہیں آیا۔ اس کے پیچھے خلیل گیا ہوا ہے وہ بھی ابھی تک نہیں لوٹا۔“

اس پر طوبی سعدیہ کے قریب ہوئی۔ اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگی۔ ”اماں! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے طارق کو اس کا دوست سروس کے سلسلے میں کہیں لے گیا ہو اور خلیل ان کے پیچھے گیا ہو۔“

ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اس کمرے کے دروازے پر طارق اور خلیل دونوں نمودار ہوئے۔ طارق کی حالت بری ہو رہی تھی۔ گریبان جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ جو خون سے تر ہو گئی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے سعدیہ تڑپ سی گئی۔ طوبی بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سعدیہ اپنے دونوں ہاتھ وہیل چیئر پر لے گئی اور وہیل چیئر کو آگے دھکیلتے ہوئے پریشانی میں بولی۔ ”طارق! میرے بیٹے! کیا ہوا؟ یہ تمہارے چوٹ کیسے آئی اور تمہارے کپڑے کیوں پھٹے ہوئے ہیں؟“

طارق اور خلیل دونوں آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے۔ طارق پہلے رحمان سے ملا۔ پھر طوبی کے قریب آیا۔ اس کو مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ طوبی نے مخاطب کرنے میں پہل کی۔ ”دیکھو طارق! تم نے چھپنے کی پوری کوشش کی لیکن آخر میں نے تمہیں تلاش کر ہی لیا۔ یہ تمہارے چوٹ کیسے آئی؟“

طارق کے بجائے اس کا چھوٹا بھائی بول پڑا۔ ”بھائی! اپنے دوست کے ساتھ سائیکل پر جا رہے تھے۔ کسی کار والے نے پیچھے سے ٹکرا دے ماری۔ بھائی نے اس کی کار کو پتھر مارا اور اس کی کار کا شیشہ ٹوٹ گیا۔ اس پر کار میں بیٹھے ہوئے لوگ بھائی پر ٹوٹ پڑے۔ بھائی کو مارا۔ اس کی پیشانی پر زخم آئے اور کپڑے سارے پھٹے ہوئے ہیں۔ بھائی نے بھی انہیں خوب مارا۔ پھر وہ چلے گئے۔ جس روڈ پر یہ حادثہ پیش آیا اس سڑک پر دوکاندار بھائی کے

لباس میں سے تہہ کیا ہوا ایک کاغذ نکالا اور طارق کو تھماتے ہوئے کہا۔ ”اسے پڑھ لو۔ تمہارا تقرری کا لیٹر ہے۔“

بھائی! اس نے کیا کہنا ہے۔ پچھلے دو ماہ سے بالکل بے کار بیٹھا ہوا ہے۔ گھر کے اخراجات تو ٹھیک چلا رہا ہے لیکن میں سمجھتی ہوں یہ کسی سے قرض لے رہا ہے اور مجھے بتاتا نہیں ہے۔ خلیل کا کام بھی آج کل منہ ہے اس لئے سارا بوجھ طارق ہی پر ہے۔“

”اگر آپ یہ سروس طوبی کے کہنے پر دے رہے ہیں تو میں قبول نہیں کروں گا۔ اس پہلے ہی مجھ پر بے شمار احسانات ہیں۔ میں مزید اس کے احسانات کا بوجھ برداشت نہیں سکتا۔ طوبی نے آپ کو یہ نہیں بتایا ہو گا کہ میرے کالج کی فیس بھی ادا کیا کرتی تھی۔ میرے ایک بار کالج چھوڑ دیا تھا۔ گھر پر بیٹھ گیا تھا اس لئے کہ ہماری آمدنی اتنی نہ تھی کہ میرے کالج کے اخراجات برداشت کر سکتا۔ لیکن یہ میری ماں کے پاس آئی اور مجھے لے گئی اور پلایا ہے؟“

سال تک یہ اپنے پاس سے میرے کالج کے اخراجات برداشت کرتی رہی ورنہ میں ایس سی پاس کرنے کے قابل نہ تھا۔“

جب تک طارق بولتا رہا طوبی بڑی سنجیدگی سے سنتی رہی۔ جب وہ خاموش ہوا تو شہزاد بھری آواز میں بول پڑی۔ ”یہ انکشافات ضرور کرنے تھے؟ اگر میں نے تمہاری فیس ہے یا کالج کے اخراجات برداشت کئے ہیں تو یہ نئی اور انوکھی بات تو نہیں ہے۔ تم میرے کلاس فیلو تھے، ساتھی تھے۔ اس لحاظ سے جو کچھ میں نے کیا ہے وہ مجھے کرنا چاہئے تھا۔“

طوبی مزید کچھ کہنا چاہتی تھی پر رحمان بول پڑا۔ ”بیٹے تمہیں یہ تقرری لیٹر سفارش نہیں دیا جا رہا۔ تمہارے پاس ڈپلومہ ہے اور ہمارے ہسپتال میں فزیو تھراپسٹ کی جگہ خالی تھی لہذا میں نے تمہیں سروس کا لیٹر دے دیا ہے۔ اگر تم نہ ملتے تو یہ پوسٹ ہم کسی اور دے دیتے۔ کسی نہ کسی نے تو ہسپتال آنا تھا۔ تم مل گئے ہو تو تم سے بہتر اور کوئی نہیں سکتا۔ لہذا فیصلہ یہ ہے کہ اس لیٹر کے تحت کل سے تم ہمارا ہسپتال جوائن کرو گے۔“

پورا ایڈریس لیٹر پیڑ پر لکھا ہوا ہے۔ تمہیں کوئی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ رحمان تھوڑی دیر کے لئے رکا۔ کچھ سوچا۔ پھر اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ ”سن تیری ٹرانسپورٹ کا بھی بہترین اور معقول بندوبست کیا جائے گا۔ صبح سویرے ہسپتال ایسیو لینس یہاں تمہارے کوارٹر میں تمہیں لینے آیا کرے گی اور چھٹی کے بعد تمہارے گھر چھوڑ جایا کرے گی۔ اب بولو! تم کیا کہتے ہو؟“

طارق جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس کی ماں سعد یہ پہلے ہی بول پڑی۔ ”پہلے میں تمہارے پاس؟ میں جانتی ہوں تمہاری جیب خالی ہو گی۔“ طوبی نے گھورنے

طوبی فوراً سچ میں بول پڑی۔ ”کھانا پینا کوئی ضروری تھا؟ ہم تم سے ملنے آئے تھے۔ ہم تمہیں تقرری کا لیٹر دینا چاہتے تھے وہ دے دیا۔“

اس پر طارق کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ ”آپ لوگ بیٹھے۔ کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ آپ لوگ کھانا کھا کر جائیں گے۔ میں کھانے کا اہتمام کرتا ہوں۔“ وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کے ساتھ ہی طارق باہر نکلا۔ طوبی نے اپنے قریب پڑا ہوا اپنا پرس اٹھایا اور طارق کے پیچھے پیچھے باہر نکلی۔ اس کو آواز دی۔ ”طارق رکو۔“

طارق رک گیا۔ طوبی اس کے قریب گئی۔ انتہائی اپنائیت اور محبت سے اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”پہلے یہ بتاؤ کیا لاؤ گے؟“

طارق نے اسے تیز نگاہوں سے دیکھا اور کہنے لگا۔ ”دراستہ کے جا کر دائیں جانب ایک دکان ہے وہاں سے بروسٹ اور روٹیاں لے کر آتا ہوں۔“ اس پر طوبی نے انتہائی پیار سے اس کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگی۔ ”میرے ساتھ آؤ۔“ طارق چپ چاپ آگے بڑھنے لگا۔ اپنی گاڑی کے قریب جا کر طوبی رک گئی۔ دروازہ اس نے کھولا اور کہنے لگی۔ ”اندر بیٹھو۔“ عجیب سے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے طارق نے کہنا شروع کیا۔ ”تم کہاں جاؤ گی؟ تم اندر جا کر بیٹھو۔ ماں سے باتیں کرو۔ میں جو کچھ لانا چاہتا ہوں لے آؤں گا۔“

نہیں۔ یاد رکھو! اب بھی تم ہی پہلے کی طرح میرے لب و رخسار کے اوراق پر میری محبت کی حقیقت اور میری وفا کا افسانہ ہو۔ میں پہلے کی طرح تمہیں چاہتی ہوں اور جس طرح میں نے ایجوکیشن کے دوران تمہارے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ میں تمہیں اپناؤں گی اور تمہاری زندگی کی ساتھی بنوں گی۔ میں اپنے اس عہد اور اپنے اس وعدے پر قائم ہوں۔ تمہاری جدائی میں، میں نے جو وقت گزارا ہے میں کبھی تمہیں فرصت کے لمحات میں اس کی حقیقت بیان کروں گی۔ پر ایک بات اپنے ذہن میں رکھنا۔ میں ساری دنیا بھول سکتی ہوں۔ تمہیں نہیں بھول سکتی۔“

اس موقع پر طارق نے گھورنے کے انداز میں اسے دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔ ”تم بھول رہی ہو طوبی کہ بے کسوں کے دامن کے پھول، کون عمارت کی دودھیا چاندنی کے در بام میں سجا پند کرتا ہے۔ کون بے نوائی کے عذابوں کو شفاف موتی جان کر سنہرے خوابوں میں رکھنا پسند کرتا ہے۔ بے مائیگی کے درد کے پیوند کوئی بھی اپنی حکایتوں اور اپنی صداقتوں میں لگانا نہیں چاہتا۔ پھر دیکھو آج کل کے ماحول کی بے چینی، معاشی ناہمواریاں، طبقاتی تضادات انسانوں کو ذات کے بحران اور بے چہرہ المیوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ تم لاکھ مجھ سے محبت کا اقرار کرو، میری زندگی کا ساتھی بننے کے وعدے وعید کرو۔ لیکن تمہارے عزیز واقارب اور وہ آنٹی جو باہر گئی ہے اور آنے والی ہے جس کا ذکر اکثر تم مجھ سے کرتی رہتی ہو جس کا نام تم نے السحر بتایا تھا اگر وہ آڑے آگئی تو یاد رکھنا تمہاری ایک بھی نہیں چلنے دے گی اور آخر کار تم مجھ سے معذرت کر لو گی کہ تم مجھے نہیں اپنا سکتی۔ یاد رکھنا اور لکھ رکھو کہ ایسا ہو کر رہے گا۔“

طارق کی اس گفتگو کو طوبی نے ناپسند کیا تھا۔ غصے میں طارق پر برس پڑی۔ ”تم اپنے پاس سے باتیں کرتے رہتے ہو۔ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ جو بھی میرے راستے میں آیا تم دیکھ لینا میں اس پر پاؤں رکھ کر تمہاری طرف آ جاؤں گی۔“ پھر طوبی دھیمی پڑ گئی اور محبت بھرے لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”طارق تم میری منزلوں کی نگہت، میری خواہشوں کا نور، میری آرزو کا جمال اور میری خوشیوں اور شادمانیوں کا زمزمہ ہو۔ میں ایک بار پھر تمہارے ساتھ وعدہ کرتی ہوں کہ جس کسی نے بھی میرے اور تمہارے درمیان حائل ہونے کی کوشش کی وہ نقصان اٹھائے گا۔ میں تمہاری خاطر ساری دنیا کو الٹ مار کر

کے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ”چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ جاؤ ورنہ جھگڑا ہو جائے تمہارے کوارٹر کے سارے لوگ باہر نکل آئیں گے اور یہی سمجھیں گے کہ تم نے کووارٹر کے سامنے کسی لڑکی کو چھیڑا ہے اور میں تمہاری بے عزتی کر رہی ہوں۔ لہذا چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ جاؤ ورنہ وہ شور کروں گی کہ دنیا دیکھے گی۔“

طوبی کی یہ دھمکی خوب کارگر ثابت ہوئی۔ طارق چپ چاپ کار میں بیٹھ گیا تھا۔ ط اس کے پہلو میں اسٹیرنگ پر جا بیٹھی۔ پھر کار اس نے چلا دی تھی۔

مین روڈ پر آنے کے بعد وہ دائیں بائیں دیکھتی رہی۔ پھر اس نے ایک دکان پر روکی۔ سارا سامان اس نے خود وہاں سے خریدا۔ طارق بیچارہ چپ چاپ کھڑا رہا۔ اس نے کہ سارا سامان جو طوبی نے خریدا تھا اس کی ادائیگی کرنے کے لئے اس کے پاس پیسے نہ تھے۔ وہ پریشان تھا۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ طوبی نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔ کار کے قریب آئی۔ سامان اس نے کچھ سیٹ پر رکھا پھر گاڑی کا دروازہ کھولا۔ طارق مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”آپ بیٹھے تاکہ میں گاڑی چلاؤں۔“

طارق کی گردن ابھی تک جھکی ہوئی تھی۔ پھر وہ بیٹھ گیا۔ طوبی نے خود اس کی طرف دروازہ بند کیا اور گاڑی کی دوسری طرف سے آکر اسٹیرنگ پر بیٹھی۔ گاڑی اس نے سٹار نہیں کی۔ تھوڑی دیر تک عجیب سے انداز میں طارق کی طرف دیکھتی رہی۔ گاڑی خاموشی رہی۔ پھر اس کے لبوں کے مر جان کھلے اور اس کی صداؤں کے نلیم کار کے ان بکھر گئے تھے۔ اس نے طارق کو مخاطب کیا تھا۔ ”طارق! کبھی کبھی ہونٹوں پر لاکھ پہرے دیئے جائیں پر آنکھیں زبان بن جاتی ہیں اور سب کچھ کہہ جاتی ہیں۔ یہی کیفیت اس دن تمہاری بھی ہے۔ تمہارے کیا جذبات ہیں میں سب کچھ سمجھتی ہوں۔ تم یہ بھی لکھ رکھو میری حالت بھی تم سے مختلف نہیں۔ کبھی کبھی زندگی میں ایسا موڑ آ جاتا ہے جہاں ان ساری روداد بیان کر جاتے ہیں۔ کبھی خاموشی کے صحراؤں میں چپ بہتے ساگر، ریزہ محبتوں کے افسانے کہہ دیتے ہیں۔ انکل رحمان کو بھی پتہ چل چکا ہے کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ تمہیں چاہتی ہوں۔ اس سلسلہ میں وہ پوری طرح میرا ساتھ دیں گے۔ تھوڑی دیر تک طوبی خاموش رہی۔ پھر دوبارہ اس نے کہنا شروع کیا۔ ”طارق یہ خیال کرنا کہ میں اور تم جو اتنے برس جدا رہے ہیں تو میں تمہیں بھول چکی ہوں گی۔“

تمہارے پاس آسکتی ہوں۔“

طارق نے پھر اسے گھورنے کے انداز میں دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔ ”طوبی! تمہاری عمر ابھی بچی ہے۔ یاد رکھنا تم خوش کن نواؤں کا ایک سجا ہوا صحیفہ ہو اور میں اس کے کنارے بنجر اور دلدلی زمین کا ایک بے کار پتھر ہوں۔ اس پتھر کو کون صحیفے میں سجا پائے گا۔“

طوبی نے پھر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا شروع کیا۔ ”بس! اب مجھ سے الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم سے التماس کرتی ہوں۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں کہ میری محبت میں کبھی بھی میری ذات کی الجھن نہ بننا، نہ ہی میری خواہشوں کی سر بلندی کو ندامتوں کی پستی میں مبتلا کرنا۔ یاد رکھنا۔ کبھی کبھی عورت اس مرد کے لئے جس کو وہ چاہتی ہے برہم لمحوں اور حالات کی نا اتفاقیوں کو خیابانوں اور رضوانوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔ یہ خیال بھی مت کرنا کہ جو اتنے برس ہم ایک دوسرے سے دور رہے تو میری محبت میں تبدیلی آچکی ہوگی۔ ہر گز نہیں۔ میں پہلے کی طرح آج بھی تمہیں چاہتی ہوں اور تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانا پسند کروں گی۔ بس اب جواب میں کچھ مت کہنا۔ تم پریشان ہو گے کہ میں نے جو اس قدر چیزیں خرید لی ہیں ان سب کے لئے تمہارے پاس پیسے نہیں ہوں گے۔ خیال رکھنا کہ میں تمہاری ذات کا ایک حصہ ہوں۔ تم سے جدا نہیں ہوں۔ میری ہر چیز تمہاری ہے۔ بس اب تم اپنے چہرے پر مسکراہٹ لاؤ تاکہ میں گاڑی اشارت کروں۔“

طارق چپ چاپ بیٹھا رہا۔ طوبی پھر بولی۔ ”میں نے کہا اپنے چہرے پر مسکراہٹ لاؤ تاکہ میں گاڑی اشارت کروں۔ جب تک تم چہرے پر مسکراہٹ نہیں لاؤ گے میں گاڑی اشارت نہیں کروں گی۔“

طارق نے ایک بار التجائی انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ پھر اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے ساتھ ہی طوبی نے خوشی کا ایک ہلکا سا قبضہ لگایا اور گاڑی اس نے اشارت کر دی تھی۔

پاکستان کو ارٹرز میں وہ واپس آئے۔ جہاں پہلے گاڑی کھڑی تھی وہیں طوبی نے گاڑی پارک کی۔ طارق خود دروازہ کھول کر باہر آیا۔ اتنی دیر میں طوبی بھی باہر نکلی۔ پچھلی نشست پر جو سامان رکھا تھا وہ اس نے خود نکالا اور گاڑی کو اس نے لاک کیا۔ وہ آگے بڑھنے لگی تو ایک دم طارق لپک کر اس کے پاس آیا۔ جو سامان انہوں نے خریدا تھا وہ اس نے طوبی

سے لے لیا۔ دونوں اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں سعدیہ، خلیل اور رحمان بیٹھے ہوئے تھے۔ تمام سامان طارق نے کونے میں ایک میز پر رکھ دیا تھا۔ رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے طارق ندامت اور شرمندگی سے بول پڑا۔ ”ڈاکٹر صاحب ہمارے گھر میں یہی میز ہے۔ اس پر آپ کو کھانا کھانا پڑے گا۔“

رحمان نے قبضہ لگایا اور کہنے لگا۔ ”بیٹے! تم کس قسم کی گفتگو کرتے ہو۔ تمہاری خاطر تو میں اور طوبی ہم دونوں اس کمرے کے ننگے فرش پر بھی بیٹھ کر کھانا کھا سکتے ہیں۔ اس موقع پر سعدیہ اور خلیل دونوں نے تو صوفی انداز میں رحمان کی طرف دیکھا۔ طارق بھی خوش ہو گیا تھا۔ میز اٹھا کر اس نے رحمان کے آگے رکھ دی اور رحمان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر کہنے لگا۔ ”پہلے میں ہاتھ دھوؤں گا۔“ طوبی بھی کھڑی ہو گئی۔

طارق اُن دونوں کو ساتھ والے کمرے کے بیچ ہاتھ روم کی طرف لے گیا۔ جہاں بیسن لگا ہوا تھا۔ طوبی اور رحمان ہاتھ دھونے لگے تھے۔ ساتھ ہی طوبی نے جلدی جلدی وہ گفتگو رحمان سے کہہ دی تھی جو گاڑی میں اس کے اور طارق کے درمیان ہوئی تھی۔

جب تک طوبی بولتی رہی رحمان خاموشی سے سنتا رہا، مسکراتا رہا۔ جب طوبی خاموش ہوئی تو اپنا منہ طوبی کے کان کے قریب لے گیا اور کہنے لگا۔ ”بیٹی! میں بھی جانتا ہوں اور تم بھی جانتی ہو کہ تمہاری آنٹی نجم السحر تمہیں اپنے اس بڑے بیٹے کے ساتھ بیاہنا چاہتی ہے جو اس کو نہیں مل رہا۔ اگر وہ نہ ملا تو تب شاید تمہیں میرے بیٹے احسن سے بیاہنا پسند کرے گی۔ تم یہ بھی جانتی ہو کہ تمہیں احسن بھی چاہتا ہے لیکن اس کے باوجود میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں طارق ہی کو تمہاری زندگی کا ساتھی بنانے کی کوشش کروں گا۔ اس لئے کہ میں جانتا ہوں تم احسن کو ناپسند کرتی ہو۔ طارق واحد شخص ہے جس سے تم محبت کرتی ہو اور جسے تم پسند کرتی ہو۔ اس کی کم مائیگی اور اس کی غربت کو نظر انداز کرتے ہوئے میری بیٹی میں طارق کو ہی تمہارے لئے پسند کروں گا۔ بالکل مطمئن رہو۔“

طوبی سے یہ گفتگو کرنے کے بعد رحمان نے طارق کی طرف دیکھا۔ ”طارق! میرے بیٹے! کسی وہم اور کسی دھوکہ میں مبتلا نہ ہونا۔ میں جانتا ہوں طوبی دل کی گہرائیوں سے تمہیں چاہتی ہے اور تم سے محبت کرتی ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں طوبی تمہاری ہی زندگی کی ساتھی بنے گی اور اس سلسلے میں کسی وہم میں مت پڑ جانا۔“

ہیں۔ یہ ریٹائرڈ ڈی ایس پی سلطان صاحب ہیں۔“ رحمان نے پھر آگے بڑھ کر دوبارہ سلطان سے مصافحہ کیا۔ سلطان نے سب کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ چاروں بیٹھ گئے۔ پھر رحمان نے سلطان کی طرف دیکھا۔ ”آپ کے حالات پر تھوڑی بہت روشنی میرے بیٹے طارق نے ڈالی تھی۔ میں خود بھی آپ سے پوچھنا چاہوں گا۔“ بیچ میں طارق بول پڑا اور پہلے اس نے رحمان اور طوبی کا تعارف کروایا۔

اس کے بعد رحمان نے دوبارہ سلطان کو مخاطب کیا۔ ”میرے خیال میں جو حالات آپ پر گزر رہے ہیں وہ بڑے تلخ اور تکلیف دہ ہیں۔ آپ سارا دن اس عمارت میں کیسے گزارتے ہوں گے۔ میرا ذاتی ہسپتال ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو آپ وہاں آ جایا کریں۔ آپ وہاں ہسپتال کا ایڈمنسٹریشن سنبھال لیں مجھے بے حد خوشی ہوگی۔“

جواب میں سلطان ہلکا سا قہقہہ لگا کر کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن طارق بول پڑا۔ ”نہیں انکل! یہ نوکری نہیں کریں گے۔ انہوں نے اپنے ذمہ جو کام لے رکھا ہے میرے خیال میں وہ دنیا میں نرالا اور انوکھا کام ہے۔“

رحمان نے چونک کر طارق کی طرف دیکھا اور سوالیہ انداز میں پوچھ لیا۔ ”کون سا اور کیسا کام؟“ اس پر طارق پھر بول پڑا۔ ”انکل! یہ صبح سویرے گھر سے نکلتے ہیں۔ شہر کی سڑکوں پر گشت کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص سڑک کے کنارے کوئی چیز کھاتے ہوئے گزرتا ہے تو اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں مثلاً جو کیلے کھا کر چھلکے پھینکتا ہے تو اس کو پکڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے چھلکے اٹھاؤ اور جس پلاسٹک کی تھیلی سے نکال نکال کر کیلے کھا رہے تھے اسی میں ڈالو۔ سارے کیلے ختم ہو جائیں تو چھلکے کچرے والے ڈرم میں جا کر ڈالو۔ اسی طرح اگر کوئی گندیریاں بھی چوس رہا ہو تو اسے بھی پکڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گندیریوں کے چھلکے اپنے پاس رکھو اور وہ بھی کچرے والے ڈرم میں جا کر ڈالو۔ کبھی بتی چوک جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کاروں والے یا دوسرے لوگ وہاں سے گزرتے ہیں تو ان سے پہلے سوال یہ کرتے ہیں آج آپ نے ملک کی بہتری کے لئے کیا کام کیا۔ یا آپ نے کون سا نیکی کا کام کیا ہے۔ کچھ لوگ ان کا تسخر اڑاتے ہیں۔ لیکن یہ اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔“

جب تک طارق بولتا رہا سلطان چپ چاپ سنتا رہا۔ جب طارق خاموش ہوا تو اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور رحمان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”صاحب! یوں جانے ریٹائر ہونے کے

رحمان کی اس گفتگو سے طارق کسی قدر خوش اور مطمئن ہو گیا تھا۔ اتنی دیر میں طوبی بھی ہاتھ دھو چکی تھی۔ تینوں پہلے کمرے میں آئے۔ پانچوں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے لگے تھے۔ کھانے کے بعد طارق اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”اب میں آپ لوگوں کے لئے چائے بناتا ہوں۔ اس وقت ہر روز میں یا خلیل چائے بناتے ہیں اور تینوں اکٹھے بیٹھ کر پیتے ہیں۔ آج میں چائے بناتا ہوں۔ دیکھئے میرے ہاتھ کی چائے کیسی ہے۔“

اس پر طوبی اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔ ”جی نہیں۔ ایسا نہیں ہو گا۔ آج چائے میں بناؤں گی اور سب اکٹھے بیٹھ کر پئیں گے۔ ویسے میرے ساتھ چلو مجھے بتاؤ کہ سامان کہاں پڑا ہوا ہے۔ ساتھ والے کمرے سے ملحقہ باورچی خانہ ویسے میں دیکھ آئی ہوں۔“

طارق طوبی کے ساتھ ہو لیا۔ دونوں دوسرے کمرے میں گئے۔ طوبی کو طارق نے دودھ اور پتی دی، چولہے کو آگ لگا دی۔ دونوں مل کر چائے بنانے لگے تھے۔ چائے بنا کر انہوں نے پیالیوں میں ڈالی۔ پھر وہ کمرے میں لائے اور سب نے مل کر چائے پی۔ پھر طارق کی طرف دیکھتے ہوئے طوبی کہنے لگی۔ ”طارق! پہلے اپنی اس عمارت کے سارے کمینوں سے ہمارا تعارف کرواؤ۔ میں اور انکل جب کبھی یہاں آئیں تو لوگوں کو پتہ ہو کہ ہم کون ہیں اور آپ لوگوں سے ہمارا کیا رشتہ ہے۔“

طارق اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ خلیل بھی کھڑا ہو گیا۔ طارق نے سعدیہ سے کہا۔ ”امی آپ بیٹھیں میں اور خلیل تھوڑی دیر تک آتے ہیں۔“ اس کے ساتھ ہی دونوں کمرے سے نکلے۔ رحمان اور طوبی بھی ان دونوں کے پیچھے ہو لئے تھے۔

پہلے وہ عمارت کے سامنے والے حصے کی طرف گئے۔ اندر تین اشخاص بیٹھے ہوئے تھے۔ دو جوان، ایک بوڑھا تھا۔ طارق، خلیل، رحمان اور طوبی کو دیکھتے ہوئے وہ تینوں اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ طارق اور خلیل نے آگے بڑھ کر ان تینوں سے مصافحہ کیا۔ رحمان بھی آگے بڑھے اور ان سے مصافحہ کیا تھا۔ پھر طارق نے کہنا شروع کیا۔ ”انکل! یہ جو دو جوان سامنے بیٹھے ہیں ایک کا نام اللہ بخش ہے۔ ان کا تعلق سندھ سے ہے۔ دوسرا بجار خان ہے۔ یہ بلوچستان سے ہیں۔ ان دونوں کا ذکر میں پہلے بھی آپ سے کر چکا ہوں۔ ان کے ساتھ جو بیٹھے ہیں یہ ہماری عمارت کے بڑے محترم ہیں یا یوں جانئے یہ شہر کے محترم انسان

وی روم کی طرف چلتے ہیں۔“

وہاں سے نکل کر وہ آگے بڑھے۔ سلطان ان کے ساتھ تھا۔ اگلے کمروں کے سامنے سے گزرتے ہوئے سلطان کہنے لگا۔ ”یہ دو کمرے میری رہائش گاہ ہیں۔“

پھر وہ عمارت کے سامنے والے حصے کی طرف گئے۔ وہاں کچھ لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ سلطان، رحمان اور دیگر لوگوں کو دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سلطان نے رحمان اور طوبیٰ کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔ ”صاحبو! اس حصے کے مکین چار افراد ہیں۔ یہ جو سامنے کھڑی ہے سمجھتے میری بہن ہے۔ اس کا نام گل سانگا ہے۔ اس کا تعلق صوبہ سرحد سے ہے۔ ان کے ساتھ ہماری بیٹی ہے اس کا نام زرگونہ ہے۔ اس کے دائیں بائیں گل سانگا کے دو جوان بیٹے ہیں۔ علی خان اور مراد خان۔“ رحمان نے آگے بڑھ کر سب سے مصافحہ کیا۔ طوبیٰ نے زرگونہ اور گل سانگا سے ہاتھ ملایا۔ اس کے بعد رحمان اور طوبیٰ کا تعارف کروایا۔

پھر وہ باہر نکلنے لگے تو گل سانگا بول پڑی۔ ”طارق! میرے بیٹے کھانا کھالیا؟ اگر نہیں تو کھالو۔“ اس پر مسکراتے ہوئے طارق کہنے لگا۔ ”نہیں مورو! میں کھانا کھا چکا ہوں اور مہمان بھی کھانا کھا چکے ہیں۔“ پھر رحمان کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ ”انگل گل سانگا کو اس عمارت کے سارے مکین مورو کہہ کر پکارتے ہیں۔ یوں جاننے یہ ہم سب کی ماں ہے۔“

وہاں سے نکل کر وہ عمارت کے اوپر والے حصے میں گئے۔ ایک بند دروازے پر دستک دی اور اندر سے نسوانی آواز آئی۔ ”کون ہے۔“ طارق مسکرا کر اٹھ ہوئے کہنے لگا۔ ”میا! میں طارق ہوں۔“ آواز پھر آئی۔ ”باہر کیوں کھڑے ہو؟ اندر آ جاؤ میرے بچے!“

طارق نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔ اندر کرسی پر ایک خاتون بیٹھی ہوئی تھی۔ سب جب اندر داخل ہوئے تو وہ کھڑی ہو گئی۔ پھر طوبیٰ اور رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے طارق کہنے لگا۔ ”یہ ہم سب کی ماں اور اس عمارت کی مالک جہاں آراء ہیں۔ ان کا تعلق دہلی سے ہے۔ بڑی رحم دل اور نیک خاتون ہیں۔ میرے خیال میں ایسی مہربان ماں کہیں نہیں ملے گی۔“

طوبیٰ نے آگے بڑھ کر جہاں آراء کو سلام کیا۔ وہ بڑے خوش کن انداز میں ملی۔ طارق نے سب کا تعارف کروایا۔ طارق نے جہاں آراء کو مخاطب کیا۔ ”میا! میں عمارت کے سب لوگوں سے انہیں مل رہا ہوں۔ ابھی کچھ لوگ رہتے ہیں۔ یہ اب آتے جاتے رہیں گے۔“

بعد میں نے اس کام کو پیش کے طور پر اپنا رکھا ہے۔ کچھ لوگ واقعی تسخیر اڑاتے ہیں۔ ایک روز ایک کار والے سے میں نے پوچھا میرے بھائی! آج آپ نے کون سا خیر کا کام کیا؟ آج کوئی آپ نے ایسا کام کیا ہے جس میں ملک کی فلاح و بہبود ہو؟ اس نے میری طرف غور سے دیکھا اور کہنے لگا آپ ہی بتادیں کہ میں کون سا فلاح و بہبود کا کام کر سکتا ہوں؟ میں نے اسے کہا میاں! تمہارے پاس اتنی بڑی کار ہے۔ سڑک پر سے گزرتے ہو تو سٹاپ پر بسوں کے انتظار میں جو لوگ بیچارے نوکری پر جانے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں ان میں سے جس قدر ہو سکے اپنی گاڑی میں بٹھا کر ان کی منزل تک پہنچا دیا کریں۔ اس منزل تک جو آپ کے راستے میں یا تھوڑا سا آگے یا ہٹ کے ہو۔ اور چھٹی کے ٹائم بھی آپ ایسا کر سکتے ہیں۔ اس پر انہوں نے مجھ کو غور سے دیکھا اور دوبارہ پوچھنے لگے اس کے علاوہ میں کیا کام کر سکتا ہوں؟ میں نے کہا آپ شہر کے ہسپتالوں میں جا سکتے ہیں جو لوگ ضرورت مند ہوں ان کے لئے دوائیاں اور ضرورت کا دوسرا سامان دے سکتے ہیں۔ آپ سکولوں کا چکر لگائیں۔ وہاں جو بچے غریب ہوں، ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ جمو پیڑیوں کی طرف جائیں وہاں بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو آپ لوگوں کی مدد کے منتظر ہوں گے۔

وہ شخص میری باتوں سے ایسا متاثر ہوا کہ اگلے روز ہی اس نے میری باتوں پر عمل شروع کر دیا۔ اب وہ ہر روز مجھے ملتا ہے۔ اپنی گاڑی کے پیچھے کسی نہ کسی کو اس نے بٹھایا ہوتا ہے اور ان کی منزل تک چھوڑ کر آتا ہے۔ بس آج کل ریٹائر ہونے کے بعد میری یہی نوکری ہے۔ شہر کے اکثر لوگ خوب جانتے ہیں اور مجھے انگل پولیس مین کہہ کر پکارتے ہیں۔ میں بھی برا نہیں مانتا۔ اگر میری ذات سے کوئی خوش ہو جاتا ہے تو مجھے اور کیا چاہئے۔“

سلطان تھوڑی دیر کے لئے رکا اور پھر رحمان کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ ”یہ عمارت جس میں آپ بیٹھے ہیں یہ شہر کے اندر جنت کا ایک حصہ ہے۔ جتنا اتفاق، پیار اس عمارت میں ہے میرے خیال میں کہیں نہیں ملے گا۔“

طارق بولا اور سلطان کو مخاطب کیا۔ ”انگل! آپ بیٹھے ہیں عمارت کے دیگر لوگوں سے انگل اور طوبیٰ کا تعارف کروانا ہوں۔“

اس پر سلطان فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ ”اس کام میں، میں بھی شامل ہوتا ہوں۔ ٹی

طوبی آپ سے ملنے کی بڑی شائق تھی۔ اس کے ساتھ وہ باہر نکلے اور اوپر والے حصے کے بائیں جانب گئے۔ ”وہاں ایک کمرے میں ایک بوڑھی خاتون، ایک جوان عورت اور ایک بچہ بیٹھے ہوئے تھے۔ سب کو دیکھتے ہوئے وہ بیچارے بھی کھڑے ہو گئے۔ طارق کہنے لگا۔ ”انگل رحمان یہ بڑی خاتون سمیعہ ہے۔ ساتھ ان کی بیٹی ثروت ہے۔ ثروت کے ساتھ اس کا بیٹا خرم ہے۔ ان کے حالات میں آپ کو بتا چکا ہوں۔“ پھر ان تینوں سے طارق نے سب کا تعارف کروایا۔ پھر طوبی کو مخاطب کر کے طارق کہنے لگا۔

”طوبی! یہ جو ثروت بہن ہے نا اس کو اس عمارت کے سارے لوگ آپنی کہہ کر پکارتے ہیں۔ بڑے ہوں یا چھوٹے۔ سلطان صاحب بھی اسے آپنی کہتے ہیں۔ کبھی کبھی اگر زیادہ پیار میں ہوتے ہیں تو آپنی بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں۔“ اس پر سلطان نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔ ”میرے خیال میں ٹی وی روم میں چل کر بیٹھتے ہیں۔“

وہاں سے ہٹ کر وہ اوپر کے حصے کے دائیں جانب گئے۔ ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے۔ ہال نما کمرہ تھا۔ نیچے دریاں بچھائی گئی تھیں۔ ایک ٹرائی پر ٹی وی اور وی سی آر رکھا ہوا تھا۔ اس موقع پر سلطان بول پڑا۔ ”صاحبو! یوں جاننے کہ اس عمارت کے مکینوں کا یہ ایک کمیونٹی سنٹر ہے۔ اس عمارت کے مکین صبح ہی صبح اپنے اپنے کام پہ نکل جاتے ہیں۔ عمارت سونی سی ہو جاتی ہے۔ شام سے پہلے پہلے سارے پرندوں کی طرح لوٹ آتے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد اس کمرے میں سب لوگ جمع ہوتے ہیں اور اکٹھے بیٹھ کر ٹی وی دیکھتے ہیں۔ میرے خیال میں ایسا نظام شہر کے کسی اور حصے میں نہیں ملے گا۔“

رحمان نے فکر مند انداز میں طارق کی طرف دیکھا تھا۔ پھر عمارت کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”بیٹے! مجھے اور طوبی کو جانا چاہئے۔ طوبی کی آنٹی آچکی ہو گی۔ ایک تو اس کو شکوہ یہ ہو گا کہ ہم اسے ایئر پورٹ ریسیو نہیں کرنے گئے اور اگر ہم دیر سے پہنچے تو اس پر دوسرا شکوہ ہو گا کہ ہم نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔“

پھر سب نیچے اترے۔ باری باری سب کے ساتھ رحمان نے مصافحہ کیا۔ جب رحمان اور طوبی گاڑی کے پاس آئے تو طارق کی طرف دیکھ کر طوبی کہنے لگی۔ ”طارق! تم کل سے کام یہ آرہے ہو نا؟“

طارق نے اثبات میں گردن ہلادی تھی۔ پھر رحمان کی طرف دیکھا۔ ”انگل! میں ایک

شرط پر آپ کے تقرری کے لیٹر کو ایکسیپٹ کرتا ہوں۔“ چونک کر رحمان نے دیکھا اور پوچھا۔ ”کیسی شرط؟“

”آپ میرے لئے ٹرانسپورٹ کا بندوبست نہیں کریں گے۔ مجھے لانے اور لے جانے کے لئے ہسپتال کی ایسولینس نہیں آیا کرے گی۔ اگر میں ایسولینس میں آتا جاتا ہوں تو یاد رکھئے ہسپتال میں اور بہت سے ملازم ہوں گے۔ وہ یہ شکوہ کر سکتے ہیں کہ ان کے گھروں میں بھی ایسولینس آنی چاہئے۔ لہذا آپ سے میری گزارش ہے کہ میرے لئے آپ ایسولینس نہیں بھیجیں گے۔ میں ایسے ہی آ جایا کروں گا۔“

جواب میں رحمان نے مسکراتے ہوئے گردن ہلادی تھی۔ پھر رحمان اور طوبی اپنی گاڑی میں بیٹھے۔ قریب کھڑے سلطان، خلیل، اللہ بخش، بجا خان اور دیگر کو الوداع کیا۔ پھر وہ وہاں سے چلے گئے تھے۔

☆

اسے پہچانا۔ پھر ٹی وی پروڈیوسر سے اس کا پتہ پوچھ کر اس کے گھر گئے تھے۔ میرے دوست کا وہ بیٹا اپنی ماں اور اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ ان دنوں بڑی کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ میں اور طوبی اس کے پاس گئے تھے کیونکہ وہ طوبی کا کلاس فیلو ہے۔ بہر حال اس لڑکے میں یہ خوبی ہے کہ بہترین گانے کے ساتھ اس کے پاس فارمیسی اور فزیو تھراپی میں ڈپلومہ بھی ہے۔ ہمارا فزیو تھراپی کا شعبہ چونکہ خالی پڑا ہے۔ ہمیں فزیو تھراپسٹ کی ضرورت بھی تھی۔ میں اس لڑکے سے ملا۔ اس نے مجھے پہچانا۔ میں اسے اپنے ہسپتال کے لئے تقرری کا لیٹر بھی دے آیا ہوں۔ بس میں اور طوبی دونوں باپ بیٹی وہیں بیٹھے رہے۔ اس لڑکے کی ماں اور چھوٹا بھائی بھی طوبی کے جاننے والے ہیں۔ میرے تو وہ پہلے ہی دوست کے بیوی بچے ہیں۔ لہذا ان کے پاس کچھ دیر بیٹھنا پڑا اسی لئے ہم دونوں باپ بیٹی تمہیں ایئر پورٹ ریسیو کرنے نہ آ سکے۔“

رحمان نے چونکہ گول مول کر کے بات بتائی تھی۔ جب تک وہ بولتا رہا طوبی مسکراتی رہی۔ رحمان نے اپنی بیوی نجمہ السحر کو مخاطب کیا۔ ”تم بتاؤ۔ تمہارا سفر کیسے کٹا؟“ نجمہ السحر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔ ”میرا سفر بہت اچھا کٹا۔ اب میرے لئے سب سے بڑی دشواری اور فکر کی بات یہ ہو رہی ہے کہ امی پرسوں کی فلائٹ سے چلی جائیں گی۔ ان کی غیر موجودگی میں مجھے اپنے بیٹے احتشام کو تلاش کرنا انتہائی مشکل اور دشوار ہو جائے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے اس بیٹے کو ماں کا پیار نہیں دیا ہے۔ اسے نہ جانے مجھ سے کتنے گلے شکوے ہوں گے۔ بہر حال امی کے جانے کے بعد میں اس کی تلاش جاری رکھوں گی۔ مجھے امید ہے کہ میں اسے ڈھونڈ نکالنے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گی۔“

نجمہ السحر خاموش ہوئی تو اس کی ماں طاہرہ خاتون نے رحمان اور طوبی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”میرے بچو! احتشام کے متعلق جو تفصیل میں نے تم سب سے کہی تھی وہ میں نے نجمہ السحر سے بھی کہہ دی ہے۔ لیکن مجھے امید ہے ایک نہ ایک دن ہم احتشام کو پانے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔“

نجمہ السحر نے ایک بار طوبی کی طرف دیکھا۔ کہنے لگی۔ ”طوبی! میری بچی! تمہارا ایڈورٹائزنگ کا کام کیسا جارا ہے؟ ایکسپورٹ کیسی چل رہی ہے؟“

رحمان اور طوبی دونوں اپنی گاڑیوں میں آگے پیچھے گاڑن ٹاؤن کی ایک وسیع کوٹھی میں داخل ہوئے۔ گاڑیاں پارک کرنے کے بعد کوٹھی کے ایک سکونی حصے کی طرف بڑھے تو سامنے سے ایک ملازم آتا ہوا دکھائی دیا۔ رحمان کو جب اس نے سلام کیا تو رحمان نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ ”نیکم صاحبہ آگئی ہیں؟“ جواب میں اس ملازم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”جی آگئی ہیں اور سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“

اس پر رحمان نے معنی خیز انداز میں طوبی کی طرف دیکھا۔ پھر دونوں ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو سامنے رحمان کی امریکہ سے لوٹنے والی بیوی نجمہ السحر اپنی ماں طاہرہ خاتون کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ان دونوں کے اندر آنے پر وہ اپنی جگہ پر کھڑی ہوئی۔ والہانہ انداز میں آگے بڑھی اور طوبی کو اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کرنے لگی۔ پھر وہ ہینگلی آواز میں بولی۔ ”میری بیٹی! میری بچی! مجھے تو تمہارا بڑا انتظار تھا کہ تم ایئر پورٹ آؤ گی لیکن تم مجھے ریسیو نہیں کرنے آئی۔ رحمان بھی وہاں نہیں پہنچے۔“

اس پر رحمان نے اپنا اور طوبی کا دفاع کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”سحر! تمہیں ہم دونوں باپ بیٹی سے شکوہ نہیں ہونا چاہئے۔ دراصل ہم ایک اہم اور ایک انتہائی مشکل مسئلے میں پھنس گئے تھے۔ میرا ایک دوست تھا۔ اس کا ایک بیٹا ہے۔ نام اس کا طارق ہے۔ میرا وہ دوست مرچکا ہے۔ اس کی اولاد نے اپنا گھر تبدیل کر لیا تھا۔ اس کی بیوی اور دو بیٹے ہیں۔ عرصہ ہوا میں نے انہیں دیکھا نہ تھا۔ سب سے بڑی خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ میں جس طارق کا ذکر کر رہا ہوں وہ میری بیٹی طوبی کا کلاس فیلو بھی رہا ہے۔ ایف ایس سی تک اس کے ساتھ پڑھا ہے۔ اچانک گزشتہ دو دن کے دوران وہ لڑکا ایک ٹی وی پروگرام پر نمودار ہوا۔ بہترین گاتا ہے اور بہترین شہنائی اور وائلن بجاتا ہے۔ اس کے ٹی وی پر آنے سے ہم نے

کیا کرتا تھا اور دن کو اپنی تعلیم پر توجہ دیا کرتا تھا۔ پہلے ہم پریس گئے۔ وہاں سے ملازمت کا پتہ کیا۔ میری خوش قسمتی کہ پرانے مالک شیراز صاحب وہاں موجود تھے۔ میں نے ان سے اپنے حالات بیان کئے تو انہوں نے مجھے پیشکش کی کہ میں جب چاہوں مشین مین کی حیثیت سے ان کی پریس میں کام کرنا شروع کر دوں۔ وہاں سے نکل کر میں اپنے دوست کے ساتھ وہاں گیا جہاں فزیو تھراپسٹ کی ضرورت تھی۔ وہ آسانی پر ہو چکی تھی۔ میں اپنے اس دوست کے ساتھ واپس آ رہا تھا کہ راستے میں حادثہ ہو گیا۔ میرا دوست مجھ سے بھی بری طرح گرا لیکن اس کے کہیں چوٹ نہیں آئی۔ سائیکل اس کی تھی۔ وہ اپنی سائیکل لے کر چلا گیا۔ میں مرہم پٹی کروانے ہسپتال گیا۔ سڑک کے کنارے دکاندار چونکہ میرے جاننے والے تھے لہذا ان سے پوچھ کر خلیل بھی وہاں پہنچ گیا اور دونوں بھائی گھر آ گئے۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ میں شیراز صاحب کے پاس مشین مین کی حیثیت سے جوائن کر لوں۔ چلو جو کچھ وہاں سے ملتا رہے گا گھر کا چولہا تو گرم رہے گا۔ اب چونکہ طوبی اور انکل رحمان آ گئے ہیں۔ انہوں نے مجھے فزیو تھراپسٹ کی پیشکش کر دی ہے اور تنخواہ بھی بہترین دے رہے ہیں۔ جو تنخواہ مجھے پریس سے ملنی تھی اس سے چار گنا سے بھی زیادہ پیشکش ہے۔ لہذا کل سے میں ہسپتال جاؤں گا۔ رحمان صاحب کے ساتھ کام کرتے ہوئے ہمارے گھر کے حالات بھی اچھے ہو جائیں گے۔“

خلیل یاسعد یہ میں سے طارق کی اس گفتگو کا کوئی جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ سلطان پولیس والی ٹوپی پہنے بید ہاتھ میں لئے اور اس بید کو اپنی شلوار پر ہلکا پھلکا مارتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا اور کہنے لگا۔ ”طارق، خلیل! میرے بچو! آؤٹی وی دیکھیں۔“

طارق فوراً یاسعد یہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔ ”امی چلو چلیں۔“ پھر اچانک اسے کچھ یاد آیا اور سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”انکل! مجھے مبارکباد دیجئے گا۔ یہ جو انکل رحمان اور طوبی آئے تھے ان کا اپنا ہسپتال ہے اور ہسپتال میں انہوں نے مجھے فزیو تھراپسٹ کی آسانی کالیئر دیا ہے۔ میں وہاں کل اپنی ڈیوٹی جوائن کر لوں گا۔“

طارق کے اس انکشاف پر سلطان کے چہرے پر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ آگے بڑھا اور طارق کو گلے لگاتے ہوئے اور اس کی پیشانی چومتے ہوئے وہ کہنے لگا۔ ”بچے! تجھے یہ نئی نوکری مبارک ہو۔ خدا تمہیں اس میں کامیاب اور کامیاب بن سکے۔ اب ماں کو اٹھاؤ اور

طوبی مسکرائی اور کہنے لگی۔ ”آئی یوں جاننے ایڈورٹائزنگ عروج پر ہے۔ میرا کمرشل تیار کر چکی ہوں۔ اب تو بہت سے فنکار میرے قریبی دوست بھی بن چکے ہیں جہاں تک گارمنٹس کی ایکسپورٹ کا تعلق ہے میرا یہ کام بھی اچھا جا رہا ہے۔“

طوبی کا جواب سن کر نجم السحر خوش ہو گئی تھی۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہی۔ پھر بڑا ”کل میں ریٹ کروں گی۔ پرسوں ہسپتال جاؤں گی۔ ہسپتال کا جائزہ لوں گی۔ ملازم سے متعارف ہوں گی۔ اس کے بعد میں باقاعدہ ہسپتال میں کام کرنا شروع کروں گی۔ پھر پہر میں تمہارے آفس آنے کی کوشش کروں گی۔ دیکھوں گی کہ تم نے کیا پروگرام کیا ہے۔“

اسی وقت ملازم نے کھانا لگنے کی اطلاع دی۔ پھر سب اپنی جگہ سے اٹھے اور ڈائننگ ٹیبل کی طرف چل دیئے۔

☆

دوسری جانب رحمان اور طوبی کو الوداع کہنے کے بعد طارق جب اپنی ماں سعدیہ بھائی خلیل کے پاس آیا تو سعدیہ اسے بڑی فکر مند کی میں مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”بیٹے! مہمانوں کی موجودگی میں، میں کھل کر تمہارے ساتھ بات نہیں کر سکی۔ یہ تمہیں پیچھے نہ فکر مارنے والے کون تھے؟ پیشانی کے علاوہ تمہیں کوئی اور چوٹ تو نہیں آئی؟ جو چونکہ تمہاری پیشانی پر آئی ہے وہ تکلیف دہ اور گہری تو نہیں ہے؟“

اس پر طارق مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ”نہیں نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ میں سائیکل سے گر گیا تو پیشانی پر چوٹ آ گئی تھی۔ پھر ان لوگوں سے جھگڑا بھی ہوا تھا جس کی وجہ سے میرا لباس خراب ہو گیا تھا۔“

سعدیہ نے پھر اسے مخاطب کر کے پوچھا۔ ”اپنے جس دوست کے ساتھ تم گئے تھے؟ کام کا کیا بنا؟“

”امی! وہ کام تو نہیں بنا۔“ طارق نے مطمئن انداز میں کہنا شروع کیا۔ ”پہلے میں سرکار روڈ پر گیا تھا اسی پرانی پریس میں جس میں، میں سکول ٹائم میں کام کیا کرتا تھا۔ میرا دوست جو میرے ساتھ کام کرتا تھا وہ ابھی تک وہیں کام کرتا ہے۔ مالک بھی پرانے ہی ہیں۔ میرے بڑے مہربان تھے۔ ماں! تم جانتی ہو کہ ان ہی کی وجہ سے میں رات کو پریس میں کا

چلوئی وی روم۔“

وہ دونوں تم سے مل کر بے حد خوش ہوں گے۔“

طارق نے شاید طوبی کی تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ کہنے لگا۔ ”ذرا رکو۔“

پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور دس دس کے کچھ نوٹ نکالے اور آگے بڑھ کر خلیل کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔ ”یہ رکھ لو۔ جہاں جا رہے ہو وہاں تمہارے کام آئیں گے۔“

پھر وہ طوبی کے ساتھ ہو لیا تھا۔ طوبی آگے آگے تھی۔ اسٹیرنگ کی مخالف طرف جا کر اس نے کار کا دروازہ کھولا۔ طارق کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ اس پر طارق مسکرایا اور کہنے لگا۔ ”طوبی تم تو دروازہ کھول کر مجھے ایسے بیٹھنے کے لئے اشارہ کر رہی ہو گویا میں تمہارا افسر ہوں اور تم میری ڈرائیور ہو۔“

اس پر طوبی نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگی۔ ”حقیقت بھی یہی ہے۔ آپ اپنے آپ کو باس اور مجھے ڈرائیور سمجھیں۔ لہذا بیٹھیں اور چلیں۔ اس موقع پر طارق کو شاید مذاق سوچھا اور کہنے لگا۔ ”چلو ایک دن کے لئے تمہارا باس بھی ہو جاتا ہوں۔“ پھر طارق کار میں بیٹھا۔ طوبی نے خود دروازہ بند کیا، اسٹیرنگ پر بیٹھی، کار اسٹارٹ کی اور چل دی۔

طوبی ہسپتال میں داخل ہوئی۔ اتفاق کی بات جس وقت طوبی کی کار ہسپتال کے صحن میں داخل ہوئی اور طوبی کار پارک کرنے لگی اسی وقت ڈاکٹر رحمان بھی ہسپتال کے احاطے میں داخل ہوئے۔ ان کی کار ان کا بیٹا احسن چلا رہا تھا۔ ایک دن پہلے احسن کا بھگڑا طارق سے ہوا تھا اور اسی کی وجہ سے طارق کے زخم آئے تھے۔ طارق نے احسن کو نہیں دیکھا تھا پر احسن نے طارق کو طوبی کی کار سے اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ احسن شاید ہسپتال میں اس وقت طارق کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جب ڈاکٹر رحمان کار سے اتر گئے تب طارق کی مخاطب سمت چلتے ہوئے احسن نے رحمان کو مخاطب کیا۔ ”پاپا! میں جاتا ہوں۔ آج میں ہسپتال اٹینڈ نہیں کروں گا۔ گھر سے چلتے وقت میں آپ کو بتانا بھول گیا تھا کہ ماما نے مجھے جلد لونے کے لئے کہا تھا کہ ثانی اماں کی کل صبح کی فلائٹ ہے۔ امی بھی آج نہیں آرہیں۔ لہذا میں اور امی دونوں مل کر ثانی کو تیار کر دیاں گے۔ مجھے امید ہے آپ محسوس نہیں کریں گے۔“

جواب میں رحمان نے ہاتھ ہلاتے ہوئے احسن کو جانے کی اجازت دے دی۔ احسن دوبارہ کار میں بیٹھا اور چلا گیا تھا۔

طارق آگے بڑھا۔ ویل چیئر سے اپنی ماں سعدیہ کو اٹھا کر اپنی بیٹھ پر لا دیا۔ پھر تین سوئزھیاں چڑھتے ہوئے ٹی وی روم میں گئے۔ وہاں سب لوگ بیٹھنے ٹی وی دیکھ رہے تھے ایک جگہ جو کونے میں تھی جس میں گدے لگے ہوئے تھے وہ خالی پڑی تھی۔ شاید وہ جا سعدیہ کے لئے مخصوص تھی۔ طارق نے آگے بڑھ کر گدی کو ٹیک لگا کر سعدیہ کو بیٹھا اور خود بھی خلیل کے ساتھ اپنی ماں کے پاس بیٹھ کر عمارت کے دیگر لوگوں کے ساتھ ٹی وی دیکھنے لگا تھا۔

☆

اگلے روز طارق ہسپتال جانے کے لئے تیار ہوا۔ وہ بے حد خوش تھا کہ سروس مل گئی تھی۔ کم از کم وہ اپنے گھر کا چو لہا گرم رکھنے کے ساتھ اپنی بیمار ماں کا علاج بھی کروانے کا قابل ہو گیا تھا۔

اپنی ماں کو سلام کرتے ہوئے وہ کمرے سے نکلنے لگا تو ایک دم رک گیا۔ کیونکہ سامنے طرف سے طوبی آتی ہوئی دکھائی تھی۔ وہ بڑی تیزی سے اس کی طرف آئی تھی۔ دھماکہ خیز انداز میں طارق کو سلام کیا۔ اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر کمرے میں داخل ہوئی۔ سعدیہ کو سلام کیا، خلیل سے ملی پھر وہ طارق کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”طارق! کل تم نے انکل منع کر دیا تھا کہ تمہارے لانے، لے جانے کے لئے ایبولینس نہیں آئے گی اس لئے میں خود گاڑی لے کر آئی ہوں۔ جلدی کرو میں تمہیں ہسپتال چھوڑ کر آفس چلی جاؤں گی۔“ اس موقع پر طارق نے اسے گھورنے کے انداز میں دیکھا۔ پھر التجا بھرے لہجے میں کہنے لگا۔ ”طوبی! آج تو تم مجھے لینے کے لئے آگئی ہو۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ پر آئندہ مجھے لینے کے لئے نہ آنا۔ یہ سروس کا معاملہ ہے۔ ہسپتال کا عملہ تمہیں جانتا ہو گا۔ لوگ مشکوک ہوں گے کہ تم مجھے کیوں لینے آتی ہو۔ میں خود اپنے بند و بست سے آجایا کروں گا۔“

طوبی نے فوراً کہنا شروع کیا۔ ”میں خود نہیں آئی۔ میں انکل کو بتا کر آئی ہوں۔ انکل آج دیر سے آئیں گے۔ اگر میرے وہاں ہوتے ہوئے آگے تو میں ان کے بیٹے سے تمہارا تعارف کراؤں گی۔ ان کا بیٹا اپنے ہی ہسپتال میں ہاؤس جاب کرتا ہے۔ مجھے امید ہے“

☆

تیزی سے کار چلاتا ہوا احسن اپنی کوششی میں داخل ہوا۔ کار پارک کرنے کے بعد اندر نہ گئے بلکہ باہر نکلتے ہوئے کہا کہ تمہارے پاپا اور طوبی مل کر آئے تھے۔ تمہارے پاپا کہہ رہے تھے وہ اس کے کسی مرحوم حصے کی طرف جانا چاہتا تھا کہ اندر سے اس کی ماں نجم السحر نکلی۔ احسن اپنی ماں کی طرف بھاگتا ہوا نکلا اور انوکھا انکشاف ہوا کہ مرنے والے کا بیٹا ہے اور طوبی کے ساتھ پڑھتا رہا ہے اور اس کا کلاس فیلو بھی رہا ہے۔ بہر حال تم لپکا۔ نجم السحر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”مئی! ہسپتال میں ایک نیا اور انوکھا انکشاف ہوا ہے مگر نہ کرو۔ میں تیار ہو کر آتی ہوں۔ مئی کی طرف چلتے ہیں۔ اس موضوع پر بعد میں گفتگو اگر میں اس کا اظہار کروں تو آپ دنگ رہ جائیں گی۔“

ہو جائے گی۔“

احسن نے اپنی ماں سے اتفاق کیا۔ نجم السحر اندر چلی گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد باہر نکلی۔
دونوں ماں بیٹا اپنی ماں طاہرہ خاتون کی طرف شاہ جمال چلے گئے تھے۔

☆

طارق نے طوبی کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ اسے لانے لے جانے کے لئے نہ آیا کرے۔ لہذا اس کی بات مانتے ہوئے طوبی پہلے روز اسے گھر چھوڑنے نہیں گئی چنانچہ اپنا کام ختم کر کے اپنے بندوبست پر طارق گھر چلا گیا تھا۔ اس طرح اس نے ہسپتال میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اگلے روز ہسپتال کے سارے عملے سے پہلے وہ اپنی ڈیوٹی پر پہنچا۔ فزیو تھراپی سنٹر وہ پہلے ہی تیار کر چکا تھا۔ ہر شے قرینے سے اپنی اپنی جگہ رکھی تھی۔ وہ اپنے سنٹر کے انسٹر ومنٹس کا جائزہ لے رہا تھا تاکہ اگر اس کے سنٹر میں کوئی کمی بیشی رہ گئی ہو تو اسے پورا کیا جاسکے۔

طارق اپنے کام میں مصروف تھا کہ ہسپتال کے احاطے میں ایک کار داخل ہوئی۔ اس میں سے نجم السحر اور احسن دونوں ماں بیٹا اترے۔ ہسپتال کے اندرونی حصے کی طرف بڑھے۔ وہ آپس میں گفتگو بھی کرتے آرہے تھے۔ فزیو تھراپی سنٹر کے سامنے سے گزرتے ہوئے نجم السحر رک گئی۔ اس کے پیچھے احسن بھی رک گیا تھا۔ نجم السحر نے اندر جھانکا۔ طارق کو دیکھتے ہوئے اس کا غصہ، اس کا غضب اپنے عروج تک پہنچ گیا تھا۔ اپنے دونوں ہاتھ اپنی کمر پر جماتے ہوئے تھوڑی دیر تک طارق کو دیکھتی رہی۔ طارق اپنے کام میں مصروف تھا اس نے ان دونوں کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اچانک وہ چونکا، کام کرتے ہوئے سیدھا کھڑا ہوا۔ دونوں ماں بیٹے کی طرف دیکھا۔

اس موقع پر نجم السحر نے اسے مخاطب کیا۔ ”تو تمہیں ہمارے فزیو تھراپی سنٹر میں رکھا گیا ہے۔ میں تمہیں قبول کرنے سے انکار کرتی ہوں۔ جو کچھ تمہارا ذاتی سامان ہے ابھی اور اسی وقت سمینو اور ہسپتال سے نکل جاؤ۔ اگر نرم الفاظ میں میرا کہا نہیں مانو گے تو وہ بے عزتی کروں گی کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔“

”خاتون! آپ اپنی حدود کو پھلانگ رہی ہیں۔ انسانیت کو پامال تو نہ کریں۔ آپ عورت ہیں۔ اگر کسی مرد نے میرے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے ہوتے تو پھر میں اسے بتاتا کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔“

نجم السحر پھر پھٹ پڑی۔ ”میں تم جیسے غرض کے بندے، حرص کے پتلے لوگوں کو خوب اچھی طرح جانتی ہوں جو خواہشوں کی گندگی، مقاصد کی حیوانیت میں ڈوبے رہتے ہیں۔“ اس بار نجم السحر کا بیٹا اور طارق کا بھائی احسن بول پڑا۔ ”اے مسٹر! کیوں ضد کرتے ہو؟ کیوں اپنی روح کو ذلت، ضمیر کو زنگ کا نشانہ بنانا چاہتے ہو۔ جب میری ماں نے کہہ دیا ہے کہ یہاں سے دفعتاً ہو جاؤ چلے جاؤ۔ معاملے کو مت بڑھاؤ۔“

طارق نے کھا جانے والے انداز میں احسن کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ ”سنو مسٹر! میں اندرائن جیسی کڑوی اس عورت کی اطاعت و انکساری قبول کر سکتا ہوں لیکن تیرے جیسے غیر ذمہ دار انسان کا کہامانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔“ احسن کو غصہ آگیا۔ کہنے لگا۔ ”سن لو مڑی نفس ماں کے بیٹے! تو مجھے انتہا درجہ کا ضدی اور ہٹ دھرم لگتا ہے۔“

احسن کے یہ الفاظ استعمال کرنے تھے کہ طارق آگ کی طرح بڑھک اٹھا۔ چھلانگ لگانے کے انداز میں وہ فزویو تھر اپنی سنٹر سے باہر آیا اور آگے بڑھتے ہوئے احسن کا گریبان پکڑ کر کہنے لگا۔ ”خزیر کی اولاد! تو نے میری ماں کو برا بھلا کہنے کی جرات کیسے کی۔ تجھے کیسے جسارت ہوئی کہ میری ماں سے متعلق ایسے الفاظ استعمال کرے۔“

طارق نے ایسا زوردار ایک مٹکا احسن کی گردن پر دھرا کہ احسن بل کھاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کے بعد طارق مزید آگے بڑھا۔ دو مزید ٹکے احسن کو رسید کئے۔ جواب میں احسن نے بھی مارنا چاہا لیکن طارق اپنا دفاع کر گیا تھا۔

نجم السحر نے جب دیکھا کہ طارق بری طرح احسن کو پٹینے لگا ہے تب اس نے ہسپتال کے اس عملے کو جو ابھی ابھی ہسپتال میں داخل ہو رہا تھا احسن کی مدد کے لئے کہا۔ لیکن چونکہ ہسپتال کا عملہ ابھی تک نجم السحر سے واقف نہیں تھا لہذا وہ بے حسی اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک طرف کھڑے رہے۔ طارق احسن کو مارتا جا رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کہتا جا رہا تھا۔ ”میں تیری بوند بوند سانسوں، تیری ذرہ ذرہ خواہشوں میں زہر بھر کر رکھ دوں

نجم السحر کی سخت باتوں کے باوجود نرمی سے طارق نے اپنی سگی ماں یعنی نجم السحر مخاطب کیا۔ ”خاتون! میں نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں۔ میں صرف اس قدر جانتا ہوں آپ دونوں کا میرے ساتھ جھگڑا ہوا تھا۔ اس ہسپتال کے حوالے سے اپنا تعارف کرانے میں آپ سے کچھ کہوں۔“

نجم السحر اور غضب ناک ہو گئی۔ غصیلی اور غراتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔ ”میں رحمان ہوں۔ یہ میرا بیٹا ہے۔ اس کا نام احسن ہے۔ اس کے علاوہ بھی تمہیں تعارف چاہئے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں ہسپتال سے نکالنے کی مجاز نہیں ہوں۔“

”خاتون! آپ مجھے ہسپتال سے نکالنے کی مجاز نہیں ہے۔“ بڑی نرمی سے طارق نے شروع کیا۔ ”میرا تقرر ڈاکٹر رحمان نے کیا تھا۔ انہیں آ لینے دیں۔ اگر انہیں میرا ضرورت نہیں ہے تو جس وقت وہ کہیں گے میں چلا جاؤں گا۔“

نجم السحر نے پھر غضب ناکی میں کہا۔ ”میں تم سے کہتی ہوں اگر تمہارا سامان یہاں ہے سمیٹو اور ہسپتال سے نکل جاؤ ورنہ میں تمہارے لئے بڑی گندی زبان استعمال کروں گی۔“ طارق نے پھر تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”خاتون! آپ اپنے چلنے چہرے سے تو گندی زبان استعمال کرنے والی نہیں لگتیں۔ آپ ڈاکٹر رحمان کے آنے کا انتظار کریں پھر جو فیصلہ وہ کریں گے اس پر عمل درآمد کیا جائے گا۔“

نجم السحر نے دو تین بار بڑے غصے میں پاؤں پٹنے۔ پھر اس نے بڑی درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”میں کہتی ہوں تم ہسپتال سے دفع ہو جاؤ۔ میں زیادہ تمہاری شکل دیکھنا پسند نہیں کرتی۔“

طارق کو کسی قدر غصہ آگیا تھا۔ کہنے لگا۔ ”خاتون! آپ اپنی زبان کو لگام دیں۔ اپنی زبان کو تالو کے اندر رکھیں۔ اس قسم کے الفاظ آپ جیسی پڑھی لکھی خاتون کو زیب نہیں دیتے۔“

نجم السحر کا غصہ اپنے عروج اور انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ لہذا وہ زیادہ غضب ناکی میں ہوا اٹھی۔ ”گندی نالی کے کیڑے! تنگ و عار کی پیداوار! کسی کے بیٹے! گناہ کے پھل! تم تمیز سکھانے آگئے ہو۔ میں کہتی ہوں دفع ہو جاؤ۔“

طارق کا چہرہ ان الفاظ پر سرخ ہو گیا تھا۔ پھر بھی انسانیت کا ثبوت دیتے ہوئے بول پڑا۔

طارق آگے بڑھ کر ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے قریب ہی سلطان بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”بہن! یہ جو سوال تم نے کیا ہے یہی سوال میں نے بھی اسے کیا پر یہ بولا نہیں۔ اس کے ساتھ کوئی حادثہ ضرور ہوا ہے تبھی تو یہ لوٹ آیا ہے۔“

پھر سلطان نے طارق کی طرف دیکھا۔ ”بیٹے! اب بتاؤ کیا معاملہ ہے؟ تمہاری ماں بھی تمہارے سامنے بیٹھی ہے۔ اس عمارت کے سب لوگ تمہارے عزیز و رشتے دار ہیں۔ ہمیں اپنا دکھ نہیں کہو گے تو کس سے کہو گے؟“

طارق نے ایک بار بڑی بے بسی کے انداز سے سلطان کی طرف دیکھا۔ خلیل بھی قریب ہی بیٹھ گیا تھا۔ پھر طارق نے تفصیل کے ساتھ جو کچھ پیش آیا تھا سب کچھ سنا ڈالا تھا۔

تھوڑی دیر تک کمرے میں خاموشی رہی۔ پھر سلطان کی آواز آئی۔ اس نے طارق کو مخاطب کیا تھا۔ ”طارق بیٹے! یہ بڑے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ انہیں نہ اپنی عزت کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ دوسرے کے وقار کی۔ ان کا تو یہ معاملہ ہے کہ اپنی اتاری تو دوسرے کی اتارنے میں کیا دیر لگتی ہے۔ اس کا فکر نہ کرو، غم نہ کھاؤ۔ جس اللہ پاک نے یہ نوکری دلائی تھی وہ ایسی اور بھی کوئی دلا دے گا۔ بچے سن! یہ بڑے لوگ اندر نکل کا پھل ہوتے ہیں۔

دیکھنے کے قابل ہوتے ہیں جکھنے کے نہیں۔ اب بتا تیرا کیا ارادہ ہے؟“

طارق بولا۔ ”انکل! یہ سروس جوائن کرنے سے پہلے اردو بازار میں شیراز صاحب سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ دراصل پرسوں مجھے ان کے ہاں جانا چاہئے تھا کہ ان کا ایک پریس مین چلا گیا ہے۔ اب ان کے پاس ایک ہی پریس مین ہے۔“

سلطان نے طارق کی بات کا متے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”یہ وہی شیراز صاحب ہیں جن کی پریس میں تم بچپن میں کام کیا کرتے تھے؟“

طارق مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ”بالکل۔ وہی ہیں انکل! وہی شیراز صاحب ہیں جن کی پریس میں، میں رات کے وقت کام کیا کرتا تھا اور دن کے وقت اپنی پڑھائی کا سلسلہ جاری رکھتا تھا۔ خوش قسمتی کہ ان کا ایک پریس مین کہیں باہر چلا گیا ہے۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں شاید ہسپتال سے سیدھا چلا جاتا مگر میرے پاس پریس میں کام کرنے والے کپڑے نہیں تھے۔ میں کپڑے لینے آیا ہوں۔ کپڑے لے کر سیدھا اردو بازار جاؤں گا۔ آج سے میں وہاں کام کرنا شروع کر دوں گا۔“

گا۔ تو کسی انسان کا بچہ نہیں۔ بے غیرتی کے ماحول میں تو نے پرورش پائی ہے جو تو اوروں کی ماؤں کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ تیرے جیسے کتے اور سور میں نے بہت دیکھ رکھے ہیں۔“

طارق بڑی بے باکی سے احسن کو بیٹھا رہا۔ نجم السحر ادھوری سسکی، ”جے آنسو واما ندہ شام کرچی کرچی تافرخ کی طرح بالکل خاموش اور چپ کھڑی رہی۔ شاید وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے آگے بڑھ کر اپنے بیٹے احسن کی مدد کی تو طارق کا ہاتھ اس پر بھی اٹھ جائے گا اور وہ ہسپتال میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔

تھوڑی دیر تک طارق، احسن کی مرمت کرتا رہا پھر وہ ہسپتال سے چلا گیا تھا۔ احسن تھوڑی دیر تک اپنے کپڑے جھاڑ کر درست کرتا رہا۔ پھر اس کی ماں بھی آگے بڑھی۔ اس کے کپڑے صاف کرنے لگی تھی۔ پھر دونوں ماں بیٹا اس دفتر میں داخل ہوئے جس پر ڈاکٹر مسز رحمان کا بورڈ لگا ہوا تھا۔

☆

دیکھنے کے ذریعہ طارق گھر پہنچا۔ جب وہ عمارت کے سامنے آیا تو صدر دروازے نے سلطان پولیس والی ٹوپی پہنے ہاتھ میں بید لئے اور اسے ہلکے ہلکے شلوار پر مارتے ہوئے باہر نکل رہا تھا۔ جونہی اس نے طارق کو دیکھا سلطان کچھ چونکا۔ کچھ دیر تک عجیب سے انداز میں طارق کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ نزدیک آیا اور اسے مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔ ”بیٹے! تم تو کام پر گئے تھے۔ لوٹ کیوں آئے ہو؟“

طارق کچھ دیر تک جواب نہ دے سکا۔ اس کے سامنے کھڑا رہا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ سلطان سمجھ گیا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوا ہے۔ پھر اس کا بازو پکڑا اور کہنے لگا۔ ”آؤ اندر تو چلو۔ پوری داستان سناؤ کیا ہوا ہے۔“ طارق کا ہاتھ پکڑے سلطان اس کمرے میں داخل ہوا جس میں وہیل چیئر پر سعد یہ بیٹھی ہوئی تھی۔ خلیل بھی کام پر جانے کے لئے کپڑے پہن کر کھڑا تھا۔

جونہی طارق اور سلطان کمرے میں داخل ہوئے بڑی حیرت سے طارق کی طرف دیکھتے ہوئے سعد یہ نے پوچھ لیا۔ ”بیٹے تم تو کام پر گئے تھے۔ آج تمہارا دوسرا دن تھا۔ لوٹ کیوں آئے ہو۔ کیا ہوا؟“

تم نے۔ اگر تم آج نہ آتے تو میں اور شیر از صاحب تمہارے گھر پہنچنے والے تھے۔ تمہیں تو کل آنا چاہئے تھا۔ یہ بتاؤ تم کل کیوں نہیں آئے؟“

اس پر طارق نے کہا۔ ”بیٹھو! میں تمہیں پوری داستان سناتا ہوں۔“ دونوں شیر از کے سامنے بیٹھ گئے۔ جو کچھ طارق کے ساتھ بتی تھی وہ اس نے تفصیل کے ساتھ سنا ڈالی تھی۔

جب وہ خاموش ہوا تو شیر از کہنے لگا۔ ”بیٹے! فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ نہیں رکھنا چاہتے تو نہ سہی۔ پہلے بھی تو تم میرے پاس کام کیا کرتے تھے اور تمہارے گھر کے اخراجات خوب چلتے تھے۔ اب تمہیں تنخواہ بھی اچھی دوں گا اور بیٹے! تمہارا اپنا پریس ہے جیسے اور جس طرح چاہو دونوں بھائی مل کر کام کرو۔“

شیر از جب خاموش ہوا تو طارق نے پوچھ لیا۔ ”انکل! کام کی کیا نوعیت ہے؟“

اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے شیر از کہنے لگا۔ ”کام ہمارے پاس بہت ہے۔ دن رات کام کریں تب بھی ختم نہیں ہوتا۔ اس وقت 23X36 سائز کی چار کتابیں ہم نے چھاپنی ہیں۔ ہر کتاب پانچ سو سے چھ سو صفحات کی ہے۔ پھر کچھ پوسٹر ہیں۔ کچھ اشتہار ہیں۔ بیٹے ہمارے پاس پہلے پلٹیں لگانے والا تھا۔ وہ بھی باہر چلا گیا ہے۔ ساتھ والی پریس کا کار بیگر اُن کا بھی کام کرتا ہے اور ہمارا بھی۔ کافی پلٹیں لگی ہوئی ہیں۔ کچھ کام پوسٹر اور چھوٹے اشتہاروں کا ہے۔ میرے خیال میں پہلے دونوں بھائی مل کر رومانیس کام کر لو پھر بڑی مشین آن کر لینا اور 23X36 کا کام کر لینا۔

اس بار کاشف بول پڑا۔ ”انکل! ایک کتاب ہم نے جلدی دینی ہے۔ ان سے وعدہ ہے۔ میرے خیال میں ہم دونوں میں سے ایک رومانیس کام کرتا ہے اور ایک بڑی مشین آن کر کے کتاب کی پلٹیں نکالنا شروع کر دیتا ہے۔“

طارق نے کاشف کی تائید کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”انکل! کاشف ٹھیک کہتا ہے۔“ کاشف پھر بول پڑا۔ ”طارق تم ایسا کرو یہ پوسٹر اور اشتہار چھاپنے ہیں۔ وہ بھی کافی ہیں اور ان کی پلٹیں بھی لگی ہوئی ہیں۔ تم رومانیس کام کر کے چھاپنا شروع کر دو۔ میں بڑی مشین پر کام کرتا ہوں۔ بس تم میرے ساتھ بڑی مشین میں پلیٹ لگا دو۔ اس کے بعد تم رومانیس پر کام کرو۔“ طارق بھی اٹھ کھڑا ہوا اور کاشف بھی کھڑا ہو گیا۔

طارق نے شیر از کی طرف دیکھتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا۔ ”انکل اگر 23X36 والی

طارق اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے چھوٹے بھائی خلیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”خلیل! تم کیا کرنے لگے ہو؟“

خلیل بھی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ ”بھائی! میری تو آج ریکارڈنگ ہے۔ میں ٹی وی نشین جارہا ہوں۔“

طارق دوسرے کمرے میں گیا۔ پرانی پتلون اور شرٹ لے آیا۔ اسے پلاسٹک بیگ میں ڈالا پھر سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”انکل! میں اردو بازار جارہا ہوں۔“ پھر اس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔ ”اماں! پریشان مت ہونا۔ خدا جب رزق کا ایک دروازہ بند کرتا ہے تو اس کے بدلے کئی دروازے کھول دیتا ہے۔ ہسپتال کی نوکری نہیں تو نہ سہی۔ پہلے بھی میں شیر از صاحب کے ہاں کام کرتا تھا اور گھر کا چو لہا خوب گرم ہوتا تھا۔“

طارق کی باتوں سے سعدیہ کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ اثبات میں اس نے سر ہلادیا تھا۔ پھر طارق اور خلیل دونوں بھائی ایک ساتھ عمارت سے نکل گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد سلطان بھی اٹھ کھڑا ہوا اور سعدیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”لو بہن! میں بھی چلا۔“ اس کے ساتھ ہی وہ اپنا بید لہراتا ہوا اٹھا اور عمارت سے نکل گیا تھا۔

☆

طارق اردو بازار کی ایک پریس میں داخل ہوا۔ شیشے کے ایک کیبن میں داخل ہونے کے بعد رُکا۔ اندر بڑے سے ایک میز اور ریو الونگ کرسی پر سفید داڑھی والا ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے طارق کی طرف نہیں دیکھا۔ طارق تھوڑی دیر تک کھڑا مسکراتے ہوئے اسے دیکھتا رہا پھر دھیمی سی آواز میں کہنے لگا۔ ”انکل جی! السلام علیکم۔“

بوڑھا جس کا نام شیر از تھا اور وہ پریس کا مالک بھی تھا طارق کو دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھا۔ مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھا پھر اسے گلے لگاتے ہوئے کہنے لگا۔ ”بیٹا! تیرا تو بڑی بے چینی سے انتظار تھا۔ تمہیں تو بیٹے کل آنا چاہئے تھا۔ آج تم نہ آتے تو شاید شام کو تیرے گھر پہنچ جاتا۔ بہر حال اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔“ پھر شیر از نے زور زور سے پکارنا شروع کر دیا۔ ”کاشف! کاشف! بھاگ کر آؤ۔ دیکھو کون آیا ہے۔“

تھوڑی دیر بعد طارق کی بی عمر کا ایک نوجوان بھاگتا ہوا آیا۔ جونہی اس نے طارق کو دیکھا تیزی سے بھاگا۔ اُس کے گلے مل گیا۔ پھر شکوؤں بھری آواز میں کہنے لگا۔ ”کمال کر دیا

اندیشوں کی دھول کو صاف کرو گے تو یاد رکھنا آنے والی نسلیں اپنے لئے کامیابی اور کامرانی کی نوید لئے خواہشوں اور خواہوں سے بھی ہوئی منزلوں کو پالیں گی۔ یاد رکھنا! آزادی بڑی اصولِ نعمت ہے۔ اس شورش پیشہ زمانے میں جذباتوں کی سچائی سے بھرپور آزادی اتنی آسانی سے نہیں ملتی۔ میرے بچو! آزادی حاصل کرنے کے لئے گھور راندھیروں، من کے روگ، لہو رنگ وادیوں سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ آزادی حاصل کرنے کے لئے اپنے جسم میں مچلتے ہوئی طویل قربانی دینا پڑتی ہے۔ میرے بچو! آج ہم اگر اپنے وطن کے لئے اپنی قومیتوں، برادریوں، قبیلوں اور سارے مذہبی تفرقات کو بھلا کر اپنے وطن کو ایک گھر کے حلاوت بخش سکوں جیسا بنادیں تو یاد رکھنا دنیا بھر کی بھری آندھیاں، کائنات کے سارے دشمنوں کی سازشیں اس ملک کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ آج ہمارے سرکردہ لوگ اور ارباب اختیار اس وطن کو مردار سمجھ کر اس کے گوشت پوست کو گدھوں کی طرح نوچنا بند کر دیں تو ہمارا ملک دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کے پلیٹ فارم پر کھڑا ہو سکتا ہے۔“

وہ دونوں جوان سلطان کی اس گفتگو سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے سلطان سے معافی مانگی۔ پھر آگے بڑھے۔ ایک جگہ بیٹھ کر انہوں نے کیلے کھائے۔ کوڑا کنڈی قریب ہی تھی۔ انہوں نے کچھ کنڈی میں ڈالا پھر سلطان کو سلام کرتے ہوئے آگے نکل گئے تھے۔ سلطان تھوڑی دیر تک اس کوڑا کنڈی کے پاس کھڑا رہا۔ پھر اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”ہائے میرے، وطن تمکے جو انو! میں تمہاری جاہلیت اور بے حسی پر روؤں یا تمہاری بیداری اور تمہاری ذمہ داری پر ترسوں۔ پھر سر کو جھکا۔ تین چار بار اپنا بید اپنی شلووار پر مارا پھر آگے بڑھ گیا تھا۔

ابھی تھوڑی دور گیا تھا کہ ادھیڑ عمر کے ایک شخص نے سگریٹ کا خالی بیٹ سڑک پر پھینک دیا اور خود آگے بڑھا۔ سلطان تیز قدم اٹھاتا ہوا اس جگہ گیا جہاں سگریٹ کی خالی ڈبی پڑی ہوئی تھی۔ ڈبی اس نے اٹھائی اور زیادہ تیزی سے چلتا اس بوزھے جس نے سگریٹ کی خالی ڈبی پھینکی تھی کے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”صاحب! آپ اپنی امانت پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔“ ساتھ ہی سگریٹ کی خالی ڈبی اس کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔

اُس بوڑھے نے غلط سے انداز میں سلطان کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا۔ ”آپ کو غلط

کتاب کل آپ نے دینی ہے تو رات گئے تک کام کر لیں گے۔ ایسی فکر مندی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ہم ختم کر کے جائیں گے۔“

شیراز خوش ہو گیا تھا۔ طارق اور کاشف باہر نکلے۔ پہلے دونوں نے مل کر بڑی پرلر 23X36 کی پلیٹ لگائی۔ آٹومیٹک پریس تھی اس پر کاشف کام کرنے لگا جب کہ طارق چھوٹی پلیٹیں سنبھالتا ہوا روٹا پر کام کرنے لگا تھا۔

☆

سلطان اپنے ہاتھ میں بید لئے، سر پر پولیس والی ٹوپی پہنے عمارت سے نکل کر میں رہا آگیا۔ اُس نے دیکھا اس کے آگے دو نوجوان لڑکے جا رہے تھے۔ ان میں سے ایک ہاتھ میں پلاسٹک کی سفید تھیلی تھی۔ وہ کیلوں سے بھری ہوئی تھی۔ دونوں کیلے کھاتے رہے تھے اور چھلکے سڑک کے کنارے پھینکتے چلے جا رہے تھے۔ پیچھے سے آواز دے سلطان نے انہیں پکارا تو وہ دونوں رُک گئے۔

تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سلطان ان کے قریب گیا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”میرے بچو! میرے عزیزو! میرے بیٹو! ٹھیک ہے سڑک پر چلتے ہوئے تمہیں کیلے کھانا حق ہے اور یہ حق تم سے کوئی چھین نہیں سکتا۔ پر میرے بچو! کیا ایسا ممکن نہیں کہ پاء کی جس تھیلی سے تم کیلے نکال کر کھا رہے ہو چھلکے بھی کھا کر اسی میں ڈالتے رہو۔ بار کیلے کھا چکو تو پھر چھلکوں کا یہ شا پر کسی کنڈی میں ڈالتے جاؤ۔ چھلکے میرے بچو رات میں پھینکو ان چھلکوں سے کئی لوگ پھسلیں گے اور اپنی ٹانگیں تڑوا بیٹھیں گے۔ بتاؤ اگر ایسا ہے تو تم دونوں کو اس سے کیا فائدہ ہو گا؟“

دونوں نوجوان شرمندہ سے ہو گئے تھے۔ ایک دوسرے کو اشارہ کیا پھر ایک نے پیچھے دیکھا۔ چھلکے جو انہوں نے پھینکے تھے وہ جلدی جلدی اٹھائے اور جس تھیلی سے نکال کر کھا رہے تھے اسی میں ڈال دیئے تھے۔ ان کی اس حرکت سے سلطان بہت خوش ہوا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”میرے بچو! جس قوم کے نوجوانوں پر بے حسی کی چیز چڑھ جاتی ہیں یاد رکھنا وہ اپنی قوم کے لئے زیت کے راستوں کو کھکشاں کی طرح روتا نہیں کر سکتے۔ وہ بے رنگ کرنوں سے دھول اڑا کر اپنے وطن کو امیدوں کے شبتان نہیں بنا سکتے۔ یاد رکھنا میرے بچو! اگر آج تم اپنے راستوں کو منور کرو گے، آج تم

نہیں ہوئی ہے۔ اس میں ایک ہی سگریٹ تھا وہ میں نے سلگا لیا ہے۔ ڈبی خالی تھی سو میں نے پھینک دی۔“

سلطان کے چہرے پر بھی تلخی پھیل گئی اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”صاحب! کیا یہ سڑک ہی آپ کو ملی تھی جس پر آپ نے گند، کوڑا کرکٹ پھینکا تھا۔ بھائی میرے! وطن کی ہر گلی، وطن کی ہر سڑک ہمیں اپنے ذاتی گھر کی طرح عزیز ہونی چاہئے۔ جس طرح اپنے ذاتی گھر کو صاف ستھرا رکھتے ہو اسی طرح وطن کی ہر گلی کو صاف رکھنا بھی ہر پاکستانی کا فرض ہے۔ بھائی میرے! اس پیکٹ میں اگر ایک ہی سگریٹ رہ گیا تھا تو سگریٹ کو سلگا لیتے کوئی منع نہ کرتا۔ اس لئے کہ سگریٹ پینا تمہارا ذاتی حق ہے۔ تمہیں سگریٹ سلگانے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ لیکن میرے بھائی اس خالی پیکٹ کو اپنی جیب میں ہی رہنے دیتے۔ یہ خالی ہونے کے بعد کوئی وزنی اور بھاری تو نہیں ہو گئی تھی۔ اس وقت تک اسے اپنے پاس اٹھائے رکھتے جب تک آپ کے سامنے کوڑا پھینکنے کا ذرم یا کوڑا کنڈی نہ آتی۔ اس میں پھینک دیتے۔ آپ کا کچھ نہ جاتا۔ بھائی میرے! اگر سارے پاکستانی ایسی عادت اپنا لیں تو میرا خیال ہے ہم اپنے وطن کو شیشے کی طرح صاف رکھ سکتے ہیں۔ میری باتیں کڑوی ضرور ہیں پر برا مت ماننا میرے بھائی! ایسا کرنا ہم سب پاکستانیوں کا فرض ہے۔“

بوڑھا شرمندہ ہو گیا تھا۔ سگریٹ کا خالی پیکٹ لے کر اس نے اپنی جیب میں ڈال لیا اور کہنے لگا۔ ”صاحب! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ واقعی ہم لوگ بھٹکے ہوئے ہیں۔ آپ یقین جانئے میں آپ کی باتوں پر عمل کروں گا۔ میں سیدھا آگے جا رہا ہوں۔ جو نہی کوڑا پھینکنے کا پہلا ذرم آئے گا اسی میں، میں سگریٹ کی خالی ڈبیا پھینک دوں گا۔“ اس کے ساتھ ہی وہ بوڑھا سلطان کو سلام کرتا ہوا آگے بڑھا۔ پھر ایک ٹی شال میں داخل ہوا۔

چھوٹا سا وہ ایک چائے خانہ تھا۔ ایک طرف چھوٹی سی میز کے سامنے مالک بیٹھا ہوا تھا۔ ایک ملازم چائے بنانے میں مصروف تھا۔ دوسرا ٹیبل پر بیٹھے گاہکوں کو سرو کر رہا تھا۔ سلطان کو دیکھتے ہی مالک نے سلطان کو مخاطب کیا۔ ”سلطان صاحب! خوش آمدید۔ آپ کو دیکھتے ہی علامہ کا یہ شعر بے اختیار زبان پر آ جاتا ہے۔

ہیں لوگ جہاں میں وہی اچھے

آتے ہیں جو کام دوسروں کے چائے خانہ کا مالک آگے بڑھا۔ بڑے پر جوش انداز میں اس نے سلطان سے مصافحہ کیا۔ قریب پڑا ہوا ایک چھوٹا سا تولیہ لیا۔ ایک کرسی کو صاف کیا اور سلطان سے کہنے لگا۔ ”صاحب! آپ یہاں بیٹھیں۔“ سلطان وہاں بیٹھ گیا۔ کیفے میں بیٹھے ہوئے کچھ لوگ بھی اٹھ کر سلطان کے ساتھ مصافحہ کرنے لگے تھے۔ شاید وہ اس کے جانے والے تھے۔ سلطان اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ شاید وہاں اس کا روز کا آنا جانا تھا۔ چائے بنانے والے لڑکے نے چائے بنائی اور سلطان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ”آج پھر میں نے آپ کے لئے کڑک چائے بنائی ہے۔“

سلطان نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ ”بیٹے! بس اب ہماری عمر کڑک چائے پینے والی ہی رہ گئی ہے۔“

کانی خانے کے مالک نے اپنے سامنے میز پر رکھا ہوا اخبار اٹھا کر سلطان کے سامنے رکھ دیا اور کہنے لگا۔ ”چائے کے ساتھ آپ اخبار بھی پڑھئے۔“

سلطان کے سامنے والی میز پر بیٹھا ہوا ایک بوڑھا طنزیہ سے انداز میں کہنے لگا۔ ”اخبار پڑھ کر کیا کرنا ہے؟ اس میں قتل، اغواء، ڈکیتی، آبروریزی بس اسی نوع کی خبریں ملیں گی۔ ایسی خبریں پڑھ کر دل جل گیا۔ ذہن منجمد ہو چکا ہے۔ ایسے واقعات نہ پڑھنے کو دل کرتا ہے اور نہ ذہن انہیں برداشت کرتا ہے۔“

اس بوڑھے کے ان الفاظ پر سلطان کا بھی دل دکھ گیا تھا۔ چائے ابھی اس نے پینی شروع نہیں کی تھی۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر چائے خانہ میں بیٹھے لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”صاحبو! یہ ہر روز اذنانوں کے جلو میں نکلنے والے صبح نو کے قافلے اور وقت کی سرمئی آہٹیں بھی اپنے منظر کی تشکیل کے لئے اپنے راستوں، اپنی سمتوں کا تعین کرتی ہیں۔ پھر ہم پاکستانی ایسے غیر ذمہ دار لوگ ہیں کہ ہم نہ وطن کی سمتوں کا تعین کرتے ہیں نہ اس دیس کو سنوارنے کے راستے کا تعین کرتے ہیں۔ اس وقت لمحہ بھر کے لئے سنبھلتے ہیں جب کوئی نغمہ آشوب ہمارے دلوں پر دستک دیتا ہے۔ جب دل کے مضرباب پر خوف کی کوئی آہٹ ہوتی ہے۔ ہر روز ان گنت لوگ دھرتی کے سینے پر پھیلے زہر لمحوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ضرورت مندوں کے ادھورے خواب بکھر جاتے ہیں پر کوئی پوچھنے والا ہی

نہیں ہے۔ ہمارے رابطے ستم آلودہ۔ ہمارے رشتے زہر آلود ہو چکے ہیں۔ ہم وہ قوم جس کے ہونٹوں سے اس کے موسموں کے رنگ تک چھن چکے ہیں اور زندگی موز کواں بن چکی ہے۔

مطلب کر کے کہنے لگا۔ ”انکل جی! چائے ٹھنڈی ہو گئی۔ پی لیں۔“ سلطان نے ایک آہ بھری اور اس نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”بیٹا! عمر کا ایک بڑا حصہ گزار چکے ہیں۔ اب اس ٹھنڈی چائے میں بھی عمر بھر کی تلخیاں گھول کر پی جائیں گے۔“ اس کے ساتھ سلطان نے چائے کی پیالی اٹھائی اور چسکیاں لیتے ہوئے خاموشی کے ساتھ چائے پینے لگا تھا۔

☆

کیا کوہ سکتا ہے؟ ہمارے معاشرے کی سوچوں کے اجالے۔ ہمارے سماج کے رشتوں خوشبو قبر کے کتبے کی روایات کی طرح بوسیدہ ہوتی چلی گئی ہے۔ ہم اپنی ضرورتوں کے بن کر رہ گئے ہیں۔ ستم ظریفیوں کے جال میں پھنس چکے ہیں۔ ہماری شریاں میں وطن محبت کی خوشبو نہیں رہی۔ ہماری حالت ریت پر پڑی ان خالی سیپیوں کی سی ہے جو مجبوراً کے دائروں، لاچار گیوں کی قوسوں کی بے بسی کے منجد ہاروں میں بکھر کے رہ جاتی ہیں۔ ہماری ہمت، ہماری سکت، ہمارے حوصلے فقط ذاتی مسائل اور ذاتی الجھنوں تک محدود ہیں۔ وطن کی محبت، دیس سے جانثاری کے جذبوں کے سامنے ہماری بصارت رہن ہماری سماعت گروی ہو چکی ہے۔ ہمارے حکمران ایک دوسرے کے بعد لٹ کھڑا اور مارو بن کر آتے ہیں اور ملک کی لوٹ کھسوٹ کر کے چلے جاتے ہیں اور مہنگائی سے لوگ ان کا منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

اپنے سیاست دانوں کو دیکھیں، اپنے رہنماؤں، شاعروں اور ادیبوں کو دیکھیں۔ ہر نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی ہے۔ ہر کوئی اپنے اپنے مفاد کے لئے سرگرداں۔ سیاست دانوں نے ملک کی لوٹ کھسوٹ کر رکھی ہے۔ جب کوئی سیاست دان قومی دھار میں ناکام ہو جاتا ہے تو وہ صوبائی تعصب میں دور نکل کر دوسرے صوبوں پر نقطہ نظر الزام تراشی شروع کر دیتا ہے۔ جب کوئی لیڈر عوام میں اپنی ساکھ کھونے لگتا ہے تو انفراسیاست شروع کر دیتا ہے تاکہ کم از کم عوام کے اندر زندہ رہ سکے۔ جب صوبانیت پرستی، برادری ازم، قبیلہ پروری، فرقہ پرستی اور ایسی ہی دوسری اہنٹوں سیاست کو ترک نہیں کرتے۔ اس وقت تک ہم پاکستانی قوم کی حیثیت سے دنیا کے نقشہ نہ عزت اور وقار سے رہ سکتے ہیں نہ ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔ سلطان مزید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ سامنے بیٹھا ایک نوجوان بڑی ہمدردی سے

میری گاڑی کا شیشہ توڑ دیا۔“ احسن یہاں تک ہی کہہ پایا تھا کہ رحمان اور غضب ناک ہو گیا۔ چلاتے ہوئے کہنے لگا۔ ”بکواس بند کرو۔ چپ رہو۔ اس کا مطلب ہے تم نے ہی اس کی سائیکل کو پیچھے سے ٹکرماری۔ پھر تم نے کار بھگالے جانا چاہی۔ جب تم نے ایسا کیا تو اس نے پیچھے سے پتھر مار کر تمہاری کار کا شیشہ توڑ دیا۔ وہ حق جانب تھا۔ اسے ایک نہیں تمہاری کار کے دونوں شیشے توڑ دینے چاہئیں تھے۔ بجائے اس کے کہ اس کو ٹکمر مارنے کے بعد تم اس کا حال پوچھتے تم نے چوروں کی طرح بھاگنے کی کوشش کی۔ بے شرمی اور بے غیرتی کی انتہا ہے۔ مجھے تم جیسے بیٹے سے ایسی امید نہیں تھی۔ تم تو ڈاکٹر بن چکے ہو۔ تمہیں سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا چاہئے تھا۔ تم نے لپے لفنگوں کی طرح فٹ پاتھ پر ایک محنت کش سے جھگڑا کرنے کی کوشش کی۔ وہ بڑا غیرت مند ہے۔ اس کے ایف ایس سی کے نمبر دیکھیں تو وہ تمہارے ایف ایس سی کے نمبروں سے کہیں زیادہ ہیں۔ بس اس کے ریسورس نہ تھے لہذا وہ میڈیکل میں نہ جا سکا۔ پھر وہ بی فارمیسی اور فزیو تھراپسٹ ہے۔ میں بڑے پیار اور اپنی ضرورت کے تحت اسے اپنے ہسپتال میں لایا تھا۔ نجم السحر! تم نے اسے بے عزت کر کے کیوں نکالا؟“

نجم السحر فوراً بول پڑی۔ ”آپ خواہ مخواہ اس کی طرف داری کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اس نے کیوں دودن پہلے میرے بیٹے کے ساتھ جھگڑا کیا تھا۔

رحمان نے پہلے کی طرح غضب ناک میں پوچھ لیا۔ ”اور تم نے احسن اور اپنے ملازموں کے ساتھ مل کر کیوں اس پر حملہ کر دیا؟ کیوں اسے مارا پیٹا؟ اس کی پیشانی زخمی ہو چکی تھی۔ ابھی بھی اس کی پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ کیا انسانیت اسی کو کہتے ہیں کہ صرف اپنے بیٹوں سے محبت کی جائے اور دوسروں کے بیٹوں کو گولی کوچوں کے خس و خاشاک سے بدتر سمجھتے ہوئے پاؤں تلے روندتے ہوئے چلا جائے۔ ہر گز نہیں۔ میں تمہاری یہ منطق قبول کرنے کے لئے ہر گز تیار نہیں ہوں۔ تم دونوں ماں بیٹا کچھ بھی کرو۔ وہ لڑکا ہر صورت میں فزیو تھراپسٹ کی حیثیت سے ہسپتال میں کام کرے گا۔ تم دونوں ماں بیٹا اس ہسپتال میں رہو نہ رہو، کام کرو یا نہ کرو لیکن طارق ضرور آئے گا اس لئے کہ میں اس کو اپنا بیٹا کہہ چکا ہوں اور میں اسے اس ہسپتال سے یوں ذلت، بے بسی، بے کسی اور لاچارگی کی حالت میں نہیں جانے دوں گا۔ آج تو جو ہو اسو ہو۔ میں فزیو تھراپی سنٹر کے افتتاح کے طور پر پورے

دوپہر سے تھوڑی دیر پہلے رحمان اپنے ہسپتال میں داخل ہوا۔ گاڑی پارک کرنے کے بعد اس نے سیدھا فزیو تھراپی سنٹر کا رخ کیا۔ جب وہ سنٹر کے حصے میں داخل ہوا تو فزیو تھراپی سنٹر خالی پڑا تھا۔ اس نے سنٹر کے دونوں کمروں کا جائزہ لیا۔ طارق کو جب یہ نہ دیکھا تو ڈپنسری میں آیا۔ ایک کپاؤنڈر لے لے بچوں پر بیٹھے مریضوں میں سے ایک ڈریسنگ کر رہا تھا۔ رحمان نے اسے مخاطب کر کے پوچھا۔ ”یہ نیا فزیو تھراپسٹ کدھر ہے؟“

ڈریسنگ کرتے کپاؤنڈر نے رحمان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ”سر! آپ طارق کی بات کر رہے ہیں؟“

رحمان نے جب اثبات میں سر ہلایا تو اس نے صبح جو واقعات پیش آئے تھے وہ من اور رحمان سے کہہ دیئے۔ سارے واقعات سن کر رحمان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ نکلا۔ سیدھا اس کمرے کی طرف گیا جس پر مسز ڈاکٹر رحمان کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ کھٹکھٹا ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ اس وقت نجم السحر اور اس کا بیٹا احسن دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی انتہائی تلخی اور بیقراری کا مظاہرہ کرتے ہوئے رحمان نے السحر اور اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ”تم دونوں نے طارق کو بے عزت کر کے بہن سے کیوں نکالا؟ بتانے والے نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ طارق یہ بھی کہہ رہا تھا کہ انہ تقرر ی چونکہ میں نے کی ہے لہذا میں ہی اسے نکالنے کا مجاز ہوں۔ پھر تم دونوں نے، کیوں بے عزت کر کے نکالا؟ اور احسن تم نے اس سے جھگڑا کیوں کیا؟“

اپنے باپ کی یہ حالت دیکھتے ہوئے احسن اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ نجم السحر بھی کمرے سے اٹھ کر باپ کی طرف دیکھتے ہوئے احسن کہنے لگا۔ ”پاپا! اس کی غلطی تھی۔ دودن پہلے اس ہمارے ساتھ جھگڑا کیا تھا۔ میری گاڑی سے اس کی سائیکل ٹکرائی۔ اس نے پتھر

چاہئے تھا۔ وہ بڑا احساس لڑکا ہے۔ میں اس کی طبیعت خوب جانتی ہوں۔ اب وہ دوبارہ ہسپتال آنا پسند ہی نہ کرے گا۔ میں سمجھتی ہوں آئی اور احسن کی طرف سے بڑی زیادتی کی گئی ہے۔“ طوبی مزید کچھ کہتی مگر رحمان نے بولتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ ”بیٹی! میں تسلیم کرتا ہوں۔ اس معاملہ میں ساری زیادتی تمہاری آئی نجم السحر اور احسن کی ہے پر ہمیں اس کی حلانی کرنا ہوگی۔ میں چاہتا ہوں تم ابھی اپنی گاڑی نکالو اور میرے پاس پہنچو۔ ہم دونوں مل کر اس کے پاس جاتے ہیں۔ طارق نے گھر جا کر سارے واقعات اپنی ماں ہی نہیں عمارت کے مینوں سے بھی کہہ دیئے ہوں گے۔ سب غصہ میں بھرے ہوں گے اس لئے کہ اس عمارت کے سارے مینوں ایک خاندان کی طرح رہتے ہیں۔ اگر ہم دونوں جائیں اور اس کا ذہن صاف کرنے کی کوشش کریں تو میرے خیال میں شاید وہ دوبارہ ہسپتال میں اپنی ڈیوٹی جو اٹن کر لے۔“ رحمان خاموش ہو گیا اور طوبی کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

پھر طوبی کی آواز سنائی دی۔ ”نہیں انکل! آپ اس کے مزاج اور اس کی طبیعت کو نہیں سمجھتے۔ میں اس کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ اس وقت غصے اور غضب ناک میں ہو گا۔ اس وقت ہم اسے منانے بھی چلے جائیں تو میرے خیال میں وہ ہرگز نہیں مانے گا اور نہ ہی وہ ہمارے ساتھ ہسپتال آئے گا۔ بہتر یہی ہے کہ آپ ہسپتال کے سارے کام روزمرہ کی طرح انجام دیں۔ میں بھی دفتر کے کام نمٹاتی ہوں۔ شام کو اس کے ہاں چلیں گے اور کسی نہ کسی طرح اسے منانے کی کوشش کریں گے۔“

رحمان نے شاید طوبی کی اس تجویز کو پسند کیا تھا۔ اللہ حافظ کہتے ہوئے اس نے ریسپور رکھ دیا تھا اور ہسپتال کے روزمرہ کے کاموں میں لگ گیا تھا۔

سہ پہر کے بعد ڈاکٹر رحمان نے اپنی گاڑی پاکستان کو اسٹریٹ کے احاطے میں روکی۔ طوبی بھی اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ دونوں اتر کر عمارت میں داخل ہوئے۔ عمارت کے کمرے میں سلطان، طارق کی ماں سعدیہ اور اس کا چھوٹا بھائی خلیل تینوں بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ دروازے پر جب رحمان اور طوبی نمودار ہوئے تو سلطان اور خلیل نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ دونوں نے رحمان کے ساتھ مصافحہ کیا۔ طوبی طارق کی ماں سعدیہ سے ملی۔ پھر وہ دونوں سعدیہ کے سامنے ہی بیٹھ گئے تھے۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ اس دوران رحمان اور طوبی دونوں ادھر ادھر کا جائزہ لیتے رہے۔ آخر

ہسپتال میں پارٹی بھی کرنا چاہتا تھا لیکن تم دونوں نے میرا سارا پروگرام خراب کر دیا ہے۔ اب میں پچھلے وقت اس کے گھر جاؤں گا اور اسے قائل کروں گا کہ وہ کل ضرور ہسپتال آئے۔ آج کے بعد احسن تم اور نجم السحر تم بھی سن لو! اس لڑکے کے ساتھ کسی نے بھی کسی قسم کی تلخ کلامی یا جھگڑا کرنے کی کوشش کی تو میں تم دونوں ماں بیٹے کا ہسپتال میں داخلہ ممنوع قرار دے دوں گا۔“ اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر رحمان اس کمرے سے نکلا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

اپنے کمرے میں جا کر رحمان نے ٹیلی فون ریسپور اٹھایا اور پھر کسی کے نمبر گھمائے۔ دوسری طرف سے طوبی کی آواز آئی۔ ”انکل! طوبی بول رہی ہوں۔“ رحمان نے فوراً پوچھ لیا۔ ”گھر سے بول رہی ہو یا آفس سے؟“ طوبی کی آواز سنائی دی۔ ”انکل! میں آفس سے بول رہی ہوں۔“ بڑی اداس اور افسردہ سی آواز میں رحمان کہنے لگا۔ ”بیٹے! ایک بہت بڑا حادثہ پیش آیا ہے۔“

دوسری طرف سے طوبی بڑی فکر مند دکھائی دی۔ ”کیسا حادثہ انکل؟ جلدی کہیں۔“ جواب میں ہسپتال کے اندر طارق کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اس کی تفصیل فون پر رحمان نے کہہ دی تھی۔

تھوڑی دیر تک ٹیلی فون پر خاموشی رہی۔ پھر دوسری طرف سے طوبی کی افسردہ اور روتی سی آواز سنائی دی۔ ”انکل! یہ تو بہت برا ہوا۔“

رحمان کہنے لگا۔ ”یہ میری بد قسمتی تھی کہ میں تمہاری دادی اماں کے ساتھ ایئر پورٹ چلا گیا تھا۔ وہ بحیریت فلائی کر چکی ہیں۔ میری غیر موجودگی میں یہ المیہ، یہ حادثہ پیش آیا۔ بیٹے! میں تم پر یہ بھی انکشاف کروں کہ پہلے دن جب ہم طارق کے ہاں گئے تھے تو اسے جو حادثہ پیش آیا تھا وہ بھی تمہاری آئی اور احسن کی وجہ سے پیش آیا تھا۔“ اس کے بعد ٹیلی فون پر ڈاکٹر رحمان نے پہلے دن کے حادثہ کی تفصیل اور طارق کے ساتھ جھگڑے کا المیہ پیش کیا تھا اس کی ساری داستان طوبی سے کہہ دی تھی۔

رحمان کو رک جانا پڑا اس لئے کہ سلطان نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔ ”رحمان صاحب! آپ نے بھی خوب کہی۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے ہاں سیاست میں حصہ لینے کے لئے تعلیم و تربیت کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن کچھ مزید چیزوں کی ضرورت ہے۔ آج میں اگر سیاست میں حصہ لیتا ہوں تو مجھے کسی نہ کسی سیاسی جماعت کو اپنانا ہو گا۔ ظاہر ہے مخالف جماعت والے مخالفت پر اتریں گے۔ اس طرف سے مجھے اپنی حفاظت بھی کرنا پڑے گی۔ اپنی حفاظت کے لئے مجھے باڈی گارڈ رکھنے پڑیں گے۔ انہیں کھانا پانا پڑے گا۔ تنخواہ دینا ہو گی۔ اگر میرے پاس اس قدر رقم نہ ہو گی کہ میں انہیں کھلاؤں پلاؤں تو وہ مجھے کھا جائیں گے۔ بھائی میرے! ہمارے ملک میں سیاست میں وہ حصہ لے سکتا ہے جس کے پاس بے شمار دولت ہو اور کچھ لوگ بھی اس کے ساتھ ہوں جو اس کی حفاظت کر سکیں اس کے بغیر سیاست میں حصہ نہیں لیا جاسکتا۔ پھر میرے جیسا پنشنر سیاست میں حصہ کیالے گا۔ یہاں تو

جب تک رحمان بوتل رہا سلطان مسکراتا رہا۔ رحمان کے حامش ہونے پر سلطان آواز سنائی دی۔ ”آپ دونوں اس کو سمجھ نہیں پائے۔ وہ بڑا حس اور بڑا جذباتی لڑکا۔ رحمان صاحب! عزت نفس بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اس کی عزت نفس چونکہ آپ ہسپتال میں مجروح ہوئی ہے لہذا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ کبھی لوٹ کر آپ ہسپتال نہیں جائے گا۔ بہر حال جو کچھ اس کے ساتھ ہوا برا ہوا۔“

یہاں تک کہتے کہتے سلطان کو کچھ رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ کسی نے آوازیں دیتے۔

خلیل کو بلانا شروع کر دیا تھا۔ اس پر سعدیہ بول پڑی۔ ”خلیل بیٹے! باہر جاؤ۔ میرے“

میں اماں جہاں آراء بار رہی ہے۔“

خلیل باہر نکلا۔ یوب کی روشنی میں اس نے دیکھا۔ اور کہا کہ اللہ ہی میں

گئی کہ ہم دونوں آئے ہیں اور اسے ہمارے لئے چائے اور بسکٹ لانے ہیں؟“
سلطان نے جواب میں ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔ ”رحمان صاحب! یہ معاملہ تو اس عمارت کے مکینوں کے لئے بڑا معمولی ہے۔ یہاں سب رہنے والوں کو خبر ہو چکی ہوگی کہ زرگونہ چائے لے کر گئی ہے۔ زرگونہ یہاں نہ ہوتی تو اوپر میری بیٹی ثروت رہتی ہے وہ چائے لے کر آتی۔ اگر وہ بھی یہاں نہ ہوتی تو پھر کوئی اور فرد یہ کام کرتا۔ پر یہ کام ہوتا ضرور۔“ سلطان نے اپنے قریب بیٹھی زرگونہ کو مخاطب کیا۔ ”زرگونہ میری بیٹی! میری بچی! بھائی کہاں ہے؟“

زرگونہ ہلکی سی آواز میں کہنے لگی۔ ”انکل! دونوں بھائی آپکے ہیں اور کھانا کھا رہے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ اور مہمانوں کے لئے یہیں کھانا لے آؤں؟“

سلطان نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور کہنے لگا۔ ”اٹھو جاؤ! جا کے کھانا کھاؤ میری بچی۔ میں بجا خان کے ساتھ کھانا کھا چکا ہوں۔ آج وہ اکیلا ہی ہے اللہ بخش یہاں نہیں ہے۔“

اس پر زرگونہ اٹھی اور باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد رحمان نے سلطان کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔ ”اس عمارت کے لوگوں کا اتفاق واقعی مثالی ہے۔“

سلطان نے ٹرے کی طرف اشارہ کیا۔ ”پہلے چائے پیئیں پھر گفتگو کریں گے۔“
رحمان، طوبی اور سلطان، سعدیہ اور خلیل سب چائے پینے لگے تھے۔ چائے کے بعد تھوڑی دیر تک آپس میں گفتگو ہوتی رہی کہ طارق کمرے میں داخل ہوا۔ رحمان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس سے مصافحہ کیا۔ سلطان نے ہاتھ کے اشارہ سے اسے اپنے قریب بلایا اور پاس ہی بٹھالیا۔ تھوڑی دیر تک کمرے میں کاٹ کھانے والی خاموشی رہی۔ پھر رحمان کی آواز سنائی دی۔ ”طارق میرے بیٹے! ہسپتال میں آج صبح جو بد مزگی ہوئی میں اس کے لئے بڑا شرمسار ہوں اور اپنے آپ کو قابل سزا سمجھ رہا ہوں۔ طوبی اور میں تمہارا کافی دیر سے انتظار کر رہے ہیں۔ ہم تمہیں یہ کہنے آئے ہیں کہ جو کچھ ہوا اسے ہماری خاطر بھول جاؤ۔ معاف کر دو اور واپس ہسپتال چلو اور ڈیوٹی جو ان کرو۔ بیٹے! میں تمہیں یقین دلاتا ہوں اگر میں وہاں ہوتا تو یہ حادثہ کبھی جنم نہ لیتا۔ تمہاری آمد سے پہلے میں اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ سلطان اور تمہاری امی کے ساتھ بات کر چکا ہوں۔ مجھے امید ہے تم مجھے اور طوبی

بڑے بڑے لٹ کھاؤ، بڑے بڑے مال مارو بیٹھے ہوئے ہیں جو سیاست کے بابا آدم بنے بیٹھے ہیں۔ وہ ہم جیسوں کی دال کہاں گلے دیتے ہیں۔ پھر ہمارے ہاں سیاست بڑی گندی ہے۔ جب کوئی امیدوار کامیاب ہو جاتا ہے تو دیس کی بہتری کی باتیں کرتا ہے جب اسے سیٹ نہیں ملتی تو حکومت وقت ہی نہیں ملک کے خلاف بھی آوازے کسنا شروع کر دیتا ہے۔ صوبائی ازم کو ہوا دیتا ہے، قوم پرستی کو اہمیت دینے لگتا ہے۔ لوگوں کو طبقات اور فرقوں میں بانٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب آپ اپنے ملک کو دیکھیں۔ ہمارے چار صوبے ہیں اور چاروں صوبے ایک دوسرے کی کش مکش میں مبتلا ہیں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں ہماری یہ عمارت چاروں صوبوں کے لئے ایک نمونہ ہے۔ اس عمارت کے اندر چاروں صوبوں کے لوگ رہتے ہیں۔ پر ایمان کی بات ہے ہمارے درمیان کبھی جھگڑا نہیں ہوا۔ نہ ہی کبھی کوئی بھوکا سویا ہے۔ خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ طارق کو کام مل گیا ہے اگر اسے کام نہ بھی ملتا تو یاد رکھئے اس عمارت کے اندر ان تینوں کے اخراجات ہم بڑے مناسب طریقے سے پورے کرتے۔“ سلطان کو کہتے کہتے رُک جانا پڑا اس لئے کہ رحمان نے دیکھا ایک لڑکی ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی تھی اس میں چائے اور بسکٹ تھے۔ لڑکی نے قریب آکر کچھ کہنا چاہا لیکن خلیل پہلے ہی اپنی جگہ سے اٹھا اور کونے میں پڑے ہوئے میز کو اٹھایا اور رحمان اور طوبی کے سامنے رکھ دیا۔ لڑکی نے چائے اور بسکٹ کی ٹرے میز پر رکھ دی۔ طوبی اور رحمان عجیب سے انداز میں اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس موقع پر سلطان نے انہیں مخاطب کیا۔ ”آپ دونوں پریشان ہو رہے ہوں گے کہ یہ لڑکی کون ہے۔ میں خیال کرتا ہوں اس سے پہلے طارق پوری طرح اس عمارت کے مکینوں سے آپ کا تعارف کر چکا ہے۔ اس عمارت میں ایک پٹھان فیملی رہتی ہے۔ دو بھائی علی خان اور مراد خان، تیسری ان کی ماں ہے جس کا نام گل سانگا ہے۔ یہ ان کی بہن ہے۔ اس کا نام زرگونہ ہے۔ اس کا باپ فوت ہو چکا ہے۔ علی خان اور مراد خان میں سے ایک تو فروٹ کا ٹھیلہ لگاتا ہے، دوسرا سوزو کی چلاتا ہے۔ ان کی گزر بسر بہترین انداز میں ہوتی ہے۔“

مسکراتے ہوئے سلطان نے زرگونہ کو اشارہ کیا اور وہ ان کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ اس موقع پر رحمان نے سلطان کی طرف دیکھا۔ ”سلطان میاں! جو بات طوبی اور مجھے پریشان رہی ہے وہ یہ ہے کہ نہ آپ کمرے سے نکلے اور نہ خلیل، نہ کوئی اور پھر اس بچی کو کیسے خبر ہو

کومایوس نہیں کرو گے اور کل سے ہسپتال جانا شروع کرو گے۔“

رحمان خاموش ہو گیا۔ طارق کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے رحمان کی طرف دیکھا۔
”میں آپ کا بڑا مینون اور شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے ہسپتال میں جگہ دی۔ پر میں سمجھتا ہوں کہ میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں۔ رحمان صاحب! میرے وہاں کام کرنے سے آپ کے گھریلو حالات بڑے تلخ ہوں گے۔ آپ کی بیوی ہی نہیں آپ کا بیٹا بھی مجھے وہاں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اس لئے کہ اس حادثے سے پہلے بھی سڑک پر میرا ان کے ساتھ جھگڑا اور ٹکراؤ ہو چکی ہے لہذا ہمارے درمیان بڑا اختلاف پیدا ہو چکا ہے۔ آپ برا محسوس نہ کیجئے گا میں آپ کے ہسپتال نہیں جاؤں گا۔ مجھے پریس میں ملازمت مل گئی ہے وہ جاری رکھوں گا۔ میں بار بار نوکری بدل کر اپنے گھر کے چولہے کو بجھتا نہیں دیکھ سکتا۔“

اس پر طوبی نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”ایک بار تم ہماری بات مان کر دیکھو۔ جو واقعہ اور جو حادثہ تمہارے ساتھ پیش آیا ہے اگر پھر ایسا کوئی واقعہ تمہارے ساتھ ہسپتال میں ہو تو میں ضمانت دیتی ہوں میں تمہیں اپنے ساتھ دفتر میں رکھ لوں گی اور اس تنخواہ سے دگنی تنخواہ دوں گی جو اس وقت تمہاری پریس میں مقرر ہوئی ہے۔“

طارق نے گھورنے کے انداز میں طوبی کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ ”نہیں محترمہ! میں تمہاری اس پیش کش کا بھی شکریہ ادا کروں گا۔ اب میں پریس نہیں چھوڑوں گا۔ میں مصمم اور پکا ارادہ کر چکا ہوں۔ وہی کام دلجمعی سے کروں گا اور ہسپتال نہیں جاؤں گا۔ آپ دونوں برا نہیں ماننے گا اس موضوع پر آپ جتنی بھی گفتگو کریں گے اتنی ہی تلخی بڑھے گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ میں ہسپتال نہیں جاؤں گا۔ میرے خیال میں آپ کوئی اور موضوع چھیڑیں۔“

پھر طارق نے رخ بدلا اور اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”ماں بھوک بہت لگی ہے کھانا دیں۔“ جواب میں سعدیہ نے خلیل کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ ”بیٹے! سلطان بھائی تو کھانا کھا کر آئے ہیں۔ باہر جاؤ تو رے روٹیاں لے کر آؤ۔ رحمان صاحب اور طوبی بھی کھانا کھائیں گے۔“

طوبی فوراً بول پڑی۔ ”کھانا تو میں ضرور کھاؤں گی۔ اگر ہم کھانا کھائے بغیر چلے گئے تو

آپ لوگ یہ خیال کریں گے کہ شاید ہم اونچی سو سائٹی والے آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پسند نہیں کرتے۔“ پھر طوبی نے خلیل کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”خلیل بھائی! روٹی لے کر آؤ مجھے بھی بھوک لگی ہے۔“ اس پر خلیل بھاگ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ روٹیاں لے آیا۔ اس نے خود ہی سالن نکالا، پلیٹوں میں ڈالا پھر سب نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد طوبی اور رحمان چلے گئے تھے۔

☆

تعدد بھی اپنے عروج پر ہوتا ہے۔ ان حالات میں رہنے والی لڑکیاں یا تو اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتی ہیں یا پھر خود کشی یا گھر سے فرار کا انتہائی قدم اٹھاتی ہیں بلکہ مسائل کے حل کے لئے دوسری راہ اختیار کرتی ہیں جس کے نتیجے میں مار پیٹ، ظلم و ستم برداشت کرنے کے علاوہ ملازمہ کی حیثیت سے رہنا پڑتا ہے اور سر چھپانے کے لئے جگہ اور دو وقت کی روٹی مل جاتی ہے۔ اللہ بخش سندھ کا رہنے والا ہے۔ تم جانتے ہو سندھ قدیم تہذیب کا آئینہ کہلاتا ہے لیکن اس کے بعض علاقے اب بھی جہالت کی رسوم کا گہوارہ ہیں۔ یہاں بااثر لوگ اپنی جائیداد کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنی بیٹیوں کی شادی قرآن شریف سے کروادیتے ہیں۔ انہیں پاک بلی کا نام دے کر تمام عمر کے لئے سفید کپڑوں میں ملبوس کر دیتے ہیں۔ جوانی ان کے لئے قید تہائی کی سزا بن جاتی ہے۔ بعض گھرانوں میں یہ رواج کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جو لڑکی بدکاری میں ملوث پائی جاتی ہے یا اس پر بدکاری کا الزام لگایا جاتا ہے اسے کاری شدہ لڑکی کہا جاتا ہے۔ اس کے لئے مختلف سزائیں تجویز کی جاتی ہیں۔ میں تمہیں اس کی تفصیل بتاتا ہوں۔

جہاں تک اللہ بخش مجھے بتا کر گیا ہے اس کے مطابق قدیم روایات کی رو سے کاری عورت کو مختلف الزام دے کر موت کے گھاٹ اتار دینے کی جاہلانہ رسم محمد بن قاسم کی آمد سے پہلے بلوچستان کے علاقوں سے سندھ تک پہنچی تاہم تاریخ اس رسم کی اصل ابتداء کے بارے میں خاموش ہے۔ کچھ لوگ اسے ہندوانہ رسم بھی کہتے ہیں لیکن یہ غلط ہے اس لئے کہ ہندومت میں سوائے سستی کے اور کوئی ایسی رسم نہیں ملتی۔ بعض لوگوں کا قیاس ہے کہ یہ رسم بلوچستان کے قبائلی نظام کی بدولت سندھ میں رچ بس گئی۔ ابتداء میں سندھ، بلوچستان کی سرحد پر واقع جیکب آباد، لاڑکانہ اور دادو میں کاری کی قبیح رسم کے آثار ملتے ہیں۔ بعد کے زمانے میں ٹھٹھہ، بدین، میرپور، حیدر آباد، نواب شاہ اور نوشہرہ و فیروز کے علاقے میں یہ رسم پھیلی۔ بلوچ روایات یا اس رسم کو بیان کرنے والوں کا کہنا ہے کہ پہلے بالائی سندھ کے لوگوں نے زیریں سندھ تک پہنچایا۔

میں یہ بھی تمہیں بتاتا چلوں کہ مختلف ذرائع سے لڑکیوں کو کاری شدہ قرار دیا جاتا ہے۔ پرانی دشمنی کا انتقام لینے کے لئے اپنے دشمن کی لڑکی کو بے آبرو کر کے اس پر کاری کا الزام لگایا جاتا ہے اس طرح اس لڑکی کو موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی یہ

رحمان اور طوبی کے جانے کے بعد کمرے میں تھوڑی دیر تک سکوت اور خاموشی طاری رہی۔ پھر سلطان نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق بیٹے! تمہاری غیر موجودگی میں یوں جانو ہمارے کواڑوں کے اندر ایک انقلاب رونما ہوا۔ آج صبح صبح منہ اندھیرے لڑکے بخش سندھ میں اپنے قبیلے کی طرف چلا گیا۔ تم جانتے ہو کہ وہ قبیلے کے سردار کا عزیز ہے ہے بڑا مخلص، سادہ۔ اس کے ہاں ایک بہت بڑا حادثہ پیش آ گیا ہے۔ یوں جانو وہ ایک لڑکی کو لینے گیا ہے جو بے آبرو ہو چکی ہے اور کاری شدہ ہے۔“ یہاں سلطان کو رک جانا اس لئے کہ طارق نے پوچھ لیا۔ ”پہلے یہ بتائیں کہ کاری کیا ہے؟ پھر میں آپ سے تفصیل جانا چاہوں گا۔“

سلطان نے ایک لمبی آہ بھری اور کہنے لگا۔ ”کاری ہمارے معاشرے کے لئے انتہاء کی لعنت ہے۔ ایسے ہی جیسے ہندو معاشرے میں کبھی سستی ہونے کی لعنت ہو ا کرتی تھی۔ جبکہ تم نے پوچھ لیا ہے تو میں تمہیں کاری شدہ لڑکی کی تفصیل اور اس کا نام بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے اس رسم کی تفصیل تم سے کہوں گا۔ سن بیٹے! اب بھی ہمارے ملک کے ناخواندہ دیہی علاقوں کے بے شعور افراد بیٹی کی پیدائش کو نیک شگون خیال نہیں کرتے اور ان کی جلد از جلد جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اکثر کم عمر لڑکیوں کو شادی کے نام پر بکریوں کی صورت میں بیچ دیا جاتا ہے اور ان کی رقم وصول کی جاتی ہے۔ بعض اوقات جائیداد کے حصول یا پرانی دشمنی کی آڑ لے کر اس پر بدکاری کا الزام لگا کر اسے کاری شدہ لڑکی قرار دیا جاتا ہے اور اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ کم عمر لڑکیوں کی شادیاں اکثر ناکامی سے دو چار ہوتی ہیں اور ذہنی ہم آہنگی کا تصور بے معنی ہو جاتا ہے۔ تیرہ یا چودہ سال کی ہو اور مرد کی عمر ساٹھ سال ہو اور شک کے ناگ ہر سو پھیلے ہوں

سے باعث بری ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ دفعہ 164 کے تحت اقبال جرم کرتے ہیں۔ جج غیرت کا مسودہ پڑھ کر شک کا فائدہ دے کر یا تو انہیں آزاد کر دیتا ہے یا ان کی سزا کم کر دی جاتی ہے۔

کاری بے آبرو کی یاد کاری کا دوسرا نام ہے۔ اگر کوئی لڑکی بے آبروئی میں پکڑی جاتی ہے یا اس پر ایسا الزام لگایا جاتا ہے تو اسے کاری شدہ لڑکی قرار دے دیا جاتا ہے۔ اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ اگر اسے قتل نہ کیا جائے تو اس کے والدین اسے قتل کرنے کی بجائے پیسے لے کر بچہ دیتے ہیں یا اس کی شادی کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں لڑکی کی شادی دور دراز قبیلے میں کر دی جاتی ہے۔ ایسی لڑکی ساری زندگی جہنم میں گزار دیتی ہے۔ اگر والدین لڑکی کو قتل کرنے کی اجازت نہ دیں اور اس کی شادی نہ کریں تو ایسی صورت میں قبیلے کا سردار جہاد عائد کرتا ہے جو لڑکی کے والدین کو سردار کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ جرمانے کی اس رسم کو حکم کی چٹی کہتے ہیں۔ یہ رقم 50 ہزار سے ایک لاکھ تک ہوتی ہے۔

بے آبرو کی ہوئی اور کاری شدہ لڑکیاں اگر بھاگ کر کسی سردار کے گھر پناہ لینے میں کامیاب ہو جائیں تو انہیں سامری کی رسم کے تحت جو سندھ میں عام ہے وڈیروں کی حویلی تک پہنچا دیا جاتا ہے جہاں وہ تمام عمر ملازمہ کی حیثیت سے زندگی گزار دیتی ہیں۔ بعض اوقات وڈیرے انہیں انعام کے طور پر اپنے کمداروں کی بیویاں بھی بنا دیتے ہیں۔ کاری شدہ لڑکی سے شادی کرنا کوئی پسند نہیں کرتا۔ یہ بہت شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آیا ہے کہ کاری شدہ لڑکیاں دوبارہ معاشرے میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل بنی ہوں۔ کیونکہ ایسی لڑکیوں کو نہ مارتا غیرت کے منہ پر طمانچہ قرار دیا جاتا ہے۔ لہذا باپ، بھائی، شوہر اپنے ہاتھوں بہن، بیوی یا بہن کو مار دیتے ہیں۔ جو لڑکیاں سازش کے تحت یا پرانی دشمنی یا جائیداد وغیرہ یا کسی دیگر جھگڑے کی بناء پر بے آبرو کر کے کاری شدہ کر دی جاتی ہیں انہیں عموماً گلے میں رسہ ڈال کر یا جلا کر کاری کیا جاتا ہے۔ جو لڑکیاں رنگے ہاتھوں پکڑی جاتی ہیں انہیں کھڑکیوں اور بند و قوس سے مار دیا جاتا ہے۔

کاری کی جانے والی لڑکیوں کو منخوس سمجھا جاتا ہے۔ تمام لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کو اس حالت تک پہنچانے والے ان کے اپنے ہوتے ہیں۔ بے جوڑ شادیاں اور سماجی غلامی دراصل بغاوت کا سبب بنتی ہے اور بعض دفعہ یہ انسانی فطرت کی ضرورتوں

الزام جائیداد بچانے کی وجہ سے لگایا جاتا ہے، کبھی قبائلی دشمنی اس کو جنم دیتی ہے۔ کاری کی ظالمانہ اور انسانیت سوز رسم پر قربان کی جانے والی چالیس فی صد عورتوں کا کہیں اندراج ہی نہیں کیا جاتا۔ ستر فی صد کیس جن کے تحت لڑکیوں کو کاری کیا جاتا ہے نقلی اور جعلی ہوتے ہیں جبکہ بیس فی صد اصل کیس میں سے اسی فیصد مرد کاری کے الزام میں پیسے دے کر بچ جاتے ہیں اور یہ رقم موجودہ دور میں ایک لاکھ سے ڈھائی لاکھ ہوتی ہے۔ یہ رقم لڑکی کا سسرال یا اس کے ماں باپ یا بھائی وصول کرتے ہیں جبکہ اسی فیصد لڑکیاں غیرت کے نام پر قتل کر دی جاتی ہیں۔

بیٹے! اللہ بخش کے علاقوں میں اس کا کہنا ہے 73 فیصد لڑکیوں کی شادیاں 15 سال سے کم یا پندرہ برس کی عمر میں کر دی جاتی ہیں۔ سندھ وہ خطہ ہے جہاں شادی کے نام پر عورت بچہ دی جاتی ہے اور اس مکروہ سلسلے نے ایک کاروبار کی صورت اختیار کر لی ہے۔ عموماً اس وقت اس رجحان میں اضافہ دیکھنے میں آتا ہے جب غریب مزارع غربت سے تنگ آکر اپنی اولاد امیر لوگوں کو چالیس سے ساٹھ ہزار میں فروخت کر دیتے ہیں۔ اکثر یہ رقم اس سے بھی کم ہوتی ہے۔ بعض دفعہ ان مزارعوں کی بیٹیوں کو اغواء کر لیا جاتا ہے اور بعد میں ان کے والدین کو بلیک میل کر کے ان کی شادیاں کر دی جاتی ہیں۔ کم عمری میں زیادہ عمر کے مرد سے شادی اور ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی بناء پر لڑائی جھگڑے اور مار پیٹ کا رجحان بڑھتا ہے۔ اس صورت حال میں لڑکیاں نفسیاتی مسائل کا شکار ہو کر پیروں فقیروں کے چنگل میں پھنس جاتی ہیں۔ خوف میں مبتلا رہنے والی یہ لڑکیاں جنہیں انسان سمجھا ہی نہیں جاتا رسی سے باندھ دی جاتی ہے اور ڈنڈوں سے پیٹی جاتی ہیں۔ اس طرح وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔

یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کم عمری میں زیادہ عمر کے مردوں سے شادی کی وجہ سے بیشتر لڑکیاں جلد بیوہ ہو جاتی ہیں۔ اس صورت حال میں ان کے لواحقین پیسے کے عوض ان کا دوبارہ نکاح کروا دیتے ہیں۔ 70 فی صد خواتین کے لئے جبر کے نکاح کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ خاندان کا کوئی مرد زمین یا جائیداد کی خاطر اگر کسی کو قتل کر آئے تو بہن یا بیوی کو ڈھال بنا کر خود کو سزا سے بچا لیتا ہے۔ مقتول پر اپنی بہن یا بیوی سے ناجائز تعلقات کا الزام لگا دیتا ہے اور بعد میں عدالت سے عزت کے نام پر

کے تحت بھی ہوتا ہے۔

میں یہ عجیب و غریب انکشاف بھی کروں کہ سندھ اور بلوچستان میں قبائلی رواجوں کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ انتہاء درجہ کی خوبصورت ہے۔ اس کی دوسری بڑی مطابق قتل ہونے والی کاری شدہ لڑکیوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی جاتی نہ ہی انہیں غسل دیا جاتا ہے جب کہ انہیں کفنایا بھی نہیں جاتا۔ تمام فیصلے جرجوں کے اصولوں کے موافق ہوتے ہیں۔ انہیں گاؤں یا شہر کے قبرستان میں دفن بھی نہیں کیا جاتا۔

سندھ میں اس وقت ایسے دو قبرستان ہیں جہاں صرف کاری شدہ لڑکیوں کو دفن کیا جاتا ہے۔ انہیں بے آبرو لڑکیاں قرار دیا جاتا ہے۔ ایک قبرستان لاڑکانہ کی تحصیل رتھار میں کوری کے ریگستان میں موجود ہے جسے طرب کہا جاتا ہے۔ یہ قبرستان لگ بھگ ایکڑ پر محیط ہے۔ یہاں قبریں پکی نہیں ہیں۔ چونکہ ریت وافر مقدار میں ہے لہذا قبریں غائب کر دیتی ہے۔ کچھ کاری شدہ لڑکیوں کی ماں بہنوں نے قبریں پکی کرادی ہیں جو تعداد بہت کم ہے جب کہ اب تک یہاں سینکڑوں لڑکیاں دفن ہو چکی ہیں۔

دوسرا قبرستان شکارپور کی تحصیل مکھی غلام شاہ کی شرگوٹھ میں ہے۔ یہاں ریگستان صورت حال نہیں۔ اس وجہ سے قبریں کچی اور خستہ حال میں بہر حال موجود ہیں۔ قبرستان میں لوگ دور دراز سے کاری شدہ لڑکیوں کی لاشیں لا کر دفناتے ہیں۔ مرنے کے لئے ایصال ثواب کے لئے کوئی رسم ادا نہیں کی جاتی بلکہ مرنے والی کے گھر غریب منائی جاتی ہیں اور ان کے ورثاء اپنے سروں پر غیرت مندی کے تمنغے سجاتے ہوئے محسوس کرتے ہیں۔

یہ ہمارے معاشرے کی سب سے بڑی مصیبت اور مجبوری ہے کہ مجبوری کے غریبی کی چادر میں بکنے والی عورت جب چاہے قتل کر دی جاتی ہے ورنہ غلاموں کی زندگی کی اہل ٹھہرتی ہے۔ مقتولین کے راضی ناموں میں بطور جنس پیش ہونے والی عورت کو آج کا طاقتور قانون بھی تحفظ نہیں دے سکا۔ کاری کی یہ رسم ہمارے معاشرے پر ایک نیکار اور لاعلاج ناسور ہے۔

میرے بچے اللہ بخش ایک ایسی لڑکی کو لینے گیا ہے جس کو زبردستی بے آبرو کر کے پرکاری کا الزام لگایا گیا ہے۔ یہ لڑکی اللہ بخش کے علاقے کی رہنے والی ہے۔ اس کا قصہ ہے کہ اس نے ایک غریب گھرانے میں جنم لیا۔ جس وڈیرے کے علاقے میں اس کی

یہ ساری دکھ بھری داستان سن کر طارق اداس اور افسردہ ہو گیا تھا۔ اس داستان کو سعدیہ اور خلیل پہلے ہی سن چکے تھے لہذا ان کے جذبات طارق سے مختلف تھے۔ سلطان جب خاموش ہوا تو طارق نے کہنا شروع کیا۔ ”انکل جی! مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں؟ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ میرے خیالات آپ لوگوں سے مختلف ہوتے ہوں۔ ایسی لڑکی کو یہاں پناہ دینا نہ صرف یہ کہ بری رسم کے خلاف جہاد کرنا ہے بلکہ یہ وطن پروری اور انسان دوستی کا مقام ہے۔ میں اس لڑکی کو یہاں خوش آمدید کہوں گا بلکہ رشتے میں اسے اپنی بہن کہہ کر

تھی وہ اس پر بری نظر رکھتا تھا۔ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کی تعلیم کے خلاف بھی تھا۔ اس

لوکی کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ انتہاء درجہ کی خوبصورت ہے۔ اس کی دوسری بڑی غلطی یہ ہے کہ اس نے میٹرک اور ایف ایس سی اے گریڈ میں پاس کیا اس کے بعد وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی لیکن وڈیرے کی مخالفت پر وہ ایسا نہ کر سکی اور گھر بیٹھ گئی۔ وڈیرہ اسے پسند کرتا تھا۔ کئی بار اس نے لڑکی کو بھانا چاہا لیکن لڑکی نہ مانی۔ آخر اس نے اپنے بندوں کے ذریعے

زبردستی بے آبرو کیا بعد میں اس پر کاری کا الزام لگایا پھر اس کے گھر والوں کو کہا کہ لڑکی کو مار دیا جائے۔ گھر والے جب نہ مانے تو اپنے آدمیوں سے کہہ کر اس وڈیرے نے اس کے تمام گھر والوں کا خاتمہ کروادیا۔ لڑکی بے چاری کسی نہ کسی طرح بھاگ کر اللہ بخش کے عزیز دوسرے وڈیرے کے پاس پہنچ گئی۔ وہ ایک انتہائی شریف اور مہذب انسان ہے۔ وہ اس رسم کے سخت خلاف ہے۔ اس نے اس لڑکی کو گھر میں پناہ دی اور ساتھ ہی اللہ بخش کو گھر کے پورے حالات لکھ دیئے۔ اس نے اللہ بخش کو لکھا ہے کہ وہ اس لڑکی کو لے جائے۔

وہاں اس کی کسی شریف آدمی سے شادی کرادے تاکہ یہ لڑکی باعزت زندگی گزار سکے۔ اب اللہ بخش آج سبزی کا ٹرک لے کر گیا ہے واپسی پر وہ کیلوں کا بھرا ٹرک لے کر آئے گا اس میں لڑکی کو چھپا کر لائے گا۔ جاتے جاتے اس نے مجھے یہ ساری تفصیل سنائی جو میں نے تم لوگوں سے کہہ دی ہے۔ تم چونکہ پریس چلے گئے تھے لہذا اتہاری غیر موجودگی میں، میں نے اپنے کوارٹروں کے سارے لوگوں کو جمع کیا، اس لڑکی کا معاملہ پیش کیا۔ اس مجبور کاری شدہ لڑکی کو ہمیں اپنے پاس رکھنا چاہئے۔ اس سلسلے میں، میں نے جہاں آراء سے بھی بات کیا۔ سب لوگ اس پر آمادہ ہیں کہ اس لڑکی کو یہاں پناہ ملنی چاہئے۔ بیٹے! تم کہو تمہارا کیا خیال ہے؟“

یہ ساری دکھ بھری داستان سن کر طارق اداس اور افسردہ ہو گیا تھا۔ اس داستان کو سعدیہ اور خلیل پہلے ہی سن چکے تھے لہذا ان کے جذبات طارق سے مختلف تھے۔ سلطان جب خاموش ہوا تو طارق نے کہنا شروع کیا۔ ”انکل جی! مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں؟ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ میرے خیالات آپ لوگوں سے مختلف ہوتے ہوں۔ ایسی لڑکی کو یہاں پناہ دینا نہ صرف یہ کہ بری رسم کے خلاف جہاد کرنا ہے بلکہ یہ وطن پروری اور انسان دوستی کا مقام ہے۔ میں اس لڑکی کو یہاں خوش آمدید کہوں گا بلکہ رشتے میں اسے اپنی بہن کہہ کر

پکاروں گا۔ بولیں اب کیا کہتے ہیں۔“

سلطان کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس نے طارقؓ کو تھپتھپایا اور کہنے لگا۔ ”بچے! تم نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ اللہ بخش جب یہاں سے لڑکی کو لینے گیا تھا تو میں نے اس سے کہا تھا کہ لڑکی کو میرے پاس لانا وہ میرے کمرے میری بیٹی کی حیثیت سے رہے گی۔ جب کوئی مجھ سے پوچھے گا کہ یہ لڑکی کون ہے تو میں جاننے والوں سے کہوں گا کہ وہ میری بیٹی ہے۔“

اس کے ساتھ ہی سلطان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ ”آؤ سارے لوگ وی روم میں جمع ہو چکے ہیں۔ وہاں بیٹھ کر ٹی وی دیکھتے ہیں۔“

اس پر طارقؓ اٹھ کھڑا ہوا اور خلیل بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ خلیل اپنی ماں کی ویل چیئر پر ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ سب باہر آئے۔ میزھیوں کے قریب آکر طارقؓ نے اپنی کواپنی بیٹھ پر اٹھایا۔ پھر وہ حسب معمول ٹی وی روم میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگے تھے۔ کوا کے سب لوگ وہاں جمع تھے۔

☆

اس روز بارش خوب ہوئی تھی۔ بارش اور وہ بھی سرما کی۔ سردی اپنے زوروں پر آگئی تھی۔ ہر چیز ٹھنڈ کر رہ گئی تھی۔ سڑکیں جل تھل ہو گئی تھیں۔ نشیبی علاقے دریاؤں کا سا پیش کرنے لگے تھے۔ طارقؓ شام کے قریب کام سے فارغ ہو کر نکلا۔ بھائی گیٹ کے سامنے مچھلی کی دکان کے پاس ٹکڑ میں جو پان کی دکان تھی وہاں آن کھڑا ہوا۔ کسی بس، کسی وگن کا کوئی نشان نہ تھا۔ ٹیکسی رکشہ والے ہوٹلوں اور کیفوں میں بیٹھ کر چائے پینے لگے تھے۔ مچھلی کی دکان میں خوب رش ہو رہا تھا۔ وہ فٹ پاتھ پر کھڑا کپکپا رہا تھا۔ وگن کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا کہ ایک کار تیزی سے آئی اور اس کے قریب آن کھڑی ہوئی۔

طارقؓ دنگ رہ گیا۔ وہ طوبیٰ تھی۔ ہاتھ بڑھا کر طوبیٰ نے دروازہ کھولا پھر اندر بیٹھے ہی بیٹھے باہر جھانک کر اس نے طارقؓ کو مخاطب کیا۔ ”باہر کھڑے ہو کر سردی میں کپکپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آؤ بیٹھو اور چلیں۔“

طارقؓ آگے بڑھ کر کھلے دروازے کے قریب گیا اور طوبیٰ سے کہنے لگا۔ ”طوبیٰ تم جاؤ۔ میرے کپڑے بھیکے ہوئے ہیں۔ تمہاری کار کی سیٹیں خراب ہو جائیں گی۔ وگنیں ویسے کم آ رہی ہیں لیکن کوئی نہ کوئی مل جائے گی۔ میں چلا جاؤں گا۔“

طوبیٰ برس پڑنے کے انداز میں کہہ اٹھی۔ ”کار کی سیٹیں تم سے اچھی نہیں ہے۔ کار کی سیٹیں خراب ہوتی ہیں تو جہنم میں جائیں دھلوا لیں گے۔ تم جلدی سے اندر بیٹھو ورنہ نمونیہ ہو گا تو یاد رکھنا مصیبت بن جائے گی۔“

طارقؓ نے پھر روکھا سا جواب دیا۔ ”مصیبتیں تو پہلے ہی بنی ہوئی ہیں۔ تم جاؤ۔ تمہاری آنٹی بڑی کڑوی اور بڑی سخت قسم کی عورت ہے۔ اگر اس نے دیکھ لیا کہ تم مجھے لینے آئی ہو یا مجھے اپنی کار میں بٹھا کر گھر تک لے گئی ہو تو یاد رکھنا میری کم بختی تو پہلے ہی آئی ہوئی ہے ساتھ تمہاری مصیبتوں کی بھی ابتداء ہو جائے گی۔“

نشت پر بیٹھا اور دروازہ بند کیا۔ پھر طوبی کی طرف دیکھا۔ ”تم انتہائی ضدی اور ہٹ دھرم ہو۔ جب میں نے تمہیں کہا کہ تم چلی جاؤ میں ویگن سے آ جاؤں گا پھر تمہیں اتنی ضد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ دیکھو طوبی! میں ملازمت کرتا ہوں۔ گھر سے پولیس آنا، واپس گھر جانا میرا مسئلہ ہے۔ تم اسے اپنا مسئلہ بنانے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہارے گھر کے حالات اب کچھ سمجھنے لگا ہوں۔ تمہاری آنٹی انتہائی شکی اور بد مزاج عورت ہے۔ میں نہیں چاہتا تم اس کی لگاؤ میں گر جاؤ اور وہ تمہارے خلاف سختی سے کام لے۔“

طوبی پھر طارق کی طرف دیکھے بغیر کہنے لگی۔ ”میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میں آنٹی سے ڈرتی نہیں ہوں۔ ٹھیک ہے میرے ماں باپ مر چکے ہیں لیکن میری ایڈورٹائزنگ ایجنسی ہے۔ میری اپنی چھوٹی سی گارمنٹس کی فیکٹری ہے۔ اگر آنٹی نے زیادہ پھیلنے کی کوشش کی یا میرے اور تمہارے لئے مزید مسائل کھڑے کرنے کی کوشش کی تو پھر طارق! یاد رکھنا میں تمہاری پولیس کی ملازم چھڑوا دوں گی۔ تمہیں اپنی گارمنٹس فیکٹری میں رکھوں گی۔ پھر دیکھوں گی کہ کون اعتراض کرتا ہے۔“

طارق نے تیز لگا ہوں سے طوبی کی طرف دیکھا۔ ”میں جانتا ہوں کہ تم کرائے کی بیلٹ ہولڈر ہو میں تو ایسا نہیں ہو۔ تم اپنا دفاع کر لو گی مجھ پر اگر تمہاری آنٹی نے دو چار آدمیوں سے بلے بٹوایا تو یاد رکھنا میری ہڈیاں چکنا چور کر دے گی۔“

کار چلاتے چلاتے گھورنے کے انداز میں طوبی نے طارق کی طرف دیکھا۔ ”ایسی مایوسی کی باتیں نہیں کرتے۔ جو آپ پر ہاتھ اٹھائے گا یاد رکھنا طوبی! اس کا ہاتھ کاٹ دے گی۔ میں نے آپ کو لاوارث نہیں چھوڑ رکھا۔ یاد رکھئے گا میں اپنی اور آپ کی حفاظت خوب کر سکتی ہوں۔ فیروز پور روڈ پر جاتے ہوئے طوبی نے ایک نیلرنگ ہاؤس کے سامنے اپنی گاڑی روک دی تھی۔ بارش ویسے بھی زوروں پر تھی۔ سڑکوں پر پانی بہہ رہا تھا۔ گاڑی کھڑی کرنے کے بعد طوبی نیچے اتری اور کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے طارق سے کہنے لگی۔ ”طارق! پلیز تھوڑی دیر روکو۔ میں نے کچھ کپڑے سلانے کے لئے دیئے ہوئے ہیں۔ وہ لے لوں پھر چلتے ہیں۔“

طارق منہ سے کچھ نہ بولا۔ اثبات میں گردن ہلا دی۔ طوبی مڑی اور بھاگتی ہوئی نیلرنگ ہاؤس میں داخل ہوئی۔ کچھ دیر اندر رہی۔ پھر کپڑوں کے تین پیکٹ دونوں ہاتھوں میں لئے

طوبی نے اس بار اپنی آواز میں سختی پیدا کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”میں کسی کی غلامی ہوں؟ میں کسی سے ڈرتی ہوں نہ خوف زدہ ہوں۔ خود کمائی کھاتی ہوں۔ اگر کسی نے مجھ پر عب ڈالنے یا کسی نے اپنا حکم چلانے کی کوشش کی تو یاد رکھنا میں بغاوت بھی کر سکتی ہوں۔ مجھے کار سے نکلنے پر مجبور نہ کریں چپ چاپ اندر آکر بیٹھیں اور چلیں۔“

طارق پھر بھی اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ ”طوبی! تم جاؤ۔ ضد نہ کرو۔ دیکھو یہ میرا روز مرہ کا کام ہے۔ آج بارش ہے۔ سردی ہے۔ ویگن نہیں مل رہی تو تم مجھے لے جاؤ گی کل پھر کوئی ایسا موقع آگیا تب بھی تو مجھے گھر جانا ہی ہے۔ پھر کون لے جائے گا؟“

اسٹیرنگ والی سیٹ چھوڑ کر طوبی دوسری سیٹ پر آئی اور باہر جھانکتے ہوئے سختی سے بولی۔ ”اچھے بچے اس طرح فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر ضد نہیں کرتے۔ جیسے میں کہہ رہی ہوں ویسا کریں۔ میں کوشش کروں گی کہ تمہیں یہاں سے روز پک کر لیا کروں اور گھر تک پہنچاؤں۔“

طارق نے اسے تیز لگا ہوں سے دیکھا۔ ”تمہیں مجھے پک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب مجھے یہاں سے جانے کے لئے آسانی سے ویگن مل جاتی ہے پھر تمہیں آنے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہیں آج بھی یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ یاد رکھنا آج نہیں تو کل تمہاری آنٹی کو خبر ہو جائے گی کہ تم مجھ میں دلچسپی لیتی ہو۔ اگر ایسا ہو تو یاد رکھنا اس کا عتاب ہم دونوں پر نازل ہو کر رہے گا۔“

طوبی نے پاؤں باہر نکال لئے اور کہنے لگی۔ ”اندر آتے ہیں کہ نہیں ورنہ میں باہر آنے لگی ہوں۔ جب میں بازو سے پکڑ کر کھینچ کر آپ کو کار میں بٹھاؤں گی تو یہاں ارد گرد کھڑے سارے لوگ تماشا دیکھیں گے۔ میرے خیال میں پھر آپ اچھے رہیں گے۔ آنٹی کوئی ہوا با کوئی بلا نہیں ہے جو میں ڈر جاؤں گی۔ میں پہلے ہی تپتی بیٹھی ہوں آپ کو اس نے بے عزت کر کے ہسپتال سے نکالا ہے۔ اب اگر اس نے ایسی حرکت کی تو اسے جواب ترکی بہ ترکی ملے گا۔ دیکھو! میں زیادہ دیر انتظار نہیں کروں گی۔ اب اگر تم اندر آ کے نہ بیٹھے تو میں باہر آنے لگی ہوں۔ پھر جو دونوں کے درمیان دھینگا مشتی ہو گی وہ سارے لوگ دیکھیں گے۔“

طارق نے جب دیکھا کہ بات بڑھ رہی ہے تو آگے بڑھا۔ طوبی نے محسوس کیا کہ ”گاڑی میں بیٹھنے لگا ہے لہذا وہ تھوڑا پیچھے ہٹی اور اسٹیرنگ پر بیٹھ گئی۔ طارق آگے بڑھ کر

باہر آئی۔ ہاتھ بڑھا کر طارق نے دروازہ کھولا۔ سارے پکٹ طوبی نے پچھلی نشست پر پھینکے پھر اسٹیرنگ پر بیٹھی۔ گاڑی اس نے دوبارہ اسٹارٹ کر دی تھی۔

پاکستان کو اتر تک دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ گاڑی احاطے میں داخل ہوئی۔ ایک کونے میں گاڑی کو طوبی نے پارک کیا۔ سورج غروب ہو گیا تھا۔ تاریکیاں پھیلنے لگی تھیں۔ طارق ابھی نیچے نہیں اتر تھا۔ اسٹیرنگ پر بیٹھے ہی بیٹھے طوبی نے اسے مخاطب کیا۔ ”آپ اندازہ لگا رہے ہوں گے کہ میں آپ کو چھوڑ کر چلی جاؤں گی اور صرف آپ کو ڈراپ کروں گی۔ ہر گز نہیں۔ میں تھوڑی دیر تک یہاں رکوں گی۔ اگر آپ اعتراض کریں گے تب بھی رکوں گی۔ کھانا بھی آپ لوگوں کے ساتھ کھاؤں گی۔ اس کے بعد چلی جاؤں گی۔“

طارق نے تیز نگاہوں سے اسے گھورا۔ ”کھانا بے شک ہمارے ساتھ کھاؤ پر دیر ہو جائے گی۔ رات گہری ہو جائے گی۔ اکیلی کیسے جاؤ گی؟“

”مجھے جنگل میں سفر تو نہیں کرنا کہ اکیلی جاؤں گی تو مجھے کوئی پھاڑ کھائے گا۔ آپ میرے اکیلے پن کی کوئی فکر نہ کریں۔ پچھلی نشست پر جو کپڑوں کے پکٹ رکھے ہیں وہ بھی باہر نکالیں۔“

طارق کو پہلے ہی کچھ شک ہو رہا تھا۔ ان الفاظ پر اس نے کھا جانے کے انداز میں طوبی کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔ ”طوبی زیادہ پھیلنے اور زیادہ پھرنے کی کوشش مت کرو۔ جس حد تک تم میرے لئے میری ماں اور بھائی کے لئے کر رہی ہو اتنا ہی کافی ہے۔ آگے مت بڑھنا۔ یہ جو کپڑے پچھلی نشست پر رکھے ہیں یہ کس کے ہیں؟“

”آپ کو اعتراض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا میں کہہ رہی ہوں ویسا ہی کریں۔ بس اس کے آگے میں مزید کچھ نہیں سنوں گی۔“

طارق دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ ”چلو اترو! اندر چلیں۔ کپڑے پچھلی نشست پر ہی رہنے دو۔ جہاں لے جانے ہیں لے جانا۔ اترو!“

اس کے ساتھ ہی طارق باہر نکل کر کار کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔ طوبی بھی اتری۔ دروازہ اس نے بند کیا۔ پھر پچھلا دروازہ کھولا۔ کپڑوں کے سارے بٹڈل اس نے خود اٹھائے اور احتجاجی انداز میں طارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”چلو!“

پھر اس کے پہلو پہ پہلو چلنے لگی۔ دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔ اندر سعدیہ اور خلیل بیٹھے ہوئے تھے۔ طارق آگے بڑھ کر اپنی ماں کے پاس بیٹھ گیا اور اس کا حال پوچھنے لگا۔ طوبی بھی چپ چاپ آگے بڑھی۔ ہاتھ میں پکڑے کپڑوں کے بٹڈل اس نے ایک کرسی پر رکھ دیئے۔ پھر ایک خالی کرسی گھسیٹ کر سعدیہ کے قریب ہو بیٹھی۔ سعدیہ نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا پھر اسے مخاطب کیا۔ ”بہن تو کیسی ہے؟ تیری بڑی مہربانی کہ تو میرے بیٹے کا اس قدر خیال رکھتی ہے۔ لگتا ہے تو اسے پریس سے لے کر آرہی ہے جہاں یہ کام کرتا ہے۔“

طوبی سعدیہ کی اس گفتگو کا جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ طارق پہلے ہی بول پڑا۔ ”اماں! میں نے اس کو برا منع کیا ہے لیکن یہ باز نہیں آتی۔ میں نے اسے سمجھایا ہے کہ تیرا یوں مجھے اپنی کار میں بٹھا کے لانا اچھا نہیں ہے۔“

طارق کو خاموش ہو جانا پڑا اس لئے کہ سعدیہ نے گھور کے اس کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگی۔ ”کیوں نہیں اچھا لگتا؟ بیٹا! جب تو اس کے ساتھ پڑھتا تھا تب بھی تجھے ساتھ لے کر جایا کرتی تھی اس وقت تو، تو کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا۔“

طارق نے اس موقع پر کھا جانے والے انداز میں طوبی کی طرف دیکھا۔ پھر نگاہیں جھکائیں اور اپنی ماں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”اماں! آپ سمجھتی نہیں ہیں۔ اس وقت بات اور تھی۔ اب معاملہ کچھ اور ہے۔ آپ اس کی آٹنی کو نہیں جانتیں۔ بڑی کھیری، بڑی غضب ناک اور بڑی انتقامی عورت ہے۔ ہم اس کی دشمنی اس کی غضب ناک مول نہیں لے سکتے۔ ماں! میں نے اسے بہت سمجھایا لیکن یہ سمجھتی نہیں ہے۔ زبردستی مجھے اپنے ساتھ بٹھا کر لے آئی ہے۔ اگر میں نہ بیٹھتا تو یہ کار سے نکل کر فٹ پاتھ پر آتی اور وہاں کھڑے سارے لوگوں میں خود بھی تماشائی بنتی اور مجھے بھی تماشائی بناتی۔ لہذا میں خاموشی سے اس کے ساتھ بیٹھ کر آگیا ہوں۔ اسے سمجھاؤ ماں! اب ہم سکول اور کالج کی عمر میں نہیں ہے۔ آج تو چلوں اس کے ساتھ آگیا ہوں۔ کل کلیان اس کی آٹنی یا کسی عزیز نے اس طرح دیکھ لیا تو کیا وہ اس پر خفگی اور ناراضگی کا اظہار نہیں کریں گے؟“

سعدیہ منہ سے تو کچھ نہ بولی۔ بیچاری جواب طلب سے انداز میں طوبی کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ طوبی جھٹ سے بول پڑی۔ ”اماں! اس کی باتوں میں مت آنا۔ یہ ہمیشہ اسی قسم کی

دبیل یا تمہارے ماتحت ہیں؟“

سعد یہ دھیرے دھیرے مسکرا دی تھی۔ ”کیوں آپس میں لڑتے اور جھگڑتے ہو۔ معاملے کو مل جل کر طے کر لو۔“

طارق نے اس بار سعد یہ کی طرف دیکھا۔ ”اماں! یہ کیڑے ہم لینے اور رکھنے کے لئے تیار ہیں پر ہماری ایک شرط ہے۔“

طوبی نے پر امید انداز میں طارق کی طرف دیکھا۔ ”کیسی شرط؟“

ایک گہری نگاہ طارق نے طوبی کے چہرے پر ڈالی پھر بول اٹھا۔ ”شرط یہ ہے کہ یہ جو چھ سوٹ تم نے تین بندلوں کے اندر رکھے ہوئے ہیں ان کے کپڑوں کی قیمتیں اور سلائی جو تم نے دی ہے جمع کرو۔ کل رقم جو بنتی ہے ہم تمہیں ادا کر دیں گے پھر ہم کپڑے رکھ لیں گے۔“

طوبی برس پڑی۔ ”نہیں لیتی میں پیسے۔ نہ کوئی تمہاری شرط ماننے کے لئے تیار ہوں۔“

طارق نے اس بار دھیمی آواز میں جواب دیا۔ ”تو پھر ہم بھی نہیں لیتے۔ اٹھاؤ۔ لے جاؤ یہ کیا ہے؟“

طوبی نور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کپڑوں کے بندل اٹھا کر اس نے سعد یہ کی دیا۔

چیر کے پاس جو چار پائی رکھی تھی اس پر ڈال دیئے پھر سعد یہ کو اس نے مخاطب کیا۔ ”اماں! آپ برائے ماننا۔ بس کئی دن سے میرا دل چاہ رہا تھا کہ آپ کے لئے کچھ بناؤ۔ یہ تین بندل ہیں۔ دو سوٹ آپ کے ہیں دو خلیل کے اور دو طارق کے۔ اماں اگر اس کام میں میرا خوشی، میرا سکون ہے تو طارق مجھے ایسا کرنے سے کیوں منع کرتا ہے؟“

طارق نے گھور کر طوبی کی طرف دیکھا۔ ”اس لئے منع کر رہا ہوں کہ جو کچھ تم کر رہی ہو یہ بالکل غلط اور بے جا ہے۔“

طوبی نے بھی خفگی کے انداز میں طارق کو آنکھیں دکھائیں۔ ”نہ غلط ہے، نہ بے جا۔ بس اس میں میری خوشی ہے۔ تم بچ میں نہیں بولو گے۔“

اپنی جگہ سے اٹھ کر طارق سعد یہ کے پاس آ بیٹھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

بڑے پیار سے کہنے لگا۔ ”اماں! سارے کپڑے اسے واپس کر دیں۔ یہ خود ہی پہنتی رہے۔ نہیں لیں گے۔“

طوبی نے بھی خفگی کے انداز میں طارق کو آنکھیں دکھائیں۔ ”نہ غلط ہے، نہ بے جا۔ بس اس میں میری خوشی ہے۔ تم بچ میں نہیں بولو گے۔“

اپنی جگہ سے اٹھ کر طارق سعد یہ کے پاس آ بیٹھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

بڑے پیار سے کہنے لگا۔ ”اماں! سارے کپڑے اسے واپس کر دیں۔ یہ خود ہی پہنتی رہے۔ نہیں لیں گے۔“

طوبی نے بھی خفگی کے انداز میں طارق کو آنکھیں دکھائیں۔ ”نہ غلط ہے، نہ بے جا۔ بس اس میں میری خوشی ہے۔ تم بچ میں نہیں بولو گے۔“

اپنی جگہ سے اٹھ کر طارق سعد یہ کے پاس آ بیٹھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

بڑے پیار سے کہنے لگا۔ ”اماں! سارے کپڑے اسے واپس کر دیں۔ یہ خود ہی پہنتی رہے۔ نہیں لیں گے۔“

طوبی نے بھی خفگی کے انداز میں طارق کو آنکھیں دکھائیں۔ ”نہ غلط ہے، نہ بے جا۔ بس اس میں میری خوشی ہے۔ تم بچ میں نہیں بولو گے۔“

اپنی جگہ سے اٹھ کر طارق سعد یہ کے پاس آ بیٹھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

بڑے پیار سے کہنے لگا۔ ”اماں! سارے کپڑے اسے واپس کر دیں۔ یہ خود ہی پہنتی رہے۔ نہیں لیں گے۔“

گفتگو کرتا ہے۔ جہاں تک میری آنٹی کے کپھری اور غضب ناک ہونے کا تعلق ہے تو

ہوتی رہے۔ میں کیا کروں۔ میں اس کے ہاں رہتی ضرور ہوں۔ اگر اس نے مجھے زیادہ تر

کیا تو میں اپنی دادی کی کوٹھی میں منتقل ہو جاؤں گی۔ وہاں میرا حق بنتا ہے۔ جہاں تک طارق

کا یہ کہنا ہے کہ اگر کسی نے ہم دونوں کے ملنے پر اعتراض کیا تو کیا بنے گا تو آنٹی میں اس

کوئی اہمیت نہیں دیتی۔ انکل رحمان کو آپ جانتی ہیں کہ میرے ساتھ بھی یہاں آتے رہے

ہیں۔ انہوں نے مجھے اجازت دے رکھی ہے کہ ان کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ باقی رہے

انکل کے بیٹے بیلیاں ان کی کیا اہمیت ہے۔ اماں! میں خود کفیل ہوں۔ اپنا برابر بھلا سمجھتی ہوں۔

میں کوئی غلط قدم تو نہیں اٹھا رہی۔“

طارق نے اس بار انتہائی خفگی میں طوبی کی طرف دیکھا۔ ”غلط قدم نہیں اٹھا رہی تو

کام بھی نہیں کر رہی۔ یہ جو تم نے سامنے والی کرسی پر کپڑوں کے بندلوں کے ڈھیر لگا رکھے

ہیں یہ کیا ہے؟“

طوبی نور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کپڑوں کے بندل اٹھا کر اس نے سعد یہ کی دیا۔

چیر کے پاس جو چار پائی رکھی تھی اس پر ڈال دیئے پھر سعد یہ کو اس نے مخاطب کیا۔ ”اماں! آپ برائے ماننا۔ بس کئی دن سے میرا دل چاہ رہا تھا کہ آپ کے لئے کچھ بناؤ۔ یہ تین بندل ہیں۔ دو سوٹ آپ کے ہیں دو خلیل کے اور دو طارق کے۔ اماں اگر اس کام میں میرا

خوشی، میرا سکون ہے تو طارق مجھے ایسا کرنے سے کیوں منع کرتا ہے؟“

طارق نے گھور کر طوبی کی طرف دیکھا۔ ”اس لئے منع کر رہا ہوں کہ جو کچھ تم کر رہی

ہو یہ بالکل غلط اور بے جا ہے۔“

طوبی نے بھی خفگی کے انداز میں طارق کو آنکھیں دکھائیں۔ ”نہ غلط ہے، نہ بے جا۔ بس اس میں میری خوشی ہے۔ تم بچ میں نہیں بولو گے۔“

اپنی جگہ سے اٹھ کر طارق سعد یہ کے پاس آ بیٹھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

بڑے پیار سے کہنے لگا۔ ”اماں! سارے کپڑے اسے واپس کر دیں۔ یہ خود ہی پہنتی رہے۔ نہیں لیں گے۔“

طوبی نے بھی خفگی کے انداز میں طارق کو آنکھیں دکھائیں۔ ”نہ غلط ہے، نہ بے جا۔ بس اس میں میری خوشی ہے۔ تم بچ میں نہیں بولو گے۔“

اپنی جگہ سے اٹھ کر طارق سعد یہ کے پاس آ بیٹھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

بڑے پیار سے کہنے لگا۔ ”اماں! سارے کپڑے اسے واپس کر دیں۔ یہ خود ہی پہنتی رہے۔ نہیں لیں گے۔“

طوبی نے بھی خفگی کے انداز میں طارق کو آنکھیں دکھائیں۔ ”نہ غلط ہے، نہ بے جا۔ بس اس میں میری خوشی ہے۔ تم بچ میں نہیں بولو گے۔“

اپنی جگہ سے اٹھ کر طارق سعد یہ کے پاس آ بیٹھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

بڑے پیار سے کہنے لگا۔ ”اماں! سارے کپڑے اسے واپس کر دیں۔ یہ خود ہی پہنتی رہے۔ نہیں لیں گے۔“

بھی اداس سی آواز اس کمرے میں گونج گئی تھی۔ ”طارق بھائی! اس دنیا میں انسان بھی پرندوں کی طرح مسافر ہے لیکن اپنے چہرے پر معنویت کے خول چڑھا کر۔ دوسروں کی حق تلفی اس دنیا کے بحر و بر، شہر و نگر میں ہم جیسے بے دیار، بے نور لوگوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔“ یہاں تک کہتے کہتے تحریم کی آواز رندہ سی گئی۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر کہتی چلی گئی۔ ”اس دھرتی پر بستیاں مٹی رہتی ہیں، آبادیاں جلتی ہیں، ہر سونفروں کی آگ بھڑکتی ہے لیکن قسمتوں کے حروف دان اور وقت کے تاریخ دان خاموش رہ کر لوگوں کی بے بسی کا تماشا دیکھتے ہیں۔ آگے بڑھ کر کوئی کراہتے کوجان کی درخشندگی اور بجھتی شمع کو جان کی تابندگی نہیں دیتا۔ میرے جیسی ان گنت لڑکیاں بے آبرو ہو کر بے نام لحد میں اتر گئی ہوں گی، میرے جیسی بہت سی لڑکیاں معاشرے کی بد نیتیوں کا شکار ہو کر مجبوری کی چادر اوڑھے موت کی اندھی چاپ کی شکار ہو گئیں۔ بھائی میرے! آپ جانتے ہیں کہ میں ایک بے آبرو لڑکی ہوں۔۔۔۔۔“

تحریم پھر خاموش ہو گئی تھی۔ اس کی آواز ڈوب گئی تھی۔ کچھ دیر تک خاموش رہ کر اپنے آپ کو سنبھالا پھر بولی۔ ”طارق بھائی! جس وقت مجھے بے آبرو کیا گیا اس وقت میرے اہل خانہ کا بھی خاتمہ کر دیا گیا تو میرے سامنے کسی سمت کا کوئی تعین نہیں تھا۔ زندگی کے راستوں کا کوئی تعین میرے سامنے نہ رہا تھا۔ میری بقائے جاں کے لئے کوئی کف دوستی نہ تھا۔ ہمدی کا کوئی ساتھی نہ تھا۔ کہیں لوگ پتھروں کے خود ساختہ بھگوان بن کر ہمدی کا اظہار کرنے کے لئے آئے لیکن میں ان کے چہروں پر گندی خواہشوں کے اثرات نمایاں دیکھ سکتی تھی۔ ہر کسی نے مجھے ڈسنا چاہا۔ اللہ بخش کے باپ کی بڑی مہربانی کہ اس نے مجھے اپنے ہاں پناہ دی۔ میں نے وہاں رہتے ہوئے کئی بار خودکشی کر کے اپنے آپ کو ختم کرنا چاہا پر لگتا ہے ابھی میرے مقدر، میری قسمت میں بڑے دھکے اور دشواریاں لکھی ہوئی ہیں۔ جس وقت بھائی اللہ بخش مجھے لے کر چلا تھا میں سوچتی تھی نہ جانے یہ مجھے کہاں لے جائے گا؟ جن لوگوں میں رکھے گا، وہ میرے ساتھ کیسا سلوک کریں گے۔ لیکن یہاں آکر پتہ چلا کہ میں ایک جہنم اور دوزخ سے نکل کر اپنوں کی ہمدردی اور محبت کی جنت میں آن بیٹھی ہوں۔ یہاں کے لوگوں نے جس طرح میرا استقبال کیا ہے، جس طرح مجھ سے ہمدردی، جس طرح مجھ سے اپنائیت کا اظہار کیا ہے اس کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں اپنے

پورے حالات اسے سنا چکا ہوں۔ زبانی تمہارا بھی اسے تعارف کروا دیا تھا۔ عمارت سے سب لوگوں سے مل چکی ہے اور سب نے اس کی پذیرائی کی ہے۔ یہاں آنے کے بعد وہ خوف زدہ اور ڈری ڈری، سبھی سبھی سی تھی لیکن اب قدرے اس نے حوصلہ پکڑا ہے۔ خوش ہوں مجھے ایک پل پائی بنی مل گئی ہے۔ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میرے دو کمروں پر سے ایک میں وہ رہے گی دوسرا باورچی خانے کے طور پر استعمال ہو گا۔ اللہ بخش کے پاس کمرے ہیں۔ ایک میں وہ رات کو سو رہا کریں گے ایک میں، میں پڑ رہا کروں گا اس طرح بس ہو جایا کرے گی۔ جاؤ! میرے کمرے میں جا کر اس سے مل لو اور اسے کچھ حوصلہ دے۔ تسلی دو تمہارے متعلق اس کو میں نے تفصیل سے بتایا ہے۔ تمہارے جانے کے بعد میں اپنی طوبیٰ کو بھی ساری بات تفصیل سے بتاتا ہوں۔“

طارق اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے سے نکل گیا تھا۔

جب وہ سلطان کے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ تحریم کمرے کے وسط میں ایک میز کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ طارق کمرے میں داخل ہوا تو وہ بچپانہ خوف زدہ اور تقریباً بوکھلاتی ہوئی اپنی جگہ کھڑی ہو گئی تھی۔ طارق مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور اسے مخاطب کیا۔ ”میری بہن! تمہیں خوف زدہ ہونے، ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا نام طارق ہے۔ میں ابھی ابھی کام سے لوٹا ہوں۔ یقیناً انکل سلطان غائبانہ طور پر میرا تعارف کرادیا ہو گا۔“

تحریم نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ بھی بکھر گئی۔ ہاتھ اشارے سے طارق کو اس نے بیٹھنے کے لئے کہا پھر خود بھی بیٹھ گئی۔ طارق آگے بڑھا کر کرسی گھسیٹ کر اس پر بیٹھا پھر تحریم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”سن میری بہن! یہاں آنے کے بعد نہ خوف زدہ ہونا اور نہ ڈرنا، نہ اپنے آپ کو اکیلا اور تنہا خیال کرنا۔ یوں جانور عمارت کے سارے مکین تمہارے اپنے خاندان کے افراد ہیں۔ مجھے اپنا بڑا بھائی خیال کرنا گو ہم لوگ محنت کش ہیں لیکن خداوند قدوس نے چاہا تو تمہیں غیریت محسوس نہیں ہو دیں گے۔ اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو کرے تو بلا جھجک مجھے کہہ دیا کرنا۔ ایسے ہی ایک بہن اپنے بڑے بھائی سے کہتی ہے۔“

تحریم تھوڑی دیر تک بڑی ممنونیت سے طارق کی طرف دیکھتی رہی پھر اس کی

”میری بہن! آپ نے مجھے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ آپ کون ہیں؟ اس چار دیواری کے رہنے والے سبھی لوگوں سے مل چکی ہوں۔ باقی صرف طارق بھائی رہتے تھے ان کا تفصیل کے ساتھ سلطان صاحب نے ذکر کیا تھا ان سے بھی بات ہو گئی۔ آپ نے اپنا نام طوبی بتایا ہے آپ اپنے متعلق تفصیل سے نہ بتائیں گی؟“

طوبی کی بجائے طارق بول پڑا۔ ”تحریم میری بہن! میں بتاتا ہوں کہ یہ کون ہے۔ اس کا نام طوبی ہے۔ میری کلاس فیلو ہے۔ کبھی کبھی مجھ سے ملنے آ جاتی ہے۔ بس اس سے زیادہ اس کا کوئی تعارف نہیں ہے۔“

طوبی نے گھورتے ہوئے طارق کی طرف دیکھا۔ پھر تحریم کو مخاطب کیا۔ ”یہ پورا نہیں ادھر تعارف ہے۔ میں طارق کی کلاس فیلو ضرور ہوں۔ کبھی کبھی میں اسے ملنے بھی آتی ہوں لیکن اس کے علاوہ بھی ہم دونوں کے درمیان ایک ربط، ایک رشتہ ہے۔“

تحریم نے تیز نگاہوں سے باری باری طوبی اور طارق کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔ ”ہاں! میں اس ربط اور تعلق کو تھوڑا تھوڑا سمجھ گئی ہوں۔“

پھر اچانک طوبی نے تحریم کا بازو پکڑ لیا اور اسے اٹھاتے ہوئے کہنے لگی۔ ”چلو میرے ساتھ۔ وہاں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔“

تحریم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی پھر کہنے لگی۔ ”طوبی میری بہن! میں آپ کے ساتھ چلی جاتی ہوں لیکن کھانا تو کھا چکی ہوں۔ کھانا میں نے انکل سلطان، بھائی اللہ بخش اور بھائی خان کے ساتھ کھایا تھا۔“

طوبی نے اسے دروازے کی طرف کھینچا۔ ”اچھا تم میرے ساتھ چلو وہاں اکٹھے بیٹھتے ہیں۔“

تحریم چپ چاپ طوبی کے ساتھ ہوئی۔ ”طارق بھی ان کے پیچھے چل دیا۔ دونوں اندر داخل ہوئیں تو طارق بھی ان کے پیچھے پیچھے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے طارق نے اپنی ماں سعدیہ کو مخاطب کیا۔ ”اماں! خلیل کہاں گیا ہے؟“

سعدیہ نے عجیب سے انداز میں طوبی کی طرف دیکھا۔ سلطان بھی مسکرا رہا تھا۔ پھر طوبی خود ہی بول پڑی۔ ”آپ کو خلیل سے متعلق پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اسے ایک کام سے بھیجا ہے۔ ابھی آ جاتا ہے۔“

جذبات کا اظہار کر سکوں۔“

تحریم کی اس گفتگو سے طارق کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئی تھیں۔ تھوڑی دیر تک وہ ضبط کرتا رہا۔ پھر بول اٹھا۔ ”پیاری بہن! ایک بات اپنے دل پہ لکھ رکھنا ہم تمہارے ہونٹوں کی شبنم کو خشک نہ ہونے دیں گے۔ تمہاری آنکھوں کی جوت کو اندھیروں میں نہ ڈوبنے دیں گے۔ تمہارے سینے کی ٹھنڈک کو آگ اور تمہاری روح کو روگ کا شکار نہیں ہونے دیں گے۔ امید ہے کہ تم یہاں کے لوگوں میں رہتے ہوئے ایسا محسوس کرو گی جیسے کسی نے تمہیں خوشیوں کی پھلوری میں لا ڈالا ہو۔ سن میری بہن! میری نگاہوں میں تو بے آبرو نہیں پاکیزہ اور ایک باعصمت و عفت شعار بہن ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے طارق کو رک جانا پڑا اس لئے کہ عین اسی لمحہ کمرے میں طوبی داخل ہوئی تھی اور تحریم کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”میری عزیز بہن! پتھروں کے اس نگر میں جو تمہارے ساتھ بدترین سلوک کیا گیا ہے، اس معاشرے کے گندے لوگوں نے جو تمہیں باتوں کی رسوائیوں، طعنوں کی پرچھائیوں اور مایوسی کی گہرائیوں کا شکار کیا ہے تو میری بہن تم ان سارے واقعات کو بیٹے لحوں کی تلخیاں سمجھ کر بھول جانا۔ ان آنے والی ساعتوں کی خوشیوں کے انتظار میں خوش و خرم رہنا۔ میرا نام طوبی ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ یہاں کے لوگ تمہاری شاموں کو غمناکی اور تمہاری روح کو ویرانیوں کا اثاثہ نہ بننے دیں گے۔ میری بہن! ایسا بھی ہوتا ہے کہ چیختے لحوں کے اندر کبھی کبھی تیز آندھیوں کے جھکڑ چل پڑتے ہیں لیکن برداشت کرنا پڑتا ہے۔ تمہارے ساتھ جو بیٹی اسے بھی معاشرے کی ایک آندھی سمجھنا۔ معاشرے کے جن اوباشوں نے تمہیں بے آبرو کیا ان کے ناموں پر تھوک دو۔ انہوں نے ایسا کر کے اپنے آپ کو ہلکا کیا ہے لیکن تمہاری ذات کو غیر معتبر نہیں کر سکے۔ سن میری عزیز بہن! آندھیاں جب چلتی ہیں تو کھلیانوں کے تنکے اڑی جاتے ہیں۔ بھاری اناج اپنی جگہ پڑا رہ جاتا ہے۔ معاشرے کے گندے افراد نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس سے ان کی بددیانتی اور اوباشی ظاہر ہوتی ہے اور اسی کے اندر تمہاری شرافت، تمہاری عزت شعاری نپکتی ہے۔“

طوبی کی اس گفتگو سے تحریم رو پڑی تھی۔ طوبی آگے بڑھی۔ اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور اسے ڈھارس دینے لگی۔ تھوڑی دیر تک تحریم سنبھل گئی پھر طوبی کو اس نے مخاطب کیا۔

طارق نے بری طرح طوبی کو گھورا۔ ”طوبی! تم اپنی حد سے باہر نکل رہی ہو۔ اماں! یہ کوئی زیادہ پر پزے نہیں نکالے لگی؟“

طوبی جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ عین اس موقع پر خلیل کمرے میں داخل ہوا کے پاس پلاسٹک کے شاپر میں کچھ تھا جسے اس نے طوبی کو تھما دیا تھا۔ خلیل کو لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد طوبی دونوں کمروں کے درمیان دروازے پر نمودار ہوئی پھر طارق کو اس نے اپنی طرف بلایا۔ طارق اپنی جگہ سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا تین پلیٹوں کے اندر بڑے کرے ساتھ طوبی نے فرائی فش لگا رکھی تھی۔ سلاڈ سے بھری دو پلیٹیں بھی ساتھ رکھی تھیں۔ طارق اس کمرے میں داخل ہوا تو منت کرنے کے انداز میں طوبی بول پڑی۔ ”طارق! میں جو اہتمام کر رہی ہوں اس پر کوئی اعتراض نہ کرنا۔ خلیل بیچارہ ڈر رہا تھا کہ میں پلیٹیں کر ساتھ والے کمرے میں نہیں جاؤں گا بھائی ناراض ہوں گے۔ دیکھو ابھی تک وہ کمرے میں دبکا کھڑا ہے۔“

طارق نے خلیل کی طرف دیکھا۔ وہ کمرے کے کونے میں واقعی دبکا کھڑا تھا اور نگاہوں سے طارق کی طرف دیکھ رہا تھا۔ طوبی کو نہ جانے کیا سوچھی۔ بالکل طارق سامنے آئی۔ اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑے اور کہنے لگی۔ ”طارق! تمہارے میں اگر میری تھوڑی سی بھی عزت اور وقار ہے تو جو کچھ میں کر رہی ہوں اس پر خاموش رہنا کوئی اعتراض نہ کرنا۔ اب ایسا کر دو دوسرے کمرے میں جو میز پڑا ہے اس کو اٹھا کے کی ویل چیئر کے سامنے رکھ دو۔ میں اس پر رتن جھاتی ہوں۔“

طارق اپنی جگہ سے حرکت کرنے ہی لگا تھا کہ کونے میں کھڑا خلیل فوراً بول پڑا۔ ”میں خود میز لگاتا ہوں۔ بھائی! آپ جا کے سلطان صاحب کے پاس بیٹھیں۔“

طارق باہر نکل گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے خلیل بھی دوسرے کمرے میں گیا اور میز سب کے درمیان میں رکھ دی تھی۔ پھر طوبی نمودار ہوئی۔ مچھلی اور سلاڈ کی پلیٹیں اس میز پر رکھ دیں۔ ساتھ ہی اس نے سوالیہ سے انداز میں خلیل کی طرف دیکھا۔ دوسرے کمرے میں گیا اور دو پلیٹیں جن میں روٹیاں رکھی ہوئی تھیں اٹھالایا اور میز پر دیں۔ پھر خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد طوبی کے کہنے پر سب کھانا کھانے لگے تھے۔

سعدیہ، طارق، خلیل، طوبی نے تو کھانا کھایا جب کہ سلطان اور تحریم نے صرف مچھلی لی۔ تھوڑی دیر تک وہ وہاں بیٹھے رہے پھر اٹھ کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد اچانک طوبی کے موبائل پر رنگ بجی۔ اس نے موبائل کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے ڈاکٹر رحمان کی آواز سنائی دی۔ طوبی میری بیٹی! کہاں ہو؟“

طوبی مسکرا دی۔ ”انکل! میں اس وقت طارق کے ہاں ہوں۔ بس ابھی ابھی کھانا کھایا اور فارغ ہوئے ہیں۔“

دوسری طرف سے رحمان کی مسکراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”بیٹی! ذرا طارق سے میری بات کراؤ۔“

طوبی نے موبائل طارق کی طرف بڑھا دیا۔ ”انکل! رحمان تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔“

طارق نے موبائل لے لیا۔ السلام علیکم کہا اور دوسری طرف سے ڈاکٹر رحمان کی آواز سنائی دی۔ ”طارق بیٹی! کیسے ہو؟ جب تم نے میرا ہسپتال جوائن کیا تو میں بڑا مطمئن تھا لیکن میری بیوی کے سلوک نے یہ سارا معاملہ خراب کر دیا ہے۔ بیٹی! کبھی کبھی ہسپتال کا چکر لگا لیا کرنا۔ ہمارے لئے اجنبی تو نہ بن جانا۔ تمہاری پریس کی سروس کیسی جارہی ہے؟“

طارق کے چہرے پر بھی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”انکل! پریس کے مالک میرے پرانے جاننے والے ہیں۔ کام اچھا جارہا ہے۔ بس گھر کا چوبہا گرم ہو جاتا ہے۔ ہمارے لئے یہی کافی ہے۔“

”بیٹی! تم ایک بات یاد رکھنا۔ جب بھی موقع ملے ہسپتال آکر مل لیا کرو۔ اگر تم نہ آئے تو پھر مجھے خود تمہارا سب آنا پڑے گا۔ ذرا موبائل طوبی کو دو۔“

طارق نے موبائل طوبی کی طرف بڑھا دیا۔ دوسری طرف سے ڈاکٹر رحمان کی آواز سنائی دی۔ ”طوبی! میری بیٹی! کب تک آرہی ہو؟“

طوبی فوراً بول پڑی۔ ”بس! انکل! نکلنے والی ہوں۔ کھانا کھا چکی ہوں۔ موبائل بند کر کے میں آپ کی طرف آنے والی ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر رحمان نے گفتگو کا سلسلہ بند کر دیا۔

طوبی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور طارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”طارق!

طوبی! تمہاری آنٹی کبھی بھی یہ پسند نہیں کرے گی کہ تم میری یا میں تمہاری زندگی کا ساتھی بنوں۔ ہاں! جہاں تک ڈاکٹر رحمان کا تعلق ہے تو وہ ہمارے اس تعلق اور رشتے پر خفا نہیں ہوں گے۔ ان کا مزاج ہم سے ملتا جلتا ہے۔“

طوبی کے چہرے پر بڑا سکون اور دلجمعی سی تھی۔ پھر اس نے طارق کی طرف دیکھا۔ ”طارق! میں بھی پرانی صدیوں کی کوئی بے بس اور مجبور لڑکی نہیں ہوں کہ میرے والی وارث جدھر دھکیل دیں گے ادھر ہی چلی جاؤں گی۔ میرے ماں باپ فوت ہو چکے ہیں اور میں اپنی آنٹی اور انکل کے ساتھ رہ رہی ہوں لیکن کروں گی اپنی مرضی۔ تمہاری طرف بڑھتے ہوئے، تمہارے ساتھ رہتے ہوئے اگر میری آنٹی نے میرے آڑے آنے کی کوشش کی تو دیکھنا میں کیسا دلیر قدم اٹھاتی ہوں۔ طارق! میں آپ کو یہ بھی کہوں کہ انکل رحمان میرے ساتھ ہیں۔ ان کو یہ بھی خبر ہے کہ میں آپ کو پسند کرتی ہوں اور آپ کو چاہتی ہوں اور ہم ایک دوسرے کی زندگی کے ساتھی بننا چاہتے ہیں۔“

طارق نے فوراً طوبی کی بات کاٹ دی۔ کہنے لگا۔ ”زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے طوبی! کہنے اور عمل کرنے میں بڑا فرق، بڑا تفاوت ہے۔ تمہارے اور میرے درمیان ایک نہیں کئی رکاوٹیں ہیں۔ پہلی رکاوٹ تمہاری آنٹی ہے جس کے ہاں تم رہ رہی ہو کسی صورت وہ پسند نہیں کرے گی کہ تم میرے ساتھ میل ملاپ رکھو یا تو میری زندگی کی ساتھی بننے کی کوشش کرو۔ اس لئے کہ وہ مجھے انتہا درجہ کا ناپسند کرتی ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ تجھے ویسے بھی تیرے کزن کے ساتھ منسوب کر دیا گیا تھا جو تمہاری آنٹی کے پہلے شوہر سے تھا۔ تیری آنٹی یہ پسند کرے گی کہ تو اس کے گم شدہ بیٹے کو چھوڑ کر مجھے اپنی زندگی کا ساتھی بنائے؟ وہ ہرگز ایسا نہیں چاہے گی۔ تیسری بات یہ کہ تیرے اور میرے درمیان بڑا فرق معاشرتی فرق اور فاصلہ ہے۔ تیرے رشتہ داروں اور تیرے عزیزوں میں سے کوئی بھی پسند نہیں کرے گا کہ تو اس قدر بلندی اور رفعت سے نیچے اتر کر میرے جیسے پستی پر بسنے والے ایک انسان کو اپنانے کی کوشش کرے۔ چوتھی بات یہ کہ اس عمارت کے جن دو کمروں میں میں، میری ماں اور میرا چھوٹا بھائی رہتے ہیں کیا ان میں تم رہ لو گی اور یہاں رہتے ہوئے اپنے خاندان اور اپنے عزیز واقارب کے طعنے برداشت کر لو گی؟“

جب تک طارق بولتا رہا بالکل خاموشی سے طوبی سنتی رہی۔ جب طارق خاموش ہوا تو

میں اب جاتی ہوں۔ پہلا موقع ہے کہ میں کسی کے ہاں اتنی دیر ٹھہری ہوں۔“

طارق اور خلیل دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ طوبی کمرے سے باہر نکلی۔ طارق اس کے ساتھ تھا۔ جب دونوں گاڑی کے قریب گئے تب طارق نے طوبی کو مخاطب کیا۔ ”طوبی! میری باتوں کا برا مت ماننا۔ جو احسانات تم ہم پر کر رہی ہو میں جانتا ہوں یہ سب کچھ تم اپنائیت اور چاہت میں کر رہی ہو۔ لیکن میں جانتا ہوں میرا ضمیر اسے ہمیشہ کے لئے بوجھ سمجھتا رہے گا۔“

طوبی سنجیدہ ہو گئی۔ ”طارق! ایسی کوئی بات نہیں۔ کیا تم مجھ میں اور اپنے آپ میں فرق سمجھتے ہو؟“

طارق کی گردن تھوڑی دیر کے لئے جھک گئی۔ ”نہیں طوبی! ایسی کوئی بات نہیں لیکن جو بات مجھ میں اور تم میں ہے دوسرے لوگ تو نہیں دیکھتے۔“

طارق کی یہ اداسی طوبی کو بہت بھائی تھی۔ بڑے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگی۔ ”اچھا! تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر مجھے خدا نے دیا ہے تو اس میں سے میں تمہیں بھی حصے دار سمجھتی ہوں۔ اس لئے کہ میرا تمہارے ساتھ ایک تعلق، ایک رابطہ اور ایک.....“ طوبی کہتے کہتے رک گئی۔

گھورنے کے انداز میں طارق نے اس کی طرف دیکھا جس پر وہ شرمائی اور کہنے لگی۔ ”اس طرح گھور کر کیوں دیکھتے ہو؟“

جواب میں طارق بھی مسکرا دیا۔ ”پہلے اپنی بات تو مکمل کرو۔“

طوبی نے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ ”جو بات میں کہتے کہتے رک گئی تھی تم پہلے سے جانتے ہو کہ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ تمہیں چاہتی ہوں اور تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ بس! اس سے زیادہ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔“

طارق کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے طوبی کی طرف دیکھا۔ ”جو بات تم نے کہی ہے یہ بات کہنے سے پہلے تم نے اپنی چنگیز خان آنٹی سے اجازت لینی تھی۔ ان الفاظ کا پتہ تمہاری آنٹی کو چل گیا تو یاد رکھنا وہ تمہیں اس طرح بے بس کرے گی جس طرح کبوتر کے پر کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ میں تمہاری وہ حالت نہ دیکھ سکوں گا اور نہ برداشت کر سکوں گا۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ایک دوسرے کی طرف جہاں تک بڑھے ہیں وہیں رُک جائیں۔“

گھورنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ”طارق! کسی دھوکے، کسی فریب میں نہ رہنا۔ اگر ایسی باتیں کر کے مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہو تو ایسا نہیں ہو سکے گا۔“ اس قسم کی گفتگو کر کے تم مجھے میری چاہت اور محبت کی بڑی سے اتارنا چاہتے ہو تو بجز تمہیں ناکامی ہوگی۔ طارق! تم سے دور رہتے ہوئے چار سال کا جو عرصہ گزرا ہے وہ میں نہ جانتی ہوں۔ میں نے تمہیں جگہ جگہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اب تم مجھے بڑی مشکل سے ملے ہو تو یاد رکھنا میں تمہارے لئے ہر قسم کا رسک لینے کے لئے تیار ہوں۔ میں نے تو تمہیں کالج کے زمانے میں ہی بتا دیا تھا کہ گو میری آنٹی نے مجھے اپنے گم شدہ بیٹے سے منسوب رکھا ہے لیکن میں اس کی پرواہ نہیں کرتی۔ میں اپنے آپ کو تم سے ہی منسوب کرتی ہوں۔ بہر حال میں زیادہ بڑا بول نہیں بولتی جب عمل کرنے کا وقت آئے گا تو دیکھنا طوبی تمہارے لئے کیا کچھ نہیں کرتی۔“

حسن نے اپنی کونٹھ کے سامنے کاررو کی اور ہارن دیا۔ چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ کار اس نے اندر پارک کی اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کونٹھ کے ایک کمرے میں داخل ہوا۔ لہجے میں اس کی ماں نجم السحر، دونوں بہنیں ثانیہ اور شمرہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ حسن ان کے مانے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کا موڈ آف اور طبیعت بیزار بیزاری لگتی تھی۔ ماں اور دونوں بہنیں تھوڑی دیر تک غور سے اس کی طرف دیکھتی رہیں۔ پھر نجم السحر نے پوچھ لیا۔ ”بیٹے!

ایبات ہے؟ لگتا ہے تمہارا موڈ آف ہے۔“
حسن نے غور سے اپنی ماں نجم السحر کی طرف دیکھا۔ ”ماما! آپ کا اندازہ درست ہے۔“
”وجہ؟“ نجم السحر نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

وجہ آپ کی بھتیجی طوبی ہے۔ ماما! اسے سمجھالیں۔ اگر یہ باز نہ آئی تو خود بھی نقصان اٹھائے گی اور جس کے ساتھ گھومتی پھرتی ہے اسے بھی ہمارے ہاتھوں نقصان پہنچے گا۔“
حسن کی اس گفتگو پر ثانیہ اور شمرہ دونوں چونکی تھیں۔ پھر نجم السحر بول پڑی۔ ”کھل کر کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟“

حسن بڑی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہہ اٹھا۔ ”ماما! آج کل میں طوبی کا پیچھا کرتا ہوں۔ جب سے میں نے اسے طارق نام کے اس لڑکے میں دلچسپی لیتے دیکھا ہے وہ میری نگاہوں میں مشکوک سی ہو گئی ہے۔ آج وہ شام سے کچھ پہلے برستی بارش میں اپنے آفس سے نکلے۔ میں کچھ فاصلہ رکھ کر تعاقب میں لگ گیا۔ وہ سیدھی سرکلر روڈ گئی۔ کار اس نے وہاں سے موڑی اور کوچ شینڈ پر لا کھڑی کی۔ وہیں طارق نام کا لڑکا کھڑا تھا جس نے ہمارے ہسپتال میں ہنگامہ برپا کیا تھا۔ وہ آج کل ایک پریس میں کام کرتا ہے۔ اس کے سامنے طوبی نے کار کھڑی کی اور اسے کار میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ میں دور فاصلہ پر کھڑا سا راسخ نظر دیکھتا رہا۔ وہ لڑکا بیٹھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا کچھ دیر اسے نالتا رہا۔ آخر جب طوبی

طارق خاموش رہا۔ جواب میں کچھ نہ کہا۔ آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھولا اور کہنے لگا۔ ”اچھا زیادہ باتیں بنانے کی کوشش نہ کرو۔ بیٹھو اور جاؤ۔ دیر ہو رہی ہے۔ انکل رحمان تمہارا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے ہوں گے۔“
طوبی مسکراتے ہوئے چپ چاپ آگے بڑھی۔ اسٹیرنگ پر بیٹھی۔ ہاتھ ہلاتے ہوئے طارق کو خدا حافظ کہا پھر شیشہ بند کیا، گاڑی اشارٹ کی اور چلی گئی۔

☆

دخل اندازی کیوں کر رہے ہیں؟ اگر وہ کسی لڑکے کو پسند کرتی ہے تو پسند کرنا اس کا ذاتی حق ہے۔ اگر وہ اپنے خاندان میں شادی نہیں کرنا چاہتی تب بھی ایسا کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اس کی پسند ناپسند کے سامنے آپ کو سرخم کرنا ہو گا۔“

اپنی بہن ثانیہ کی گفتگو سے احسن پھر تاروا کھا گیا تھا۔ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ نجم السحر خود اپنی جگہ سے اٹھی ریسیور اس نے اٹھایا اور کسی سے بات چیت شروع کی۔ گفتگو کرتے ہوئے وہ بار بار قہقہے لگا رہی تھی۔ پھر کسی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”نہیں! میں کل کے لئے آپ کی دعوت قبول نہیں کر سکتی۔ اس کے لئے کوئی اور دن مقرر کر لیں۔ میرے شوہر کے بھائی کے ہاں ہماری دعوت ہے۔ ان کا نام شہزاد ہے وہ ڈیفنس میں رہتے ہیں۔“

دوسری سمت سے پھر کوئی بولا۔ جواب میں نجم السحر پھر کہنے لگی۔ ”ہاں! پرسوں ممکن ہے۔ پرسوں ہم آجائیں گے۔“ اس کے ساتھ ہی ریسیور اس نے رکھ دیا تھا۔ ریسیور رکھنے کے کچھ دیر بعد وہ سوچتی رہی۔ اس کے بعد پھر ریسیور اٹھایا۔ نمبر ڈائل کئے۔ دوسری سمت سے آواز آئی۔ ”رحمان بول رہا ہوں۔“

نجم السحر نے بوی نرم آواز میں پوچھا۔ ”آپ کب تک آرہے ہیں؟“ رحمان کی آواز سنائی دی۔ ”میں تھوڑی دیر تک اٹھنے لگا ہوں۔ ایک دو مریض ہیں انہیں دیکھ کے آنے لگا ہوں۔ باقی مریض دوسرے ڈاکٹر دیکھ لیں گے۔“

نجم السحر پھر بولی۔ ”آپ کو طوبی کا کچھ پتہ ہے۔ وہ ابھی تک گھر نہیں آئی۔ میں نے اس کے آفس فون کیا ہے وہ وہاں بھی نہیں ہے۔“ نجم السحر نے یوں ہی بات بنائی تھی۔ دوسری طرف سے رحمان کی آواز سنائی دی۔ ”طوبی! کوئی بچی نہیں ہے۔ گم نہیں ہو جائے گی۔ بے فکر رہو وہ اس وقت میرے پاس ہسپتال میں بیٹھی ہوئی ہے۔ ہم دونوں باپ بیٹی اکٹھے ہی آتے ہیں۔“

نجم السحر نے ریسیور رکھ دیا تھا۔ پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی اور اپنی دونوں بیٹیوں کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔ ”میری بچیو! کھانا گرم کرو۔ تمہارے پاپا آنے والے ہیں۔ طوبی! بھی ان کے ساتھ ہی آئے گی۔“

ثانیہ اور شمرہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے انھیں اور باہر نکل گئیں۔ نجم السحر

باہر نکلنے لگی اور زیادہ اصرار کیا تو وہ اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ میں نے ان کا قاتل وہ اچھرہ کی طرف گئے جہاں وہ لڑکا رہتا ہے۔ طوبی! اسے وہاں لے کر گئی۔ میرے خیال اس کے گھر گئی تھی۔ میں وہاں سے لوٹ آیا۔ اما! اس کو سمجھالیں یہ اچھی بات نہیں ہے اس کے یہی اطوار رہے تو یہ نقصان اٹھائے گی۔“

احسن کی بہن ثانیہ نے پہلی بار زبان کھولی۔ ”بھائی! آپ کو اس سلسلے میں کیا انداز ہے؟ وہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ اگر وہ کسی کو پسند کرتی ہے تو اس کی پسند پر آپ کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ وہ ہماری بہن ہے۔ اس کا ہر طرح سے خیال رکھنا ہمارا فریضہ ہے۔ وہ ہمارے مرحوم ماموں کی بیٹی ہے۔ اس پر نہ کوئی حرف گیری آنی چاہئے نہ کسی میں اس پر جبر اور زیادتی ہونی چاہئے۔“

ثانیہ جب خاموش ہوئی تو شمرہ نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ”باجی ٹھیک کہتی بھائی! طوبی! کے سلسلے میں آپ کو کوئی ایسا کردار ادا نہیں کرنا چاہئے۔ وہ ہماری بہن ہے برا بھلا سوچنے کا حق رکھتی ہے۔ کسی کی پابند نہیں ہے۔“

اپنی دونوں بہنوں کی گفتگو سے احسن خار کھا گیا۔ کہنے لگا۔ ”تم دونوں اس کی طواری بند کرو۔ جو میں کہتا ہوں وہی ٹھیک ہے۔ اس میں ہمارا بھی بھلا ہے اور اس کا بھی۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر احسن نے اپنی ماں کو مخاطب کیا۔ ”اما! طوبی! ہمارا شدہ بھائی کی امانت ہے۔ اس کی شادی اسی سے ہوگی۔ ہاں! اس کے لئے ہم کچھ وقت نہ کر لیتے ہیں۔ اگر بھائی ہمیں نہ ملا تو پھر طوبی! کی شادی خاندان سے باہر نہیں ہوگی۔ میں اس سے شادی کروں گا۔ اما! یاد رکھنا۔ اگر اس کی شادی خاندان سے باہر ہوتی ہے تو اس حصے کی شہر کے اندر جو ماموں کی پر اپرٹی، جو زمینیں ہیں وہ ساری اوروں کے پاس چلے گی۔ ہمارے لئے یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ لہذا خاندان سے باہر کسی لڑکے میں دلچسپی ہمارے لئے نہ صرف یہ کہ باعث ملامت ہے بلکہ نقصان دہ بھی ہے۔“

شمرہ پھر بول پڑی۔ ”باعث ملامت نہیں ہے بھائی باعث نقصان ضرور کہیں۔ آپ نگاہ اس کی پر اپرٹی پر کیوں ہے؟ وہ اپنی پر اپرٹی کی مالک ہے۔ ماموں کی وہ واحد اولاد ماموں کی جس قدر جائیداد پر اپرٹی ہے سب کی واحد مالک اور وارث طوبی! ہے۔ خیال میں اس میں کسی کو دخل اندازی کا کوئی حق نہیں۔ آپ اس کے ذاتی معاملات

دیکھا تھا۔ وہ میرے تعاقب میں لگ گیا لیکن میں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ لہذا میں بھی اسے کہتی ہوں اگر میں طارق سے ملتی جلتی ہوں تو یہ اس معاملے کو کوئی اہمیت نہ دے اس لئے کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ آنٹی! میں احسن کی غلام نہیں ہوں۔ رہا سوال میرا آپ کے بڑے بیٹے سے منسوب ہونا تو وہ آپ کا بیٹا گم ہو چکا ہے۔ میرے ماں باپ نے مرنے سے پہلے یہ ضرور امید ظاہر کی تھی کہ میری شادی آپ کے اس بیٹے سے ہو جائے لیکن آپ کو خود اپنے بیٹے کی خبر نہیں ہے تو میں اب کیا کر سکتی ہوں؟ میں ساری زندگی تو اس کے لئے نہیں بیٹھ سکتی۔ جہاں تک احسن کا یہ اندازہ ہے کہ اگر اس کا گم شدہ بھائی نہیں ملتا تو میں اس سے شادی کر لوں گی تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس نے یہ بھی سوچ رکھا ہے کہ میری جائیداد خاندان سے باہر نہیں جانی چاہئے جو اس کے اندازے ہیں آنٹی میں سب جانتی ہوں۔ میں بولتی نہیں ہوں۔ یہ علیحدہ بات ہے۔ مگر اسے سمجھا دیں۔ یہ سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ اگر اس نے آئندہ میرے معاملات میں دخل اندازی کرنے کی کوشش کی تو پھر مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ اگر یہ سوچتا ہے کہ یہ مرد ہے اور میں اس کے مقابلے میں لڑکی ہوں تو میں کمزور نہیں ہوں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گی۔ پھر اسے بچھتاوے کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔“ اس کے ساتھ ہی طوبی اپنی جگہ سے اٹھی۔ پاؤں پٹختی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی اس موقع پر بڑے پیار سے نجم السحر نے اسے مخاطب کیا۔ ”بیٹے! ہمارے ساتھ کھانا تو کھاؤ۔“

طوبی نے مڑ کر دیکھا اور برس پڑی۔ ”نہیں آنٹی! میں کھانا کھا کر آئی ہوں۔ آپ میرے حصہ کا کھانا بھی احسن کو کھلائیں جو میرا تعاقب کرتا ہے، میری جاسوسی کرتا ہے اور شکایتیں لگاتا ہے۔“ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے بیڈروم کی طرف چلی گئی تھی۔

طوبی کے جانے کے بعد کمرے میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر رحمان نے احسن کی طرف گھور کر دیکھا اور کہنا شروع کیا۔ ”بیٹے! تمہیں کس نے اجازت دی کہ تم طوبی کا تعاقب کرو اور اس کی جاسوسی کرو۔ تمہیں کس نے اجازت دی کہ اس کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کرو۔ تمہیں کس نے اجازت دی کہ آکر اپنی ماما سے اس کی شکایت کرو۔ خبردار! آئندہ ایسا نہ کرنا۔ طوبی بالغ ہے، خود مختار ہے۔ اپنے کاروبار کی مالک ہے وہ جو کسے اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ اگر وہ طارق نام کے اس لڑکے کو پسند کرتی ہے تو اس میں

نے اس بار احسن کو مخاطب کیا۔ ”تم بھی جا کے ڈریس چینج کر لو۔“

بڑی بیزاری کے انداز میں احسن اٹھا اور باہر نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دو کاریں آگے پیچھے کوٹھی میں داخل ہوئیں۔ رحمان اور طوبی کا پارک کرنے کے بعد سنگ روم میں داخل ہوئے جہاں پہلے ہی نجم السحر، احسن، ثانیہ ثمرہ بیٹھے ہوئے تھے۔

رحمان اور طوبی بھی صوفوں کی خالی نشستوں پر آکر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر خاموشی رہی نجم السحر نے طوبی کو مخاطب کیا۔ ”طوبی! میری بیٹی! آج تم کہاں رہی؟ مجھے تمہاری شکایت ملی ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم اس کا ازالہ کرو گی۔“

نجم السحر کی اس گفتگو سے رحمان نے شک بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ طوبی بھی چونک گئی تھی۔ پھر پوچھ لیا۔ ”آنٹی! کیسی شکایت؟ ذرا کھل کر کہیں۔ کیا کہنا چاہیں؟“

نجم السحر نے پھر بیٹھے اور اپنا تھکے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ”مجھے بتایا گیا ہے کہ آج اس لڑکے کے ساتھ گھومتی رہی ہو جس کو میں نے بے عزت کر کے ہسپتال سے نکال دیا تھا۔ بیٹے! تم اپنی حیثیت کو دیکھو۔ اس دو ٹکے کے لوٹنے کے ساتھ گھومتے ہوئے لگتی ہو؟ بیٹے! میں چاہوں گی کہ آئندہ نہ تم اس ادا باش سے ملو، نہ اس کے پاس جاؤ، نہ اس کے گھر کا رخ کرو اور نہ اس کے ساتھ گھومو۔“

ان الفاظ پر طوبی کی طبیعت مکدر اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ پھٹ پڑی۔ ”آنٹی! صرف ایک دو دن میں ہی آپ نے اندازہ لگالیا ہے کہ وہ ادا باش ہے اور اچھا انسان نہیں ہے۔ اتنے برس اس کے ساتھ پڑھتی رہی مجھ سے بہتر اسے کوئی نہیں جانتا۔ میں جانتی ہوں یہ شکایت کس نے کی ہے۔ جس وقت اسے لینے میں سرکلر روڈ گئی احسن نے میرا تعاقب کیا۔ میں اسے دیکھ چکی تھی لیکن میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ یہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ آنٹی! وہ ایک طرح سے میرا کلاس فیلو ہے۔ ہم ایک دوسرے کی طبیعت کے شناسا ہیں ہمارے مزاج ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ احسن کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض ہے تو وہ اس کو مشورہ ہے کہ آئندہ سے میرے معاملات میں بالکل دخل اندازی کرے نہ کہ تعاقب کرے۔ جس وقت میں آفس سے نکلتی تھی اس کی کار دور کھڑی تھی۔ میں نے اسے

تمہیں کیا اعتراض ہے؟“

”پاپا! یہ اس کی پسند نہ پسند کا معاملہ نہیں ہے۔ کیوں وہ باہر کے کسی لڑکے کو پسند کرے؟ کیا خاندان کے سارے لڑکے مر گئے ہیں؟“

رحمان نے خفگی کے انداز میں احسن کی طرف دیکھا۔ ”بیٹے! اگر خاندان میں ایسا کوئی لڑکا ہی نہ ہو جو اس کے معیار پر پورا اترے پھر؟“

احسن نے پھر احتجاجاً کہنا شروع کیا۔ ”معیار پر پورا کیوں نہ اترے؟ میں ڈاکٹر ہوں اور کیا ایک ڈاکٹر کا معیار اتنا ہی گرا ہوا ہے کہ کوئی لڑکی اسے اہمیت ہی نہ دے۔“

رحمان کے چہرے پر تلخ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر احسن کو مخاطب کیا۔ ”بیٹے! ڈاکٹر ہونا ہی کافی نہیں ہے۔ انسان کے اندر کچھ اخلاقی قدریں بھی ہونی چاہئیں جو دوسروں کو متاثر کر سکیں جن سے تم محروم ہو۔ بہر حال میں تمہیں بتائے دیتا ہوں آئندہ طوبی کے معاملات میں دخل اندازی مت کرنا۔ وہ کس کو پسند کرتی ہے کس کو ناپسند کرتی ہے یہ سب اس کے ذاتی معاملے ہیں اور اس کے ذاتی معاملات میں کسی کو دخل اندازی کا کوئی حق نہیں۔ نہ میں دخل دے سکتا ہوں، نہ تمہاری ماں، نہ تم اور نہ تمہاری بہنیں۔“

اس موقع پر ثانیہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اپنے باپ سے لپٹی ہوئی کہنے لگی۔ ”پاپا! آپ نے میرا حق خوش کر دیا ہے۔“

شمرہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنے پاپا کے پاس بیٹھ گئی تھی اور وہ بھی بول پڑی۔ ”پاپا! آپ کی آمد سے تھوڑی دیر پہلے میں اور باجی بھائی جان کو یہی باتیں کہہ رہی تھیں لیکن ہماری باتوں کا براہمانتا ہے۔ کسی کی شادی پاپا! کسی سے زبردستی تو نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ طارن نام کے لڑکے کو پسند کرتی ہے تو ہمیں اس کی پسند کا احترام کرنا چاہئے۔ پاپا! وہ ہماری ماموں زاد ہے۔ ہماری بہن ہے۔ اس کے ماں باپ مر چکے ہیں۔ ہمیں اس کی ہر پسند ناپسند کو قبول کرنا چاہئے۔ ہمیں اس کی دل شکنی نہیں اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔“

جب تک شمرہ بولتی رہی رحمان مسکراتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوئی تو اس کی پیٹھ پیچھا اور کہنے لگا۔ ”بیٹے! تم دونوں بہنوں نے اپنی گفتگو سے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ کاش اللہ گفتگو احسن بھی کرتا۔“

احسن نے وہ ساری گفتگو ناپسند کی لہذا خفگی کے انداز میں اٹھا اور باہر نکل گیا۔ نجم الح

بھی اس کے پیچھے پیچھے گئی۔ دوسرے کمرے میں جا کر نجم السحر نے اس کا بازو پکڑ لیا اور کہنے لگی۔ ”احسن! میرے بیٹے! تم اتنے بے چین اور پریشان کیوں ہوئے جا رہے ہو؟ تم تو اس قدر بے تابی کا اظہار کرتے ہو جیسے طوبی کہیں بھاگی جا رہی ہے۔ تم بھی یہیں ہوں طوبی بھی یہیں ہے۔ طوبی پر سب سے پہلے حق میرے بیٹے احتشام کا ہے جو گم ہو چکا ہے۔ اگر وہ مل گیا تو طوبی اس کی ہے اس حق کو تم بھی تسلیم کرتے ہو۔ کیا میں نے غلط کہا ہے؟“

احسن نے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔ ”ماما! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ اگر بھائی مل گیا تو طوبی اس کی ہے۔ بھائی اگر مل جاتا ہے تو اسی دن طوبی میری بہن ہوگی اور میرے بھائی کی امانت ہوگی۔ میں خود اپنے بھائی کا بیاہ طوبی سے رچاؤں گا اور اگر بھائی نہیں ملتا تو پھر طوبی میرے لئے ہے۔ میں اسے کہیں باہر نہیں جانے دوں گا۔“

نجم السحر نے پیار سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ”بیٹے! گھبراتے کیوں ہو؟ تم دیکھتے جاؤ میں کرتی کیا ہوں۔ بس کچھ انتظار کرو پھر دیکھنا میں کیا چکر چلاتی ہوں۔ طوبی اپنے آپ تمہاری جھولی میں آن گرے گی۔ لیکن یہ اس وقت ہو گا جب تمہارا بھائی احتشام نہیں ملتا۔“

اپنی ماں کی اس گفتگو سے احسن خوش ہو گیا تھا۔ پھر نجم السحر نے اس کا بازو پکڑا اور کہا۔ ”آؤ مل کر کھانا کھائیں۔“

دونوں اس کمرے میں آئے۔ سب اٹھ کر ڈائننگ روم کی طرف کھانا کھانے چلے گئے تھے۔



مغرب کے بعد سفید رنگ کی ایک نئی لینڈ کروزر ڈیفنس کی ایک عالیشان کوٹھی کے سامنے رکی اور ہارن دیا۔ تھوڑی دیر بعد چوکیدار نے سفید رنگ کا بڑا گیٹ کھولا اور لینڈ کروزر اندر داخل ہوئی، پارک ہوئی۔ پھر دروازہ کھلا اگلی سیٹ سے بیک وقت ایک طرف سے ڈاکٹر رحمان، دوسری طرف سے ان کا بیٹا احسن اترے۔ چھپیلی سمت سے نجم السحر اور ان کی دونوں بیٹیاں ثانیہ اور شمرہ اتری تھیں۔

اگلی نشست سے اتر کر احسن جب پیچھے گیا تو اچانک اس کی بہن ثانیہ نے اسے مخاطب کیا۔ ”بھائی! آج بھی ہم یہاں آتے ہیں کوئی نہ کوئی غیر ملکی انکل کے ہاں آیا ہوتا ہے۔ آج

پھر شہزاد نے اپنے بھائی رحمان کو مخاطب کیا۔ ”رحمان بھائی! واقعی طوبی کے پاس کام زیادہ ہے یا وہ کسی اور وجہ سے نہیں آئی؟“

رحمان ہنس دیا۔ ”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کے پاس واقعی کام بہت زیادہ ہے۔ کیوں تم بار بار طوبی کا پوچھ رہے ہو؟ کیا کوئی خاص بات ہے؟“

شہزاد نے کچھ سوچا۔ پھر گہری نگاہوں سے رحمان کی طرف دیکھا۔ اس کے بعد بولا۔ ”بھائی دراصل بات یہ ہے کہ میرا بیٹا آصف، طوبی کو پسند کرتا ہے۔ میں نے اسے کہا تھا کہ بھائی جب دعوت پر آئیں گے تو میں طوبی سے متعلق بات کروں گا۔۔۔۔۔“

شہزاد کو کہتے کہتے رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ رحمان بول پڑا تھا۔ ”اس موضوع پر کوئی گفتگو نہ کرنا۔ یوں جانو یہ موضوع بیکار ہے یا فرسودہ ہے۔ اگر آصف طوبی کو پسند کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح میرا بیٹا احسن بھی طوبی کو پسند کرتا ہے لیکن ایسی یک طرفہ پسند کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ طوبی دونوں میں سے کسی کو نہیں چاہتی۔ وہ کسی اور لڑکے سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ اسے پسند کرتی ہے اور اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کی خواہش مند ہے۔“

شہزاد نے غور سے ڈاکٹر رحمان کی طرف دیکھا۔ ”بھائی! جس لڑکے کو وہ پسند کرتی ہے کیا وہ اپنے خاندان کا ہے؟“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کا تعلق ہمارے خاندان سے نہیں ہے۔ ویسے بہت اچھا لڑکا ہے۔ بڑی اچھی پرنسپلٹی ہے۔ ہمارے خاندان میں جس قدر لڑکے ہیں قد اور شکل و صورت میں وہ سب سے اچھا ہے۔“

شہزاد نے خفگی کے اظہار میں کہنا شروع کیا۔ ”خاندان کے سب لڑکے مر گئے ہیں جو طوبی کو ہم باہر جانے دیں؟“

”یہ اس کی مرضی اور اس کی پسند ہے۔ جبر اور زبردستی کوئی نہیں کر سکتا۔“ تیز نگاہوں سے ڈاکٹر رحمان نے شہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

شہزاد نے پھر بات کو آگے بڑھایا۔ ”بھابھی کا اس سلسلے میں کیا خیال ہے؟“

رحمان نے لقمہ لیا۔ تین چار بار اسے چبایا پھر شہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”نجم السحر کی کیا بات کرتے ہو۔ نجم السحر اس کی چھوٹی بہن ہے ماں نہیں۔ ماں بھی تو وہ

تو کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔“

احسن کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ نجم السحر نے جھڑک دینے کے انداز میں کہہ دیا۔ ”تمہارے انکل کا ایکسپورٹ کا کام ہے۔ اس لئے ان کے پاس غیر ملکی آتے رہتے ہیں۔ ان کے ہاں آکر اس قسم کی گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔“

اس موقع پر چھوٹی بیٹی شمرہ بھی بول پڑی۔ ”ماما! باجی ٹھیک ہی کہتی ہیں۔ ہم دونوں بہنیں جب بھی آئیں یہاں کوئی نہ کوئی غیر ملکی ضرور ہوا اور آپ کہتی ہیں ایکسپورٹ کا کام ہے۔ یہاں ہم نے غیر ملکی عورتیں بھی دیکھی ہیں۔“

احسن پھر بھی خاموش رہا۔ نجم السحر بول پڑی۔ ”تم دونوں بہنیں کن باتوں میں الجھا چاہتی ہو؟ بھئی اگر غیر ملکی یہاں آتے ہیں تو ان کا کاروبار ہے۔ تم دونوں بہنوں کو اس پر کیا اعتراض ہے۔ اپنے پیارے سامنے یہ بات نہ کرنا وہ برامان جائیں گے۔“

سب کو خاموش ہو جانا پڑا اس لئے کہ ڈاکٹر رحمان قریب آگیا تھا۔ اتنی دیر تک کوئی شے کے اندر رونی جھسے سے ڈاکٹر رحمان کا چھوٹا بھائی شہزاد اور ان کے دونوں بیٹے آصف اور عامر باہر نکلے اور ان کا استقبال کرنے لگے تھے۔ اس موقع پر شہزاد نے اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر رحمان کو مخاطب کیا۔ ”بھائی! آپ کا انتظار تھا۔ ذرا لان کی طرف دیکھیں کینیٹر سب سجا دیئے گئے ہیں۔ صرف ان میں کھانا نہیں رکھوایا۔ اب جب کہ آپ کی گاڑی آئی ہے تو میں نے ملازموں سے کہہ دیا ہے کہ کھانا چن دیں۔“

پھر سب کا جائزہ لینے کے بعد شہزاد بول پڑا۔ ”طوبی بیٹی کہاں ہے؟“

”شاید وہ آجائے۔ لیکن بات یہ ہے اس کی ایڈورٹائزنگ آج کل زوروں پر جاری ہے۔ اس کے کچھ کمرشل کی شوٹنگ ہے وہ اس میں بیڑی ہے۔ آ بھی سکتی ہے اور نہیں بھی سکتی۔ کوئی کچی بات نہیں ہے۔“

شہزاد، آصف اور ندیم سب کو ویننگ روم میں لے گئے۔ وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ملازموں نے کھانا چن دینے کی اطلاع دی اور سب باہر آئے اور کھانا کھانے لگے تھے۔

اپنی پلیٹ میں مختلف چیزیں ڈالنے کے بعد شہزاد اپنے بڑے بھائی رحمان کے قریب آیا۔ اشارے سے انہیں ایک طرف بلایا اور دونوں بھائی ایک کونے میں ہو کر کھانے لگے۔

طوبی کی مسکراتی اور کھٹکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”انکل جی! بہت شکریہ۔“

رحمان نے پھر پوچھ لیا۔ ”اس وقت کہاں ہو میرے بچے؟“

”انکل! اس وقت میں طارق کے ہاں ہوں۔ کھانا کھانے لگے تھے۔ میں نے کہا کھانا

کھانے سے پہلے آپ کو فون کروں۔ میں تھوڑی دیر تک گھر پہنچ جاؤں گی۔“

ڈاکٹر رحمان مسکرا دیا اور کہنے لگا۔ ”اچھا بیٹے! اللہ حافظ۔ جلدی آجانا۔“ اس کے ساتھ

ی اس نے ریسیور رکھ دیا اور دوبارہ اپنی نشست پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔

جب تک رحمان فون پر گفتگو کرتا رہا سب خاموشی سے سنتے رہے۔ جب بیٹھ گیا تب

شہزاد نے اسے مخاطب کیا۔ ”بھائی صاحب! طوبی کیا کہتی ہے؟“

تھوڑی دیر تک رحمان دھیمے دھیمے انداز میں مسکراتا رہا۔ پھر کہہ اٹھا۔ ”اس بیچاری نے

کیا کہا تھا۔ کہہ رہی تھی اس کی شوٹنگ ہے۔ کچھ کام ہے لہذا وہ نہ آسکے گی۔ جونہی شوٹنگ

ختم ہوگی گھر پہنچ جائے گی۔ وہ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ وہ کھانا کھا کر آئے گی۔“

اس پر نجم السحر پہلی بار بول پڑی۔ ”کیا طوبی کا سبجیکٹ لے کر بیٹھ گئے ہیں۔ بھائی

صاحب! آپ یہ بتائیں کہ آپ کا کاروبار کیسا جا رہا ہے؟“

بات کا رخ مڑتے دیکھ کر شہزاد نے بھی نجم السحر کی طرف دیکھا پھر وہ اپنے کاروبار کے

تھے سنانے لگا تھا۔ تھوڑی دیر تک سب لوگ وہاں بیٹھے رہے پھر ڈاکٹر رحمان، نجم السحر،

احسن، ثانیہ اور شرہ وہاں سے چلے گئے تھے۔

☆

اوپر کی منزل سے دو تین بار ثروت نے زور زور سے پکارا تھا۔ ”زرگونہ! جلدی اوپر آؤ۔

آئی دفعہ تحریم کو بھی لیتی آؤ۔“

زرگونہ اپنے کوارٹر سے باہر نکلی۔ دیکھا ثروت ابھی تک بالکونی میں کھڑی ہوئی تھی۔

اسے دیکھ کر زرگونہ کہنے لگی۔ ”آپی میں ابھی آئی۔ تحریم کو بھی لے کر آتی ہوں۔“

پھر زرگونہ نے تحریم کو پکارا۔ تحریم سلطان کے کمرے سے نکلی اور زرگونہ کے پاس آئی۔

زرگونہ نے اسے مخاطب کیا۔ ”انکل سلطان تو جا چکے ہوں گے۔“ تحریم نے اثبات میں سر ہلا

دیا۔ زرگونہ نے پھر اسے مخاطب کیا۔ ”چلو! اوپر چلیں۔ ثروت آپی بلارہی ہیں۔“

تحریم چپ چاپ زرگونہ کے ساتھ ہوئی۔ دونوں اوپر گئیں۔ جب وہ جہاں آراء کے

اس طرح بچوں پر جبر نہیں کر سکتی۔ طوبی کو ہم نے زبردستی کسی سے نہیں بیاہ دینا۔

دیکھو! احسن سے بڑھ کر تو مجھے اور کوئی نہیں ہے۔ احسن کو بھی طوبی پسند نہیں کرتی۔

سلسلے میں اگر نجم السحر یا احسن نے زبردستی کی تو میں ان کی مخالفت کروں گا۔ لہذا یوں نہ

طوبی اپنی زندگی کے ساتھی کا چناؤ کر چکی ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کو وہ اپنی زندگی

ساتھی بنانا پسند نہیں کرے گی۔ یہ اس کا آخری فیصلہ ہے۔“

شہزاد مایوس اور چپ ہو گیا تھا۔ سب کھانا کھانے کے بعد پھر سنگ روم میں جا کر

گئے تھے۔ وہاں بیٹھے ابھی انہیں تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ٹیلی فون کی رنگ بول اٹھی۔

شہزاد کا بڑا بیٹا آصف اپنی جگہ سے اٹھا۔ ریسیور اس نے اٹھایا۔ جب اس نے ہیلو کہا تو دوسری

طرف سے آواز بڑی مٹھاس اور شیرینی کے ساتھ سنائی دی۔ ”میں طوبی بول رہی ہوں۔

ڈرا انکل رحمان سے ملائیں۔“

آصف کے چہرے پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ بڑی نرم آواز میں اس نے طوبی

مخاطب کیا۔ ”میں آصف ہوں طوبی! تم آئی کیوں نہیں ہو؟ یہ دعوت خاص تمہارے

تھی۔ کیا ہو؟ کیا کام زیادہ ہے؟“

طوبی نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”میں نے کہا مجھے دراصل اس سے ملا دیں۔ مجھے ان سے

ضروری کام ہے۔“

آصف شاید بات کو طول دینے پر تلا ہوا تھا۔ پھر بول پڑا۔ ”انکل کو بھی بلا دیتا ہوں۔

ایسی کون سی جلدی ہے؟“

یہ گفتگو سن کر ڈاکٹر رحمان خود ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ آصف کے قریب گیا اور

اسے مخاطب کیا۔ ”بیٹے! مجھے ریسیور دو۔ اسے واقعی کوئی ضروری کام ہو گا۔“

پھر ڈاکٹر رحمان نے ہاتھ بڑھا کر اس سے ریسیور لے لیا۔ ساتھ ہی بول پڑا۔ ”طوبی

بیٹے! میں بول رہا ہوں۔ بولو کیا بات ہے؟“

طوبی کی اس بار مسکراتی، پرسکون آواز سنائی دی۔ ”انکل میرا بہانا کر دیا ہے؟“

”ہاں! بے فکر رہو۔ میں نے مطمئن کر دیا ہے۔ اگر تمہارے پاس شوٹنگ کا کام زیادہ

بیٹے تو ہیں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنا کام مجاری رکھو۔ ایسی دعوتیں تو ہوتی

رہتی ہیں۔ تمہارے نہ آنے سے کوئی برا نہیں مانے گا۔“

کو ارٹ کے سامنے سے گزرنے لگیں تو اچانک جہاں آراء باہر نکل آئی۔ دونوں کا حال شفقت اور مادرانہ لہجہ میں پوچھا۔ پھر جہاں آراء نے خصوصیت کے ساتھ تحریم کو مخاطب کیا۔ ”تحریم میری بیٹی! یہاں فکر مند مت ہونا۔ گھبرانا بھی نہیں۔ میں نے ثروت تمہارے متعلق کچھ کہا ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ۔ دن بھر تم فارغ رہتی ہو وہ تمہیں کچھ بتائے گی۔ چار پیسے بھی تمہیں ملیں گے۔ جاؤ! وہ تمہارا بے چینی سے انتظار کر رہی ہے۔“ زرگونہ اور تحریم دونوں ثروت کے کو ارٹ کی طرف گئیں۔ ایک کمرے میں ثروت ماں سمیعہ بیٹھی ہوئی تھی۔ قریب ہی ثروت کا بیٹا خرم تھا۔ ثروت ابھی تک باہر ہی کھڑی تھی۔ دونوں کو لے کر وہ اندر گئی۔ سمیعہ سے دونوں نے سلام کہا پھر خالی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

ثروت نے تحریم کو مخاطب کیا۔ ”تحریم میری بہن! تم دن بھر فارغ رہتی ہو۔ ملاقات میں، میں نے تم سے کہا تھا کہ میں سلائی کڑھائی کا کام کرتی ہوں۔ ایک بوتیک میرا رابطہ ہے۔ وہ مجھے کپڑے دے جاتے ہیں۔ میں انہیں سلائی کڑھائی کر دیتی ہوں۔ ہلوچی کڑھائی کی بہترین ماہر لڑکی ہے۔ کہہ رہے تھے کہ ان کے اچھے پیسے کمالیتی ہوں۔ ان کے پاس کام بہت ہے۔ زرگونہ بھی میرے ساتھ یہ کام کرتی ہیں۔ ہلوچی کڑھائی کے کچھ نمونے بھی بھجوائیں گے۔ بس ان کے مطابق آج سے اور اچھے خاصے پیسے کمالیتی ہے۔ میں یہ کہنا چاہتی ہوں اگر تم سلائی کڑھائی جانتی ہو تو تم کام شروع ہو جائے گا۔“

تحریم نے زرگونہ اور زرگونہ دونوں ثروت کی اس گفتگو سے مطمئن ہو گئی تھیں۔ پھر جو کپڑے زرگونہ کے پاس بیٹھ کر سلائی کڑھائی سیکھو۔ اس طرح تمہاری آمدنی کا ذریعہ بن جائے گا۔ ثروت کے پاس آئے تھے وہ ان کی سلائی کڑھائی میں مصروف ہو گئی تھیں۔



ثروت کی اس گفتگو سے تحریم کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی۔ پھر ثروت مخاطب کیا۔ ”ثروت آپ! میں سلائی کا بہترین کام جانتی ہوں اور میں آپ سے یہ بھی کہوں کہ میں سندھی اور ہلوچی کڑھائی عمدہ قسم کی کر سکتی ہوں۔“

تحریم کے اس انکشاف پر ثروت ایسی خوش ہوئی کہ آگے بڑھ کر تحریم کو گلے لیا۔ اس کی پیشانی چومی اور کہنے لگی۔ ”بس میری بہن! تو نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ جب ہم تینوں مل کر چاروں صوبوں کی کڑھائی کر دیا کریں گی تو میرے خیال میں ہلوچی والوں کی خوشی، ان کے اطمینان کی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔ صوبہ سرحد کی کڑھائی کی زرگونہ ہے۔ یہاں کی کڑھائی میں خوب اچھی طرح جانتی، پہچانتی ہوں۔ سندھی، ہلوچی کی ماہر ہو تو پھر دیکھو ہم بوتیک کو پورے پاکستان کی سلائی کڑھائی سے کیسے متعارف کر

بی تھیں تمہیں رات کو سردی لگ گئی تھی۔ بخار تو نہیں ہے؟ یہ کیا تم نے اپنی حالت بنا
رہی ہے۔ تمہارے کپڑے میلے ہو رہے ہیں۔ شیو تم نے نہیں کی۔ رات کو آنے کے بعد تم
نے ہاتھ منہ نہیں دھویا ہو گا۔“
طارق مسکرا دیا۔ ”بس کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ رات کو ٹھنڈی لگ گئی تھی کچھ کرنے
لو جی ہی نہیں چاہا۔“

طوبی بچاری پریشان ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک بڑے پیار سے خاموشی کے ساتھ
طارق کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر بھاری سی آواز میں بول پڑی۔ ”طارق! تمہارے پاس
ماسب کپڑے ہی نہیں ہیں تو سردی تو تمہیں لگے گی۔“ پھر طوبی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔
دوسرے کمرے میں جو بنڈل رکھ کر آئی تھی وہ اس نے اٹھایا اور دوبارہ طارق کے قریب ہو
بٹھی۔ بنڈل کھولا۔ اس میں سے ایک جرسی اور ایک انتہائی نفیس و خوبصورت سویٹر نکال کر
طارق کے سامنے رضائی پر رکھ دیا تھا۔ بنڈل میں ابھی اور چیزیں بھی تھیں۔ بنڈل اس نے
فرش پر کرسی کے قریب رکھ دیا۔

طارق تھوڑی دیر تک طوبی کو گھورتا رہا۔ پھر سویٹر اور جرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ
کیا ہے؟“

طوبی مسکرا دی۔ ”دیکھ نہیں رہے یہ کیا ہے۔ ایک جرسی، ایک سویٹر ہے۔ اس میں
پوچھنے کی کیا بات ہے؟“

طارق نے غور سے اور احتیاجی انداز میں طوبی کی طرف دیکھا۔ ”یہ تو میں دیکھ رہا ہوں
یہ سویٹر اور جرسی ہیں۔ یہ دونوں اٹھا کر میرے سامنے کیوں رکھ دیئے ہیں؟“

طوبی نے تیز نگاہوں سے طارق کی طرف دیکھا۔ ”زیادہ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ
سویٹر اور جرسی میں تمہارے لئے لے کر آئی ہوں۔ ایسا ہی سویٹر اور جرسی خلیل کے لئے
بھی لائی ہوں۔“ اور اس کے ساتھ جو پیکٹ اس نے فرش پر کرسی کے قریب رکھا تھا وہ
بھی اٹھا کر رضائی پر طارق کے سامنے رکھ دیا تھا۔

طارق کے چہرے پر خفگی اور ناپسندیدگی کے آثار بکھر گئے۔ ”تم نے ایسا کیوں کیا ہے
طوبی! میں تمہیں کئی بار منع بھی کر چکا ہوں کہ ایسا نہ کیا کرو۔ تم ضدی بہت ہو۔ بہر حال یہ
جرسی، سویٹر جس بنڈل سے نکالے ہیں اسی میں رکھو۔ مجھے احسانات تلے اتنا نہ دباؤ کہ میں

اتوار کی چھٹی تھی۔ طوبی نے احاطے میں کارپارک کی۔ پھر پیچھے نشست پر کھابو
بنڈل اس نے اٹھایا اور طارق کے کمرے کی طرف بڑھی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہو
طارق کی ماں سعدیہ رضائی کے اندر دیکھی بیٹھی تھی۔ اس روز سردی بھی کافی تھی۔
جب کمرے میں داخل ہوئی تو سعدیہ نے سیدھی ہو کر بیٹھنا چاہا۔ چہرے پر اس
مسکراہٹ بکھیر دی۔ طوبی بھاگ کر آگے بڑھی۔ پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے سعدیہ
سیدھا کر کے بٹھایا پھر کرسی کھینچ کر اس کے پاس ہو بیٹھی اور پوچھنے لگی۔ ”اماں! آج
میں خاموشی ہے۔ طارق اور خلیل کہاں گئے؟“

تھوڑی دیر تک سعدیہ بڑے پیار سے طوبی کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر بول پڑی۔
خلیل کا تو میوزیکل شو ہے۔ اس کی ریکارڈنگ کے لئے گیا ہوا ہے۔ طارق بیچارہ ڈیو
تک کر کے آیا تھا میرے خیال میں اسے ٹھنڈ لگ گئی ہے۔ ساتھ والے کمرے میں ابھی
رضائی میں پڑا ہوا ہے۔ ابھی تک اٹھایا نہیں۔ خلیل خود بھی ناشتہ کر گیا ہے اور مجھے
کر گیا ہے لیکن طارق ابھی تک سویا ہوا ہے۔ رات کو اس کو ٹھنڈ لگ گئی تھی اس لئے
طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

طوبی فکر مند ہو گئی۔ پھر کھڑی ہوئی۔ ”اماں! میں ذرا طارق کو دیکھ لوں پھر آتی ہوں۔
اس کے ساتھ طوبی دوسرے کمرے میں داخل ہوئی۔ ایک مسہری پر رضائی اوڑھے
لیٹا ہوا تھا۔ منہ اس نے رضائی کے اندر چھپا رکھا تھا۔ دیوار کے قریب جو کرسی
طوبی نے وہ کرسی کھینچی، طارق کے بستر کے قریب ہو بیٹھی۔ اس نے طارق کا کندھا
بلایا۔ ”طارق! طارق!“

طارق نے آہستہ آہستہ اپنا منہ نکالا۔ آنکھیں جھپکتے ہوئے طوبی کی طرف
اٹھ بیٹھا۔ طوبی نے بڑی فکر مندی سے اس کا بازو اپنے ہاتھ میں لیا پھر کہنے لگی۔

کتیں؟ میری تو یہ بات مانتی نہیں۔ ضدی ہے اور مجھ پر رعب بھی ڈال لیتی ہے۔“
طارق کی اس گفتگو سے طوبی ہی نہیں زرگونہ اور تحریم بھی کھلکھلا کر ہنس دی تھیں۔
سعدیہ بھی تھوڑی دیر تک مسکراتی رہی۔ پھر طوبی کو مخاطب کیا۔ ”طوبی میری بیٹی! تم یہ
زحمت کیوں کرتی ہو؟“

طوبی نے بڑے غور سے سعدیہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ ”اماں! آپ مجھے بیٹی بھی
کہتی ہیں پھر یہ بھی کہتی ہیں کہ میں کیوں زحمت کرتی ہوں۔ آپ جانتی ہیں کہ میرا اور
طارق کا کتنے برسوں کا ساتھ ہے پھر بھی میں جو کام کرتی ہوں آپ اسے زحمت خیال کرتی
ہیں۔ طارق اور خلیل کی جرسی اور سویٹر میں نے اپنی پسند کے لئے ہیں۔۔۔۔۔“
طوبی کو کہتے کہتے رک جانا پڑا کیونکہ سعدیہ بیچ میں بول پڑی تھی۔ ”میری بچی! چند دن
پہلے تم میرے لئے بھی جرسی لے کر آئی تھیں۔ میرے بچے! تم ہم پر اتنا کیوں خرچ کرتی
ہو؟ خواہ مخواہ میں اپنے اوپر بوجھ بناتی ہوں۔“

طوبی نے دونوں ہاتھ آگے بڑھائے۔ سعدیہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے پھر
ہاتھوں کو چوما اور کہنے لگی۔ ”اماں! آپ کس قسم کی باتیں کرتی ہیں؟ آپ جیسی ماں کی
خدمت کرنا تو میرے لئے صرف سعادت نہیں بلکہ میرا ذہنی اور دلی سکون بھی ہے۔ یہ
طارق اب باتیں بنائے گا۔ اسے کہیں سویٹر یا جرسی ابھی پہنے اور میرے ساتھ چلے۔ اماں!
مجھے اس سے بہت ضروری کام ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے کر جا رہی ہوں۔ اس بنڈل
کے اندر ایک سویٹر اور جرسی خلیل کی بھی ہے جب وہ لوٹے تو اسے دے دینا۔“

سعدیہ نے جواب طلب سے انداز میں طارق کی طرف دیکھا۔ طارق بیچارہ مسکرا دیا۔
”اماں! اس طرح میری طرف کیا دیکھتی ہیں۔ اسے جواب دیں نا یہ کیوں اس قسم کی
نریداری ہمارے لئے کرتی ہے؟ یہ ہمارے بوجھ میں اضافہ کر رہی ہے۔“

طوبی فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بنڈل کے اندر سے اس نے ایک جرسی اور
سویٹر نکالا پھر طارق کو بازو سے پکڑ کر کھینچتی ہوئی دوسرے کمرے میں لے گئی اور کہنے لگی۔
”یہ جرسی پہنو اور میرے ساتھ چلو۔ زیادہ باتیں نہ بنانا ورنہ جھگڑا ہو جائے گا۔“

طارق بیچارہ تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا پھر بے بسی کے انداز میں اس نے جرسی پہن لی۔
طوبی پھر اسے پکڑ کر ساتھ والے کمرے میں لائی اور سعدیہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

اٹھنے کے قابل ہی نہ رہوں۔“

طوبی نے طارق کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا۔ ”اتنی باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔
اٹھو۔ پہلے شیو کرو۔ ڈریس چینج کرو۔ اس کے بعد یہ نیا سویٹر یا جرسی پہنو پھر میرے
چلو۔ مجھے تمہارے ساتھ بہت ضروری کام ہے۔“

انتہائی بے بسی میں طارق نے طوبی کی طرف دیکھا۔ ”آج کہیں جانے کو جی نہیں
رہا۔“

طوبی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر طارق کا بازو پکڑ کر کہا۔ ”اٹھو! زیادہ سستی
نہیں ہوتی۔ چلو میرے ساتھ۔ میں کہہ رہی ہوں مجھے انتہائی ضروری کام ہے۔ اٹھو۔
نہیں کرنا ورنہ کوئی بہانہ بنانا۔“

طارق اٹھ کھڑا ہوا۔ طوبی پھر بولی۔ ”نہانا نہیں ہے۔ تمہیں پہلے ہی سردی لگی ہوئی ہے
منہ ہاتھ دھو کر شیو کرو، ڈریس چینج کرو پھر چلتے ہیں۔“

دونوں اٹھ کر ساتھ والے کمرے میں آئے۔ اسی وقت زرگونہ اور تحریم کمرے
داخل ہوئیں۔ زرگونہ نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق بھائی! آپ اٹھ گئے ہیں تو ناشتہ
ہوں۔ خلیل جاتے ہوئے مجھے کہہ گیا تھا بھائی نے ناشتہ نہیں کیا لہذا آپ اٹھ گئے ہیں تو
ناشتہ لاؤں؟“

طوبی نے زرگونہ اور تحریم دونوں کو بازو سے پکڑ کر اپنے قریب بٹھالیا اور زرگونہ
مخاطب کیا۔ ”زرگونہ! پہلے تم یہ بتاؤ کیا تم نے ناشتہ تیار کر رکھا ہے؟“

زرگونہ نے مسکراتے ہوئے جب نفی میں سر ہلایا تو پھر بول پڑی۔ ”اگر ایسی بات ہے
پھر تمہیں ناشتہ تیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ طارق کو میں اپنے ساتھ لے جا
ہوں۔ مجھے ان سے انتہائی اہم کام ہے۔ ناشتہ وہیں کریں گے۔“

زرگونہ اور تحریم دونوں مطمئن اور خوش ہو گئی تھیں۔ طارق دوسرے کمرے میں
تیار کرنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا۔ شیو کر چکا تھا۔ ڈریس اس نے تبدیل کر لیا
جرسی اور سویٹر کا بنڈل جو طوبی لے آئی تھی ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ وہ بنڈل لا کر اپنی
سعدیہ کے سامنے رکھ دیا۔ ”اماں! ایک تو طوبی نے تنگ کر رکھا ہے۔ دیکھو! ایک جرسی
سویٹر میرے لئے اور ایک جرسی اور سویٹر خلیل کے لئے لائی ہے۔ اسے آپ سمجھا

”اماں! اگر آپ کی اجازت ہو تو طارق کو اپنے ساتھ لے جاؤں؟ میں نے دفتر کے اسٹیشنری کا کچھ سامان خریدنا ہے اور اپنی گارمنٹس فیکٹری کے لئے کپڑوں کی خریداری کے لئے مجھے کلاتھ مارکیٹ بھی جانا ہو گا اس لئے طارق کو ساتھ لے جا رہی ہوں۔“

سعدیہ نے جب جانے کی اجازت دے دی تو طوبی طارق کو لے کر وہاں سے نکل گئی۔ زرگونہ اور تحریم سعدیہ کے پاس بیٹھ کر گفتگو کرتے ہوئے اس کا دل بہلانے لگی تھیں۔

☆

طوبی نے کار ایک سنیک بار کے سامنے روک دی۔ جب دروازہ کھول کر نیچے اترنے لگی تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے طارق نے پوچھ لیا۔ ”اب کیا کرنے لگی ہو؟ یہاں گاڑی کی روک ہے؟“

دروازہ کھولتے کھولتے طوبی رک گئی۔ پھر طارق کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ ”میرے گھر سے نکلی تھی تو ارادہ تھا کہ تمہارے ہاں تمہارے ساتھ ناشتہ کروں گی۔ تم نے فضا بھی ناشتہ نہیں کیا لہذا دونوں سنیک بار میں بیٹھتے ہیں۔ پہلے ناشتہ کرتے ہیں پھر کوئی اور کام کریں گے۔ مزید بحث بالکل نہیں ہو گی۔ آرام سے نیچے اترو۔ یہاں سارے لوگوں کے سامنے بحث نہ کرنا ورنہ میں شور مچا دوں گی۔“

طارق مسکرا دیا۔ چپ چاپ نیچے اتر آ۔ دونوں سنیک بار میں داخل ہوئے۔ دونوں نے پہلے ناشتہ کیا۔ کچھ دیر ٹیبل پر خاموش بیٹھے رہے پھر طوبی نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق! میں نے آج تک تم سے کوئی فرمائش نہیں کی لیکن آج میں تم سے ایک کام کہتی ہوں۔ میری تم سے ایک التجا ہے۔ انکار مت کرنا۔“

طارق نے تیز اور تقریباً سخت نگاہوں سے طوبی کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ ”پہلے کا کی نوعیت بتاؤ کیا ہے۔ اگر وہ میری مرضی کا ہو تو فوراً انکار کر دوں گا۔ تم برا مت ماننا۔“

طوبی کچھ دیر تک سوچتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔ ”کام تو تمہاری مرضی کا بھی ہے۔ تمہارے بس میں بھی ہے۔ دیکھو! انکار مت کرنا ورنہ یاد رکھنا میں اماں سے جا کر تمہارا شکایت کروں گی۔“

”اچھا باتیں مت بناؤ۔ پہلے کام بتاؤ۔“

طوبی نے کچھ سوچا۔ اپنے لال گلابی ہونٹوں پر اس نے زبان پھیری۔ پھر کہنے لگی۔ ”طارق! دراصل بات یہ ہے کہ ایک فرم کا کمرشل میرے پاس آیا ہوا ہے۔ وہ اصرار کر رہے ہیں کہ اس کمرشل میں ماڈل کے طور پر میں خود کام کروں۔ میں نے ان کے سامنے کئی بار لڑکے نام پیش کئے لیکن وہ نہیں مانتے۔ ان کا اصرار ہے کہ کمرشل میں، میں خود کام کروں۔ ان کا ایک جاننے والا لڑکا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ کمرشل میں وہ میرے ساتھ کام کرے لیکن میں نے انہیں انکار کر دیا ہے کہ اگر میں کمرشل میں خود کام کروں گی تو جو لڑکا

میرے مقابل ہو گا وہ میری پسند کا ہو گا۔ انہوں نے میری اس بات کو تسلیم کر لیا ہے۔ اب میری تم سے التجا یہ ہے کہ تم میرے ساتھ اس کمرشل میں ماڈل کے طور پر کام کرو۔ دیکھو طارق! انکار مت کرنا۔ وہ پارٹی تمہیں اچھی خاصی پے منٹ بھی کرے گی۔ پھر یہ برا کام بھی تو نہیں ہے۔ بس گارمنٹس کی ایک بہت بڑی فرم ہے جس کا یہ اشتہار ہے۔ دو تین دن تک میں تمہیں ریہرسل کرا دوں گی۔ اس کے بعد فائل کر لیں گے۔“

طارق کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر اس کی گردن بھی جھکی رہی۔ پھر اس نے طوبی کی طرف دیکھا۔ ”اس کام کے لئے آخر میں ہی تمہیں کیوں ملا؟ ہمارے ملک میں ایک سے بڑھ کر ایک ماڈل ہے۔“

طوبی نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔ ”ایک سے بڑھ کر ایک ماڈل ہے پر تم جیسا کوئی نہیں کیونکہ اس کمرشل میں، میں خود کام کر رہی ہوں لہذا تمہارے علاوہ میں کسی اور کے ساتھ کام نہیں کروں گی۔ ضد مت کرنا۔“

طارق نے پھر سوچا اور کہنے لگا۔ ”نہیں طوبی! میں کمرشل میں کام نہیں کروں گا۔“

طوبی کے چہرے پر خفگی کے اثرات بکھر گئے۔ ”نہیں کرو گے؟“

طارق کی گردن جھکی رہی۔ ”نہیں کروں گا۔“

طوبی پھر سختی سے بولی۔ ”نہیں کرو گے؟“

طارق پھر اسی انداز میں بولا۔ ”بالکل نہیں۔“

طوبی نے اپنا آخری حربہ آزمایا اور رو دینے والی آواز میں کہنے لگی۔ ”میں آخری بار پوچھوں گی۔ اگر پھر بھی تم نے نہیں جواب دیا تو پھر میں سمجھوں گی طارق تمہیں مجھ سے

بات بھول گئی۔ آج شام انکل رحمان تمہاری طرف آئیں گے۔ میں بھی ان کے ساتھ ہوں گی۔ وہ کئی دن سے خواہش ظاہر کر رہے تھے کہ کسی روز تمہارا اور تمہاری امی کا کوئی عیت سنا چاہئے۔ آج انہوں نے تہیہ کیا ہوا ہے اور وہ ضرور شام کے وقت آئیں گے۔ میں بھی ان کے ساتھ ہوں گی۔“

ایک دم اس نے گاڑی کی بریکیں لگا دیں اس لئے کہ وہ سامنے جاتی ہوئی گاڑی سے ٹکرانے لگی تھی۔ گھورنے کے انداز میں طارق نے اس کی طرف دیکھا۔ ”باتیں کم کرو۔ دھیان سے گاڑی چلاؤ۔ باتیں کہیں بیٹھ کر بھی ہو جائیں گی۔“

طوبی مسکرا دی اور خاموشی سے کارڈ رانیو کرنے لگی تھی۔ دونوں پاکستان کو اٹرنز میں داخل ہوئے۔ گاڑی کھڑی کرنے کے بعد اس کمرے میں آئے جس میں سعدیہ بیٹھی ہوئی تھی۔ خلیل بھی کام سے واپس آچکا تھا۔ طوبی جب آگے بڑھ کر سعدیہ کے قریب ہو بیٹھی تب خلیل اس کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”طوبی میری بہن! میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرے لئے سویٹر اور جرسی خریدی۔ میں سمجھتا ہوں یہ آپ نے بڑی زحمت کی۔“

طوبی اپنی جگہ سے اٹھی۔ پیارے سے انداز میں ہلکی سی چپت اس نے خلیل کے گال پر لگائی اور کہنے لگی۔ ”بھائی بہنوں سے ایسی گفتگو نہیں کرتے۔ تمہارے لئے یہ چیزیں خریدنا یوں جانو مجھ جیسی بہن کا فرض بنتا ہے۔“ پھر طوبی نے سعدیہ کی طرف دیکھا۔ ”اماں میں نے جو چیزیں خریدنی تھیں وہ طارق کے ساتھ خرید آئی ہوں۔ اب میں اور انکل رحمان شام کو آئیں گے۔ اس لئے میں اب جاتی ہوں۔“

سعدیہ نے جب اجازت دی تو طوبی باہر نکلی۔ طارق اس کے ساتھ کار تک آیا۔ طوبی کار میں بیٹھی۔ الوداعی انداز میں اس نے ہاتھ ہلایا۔ پھر وہ وہاں سے چلی گئی تھی۔

☆

نہ کوئی لگاؤ ہے، نہ چاہت ہے۔ بلکہ تم مجھ سے نفرت کرتے ہو۔ اچھا آخری بار بتاؤ نہیں کر گئے؟“

طارق نے گردن سیدھی کی اور مسکرایا۔ پھر کہنے لگا۔ ”ہاں! کروں گا۔ ایک تو تمہاری ضرورت مجھے ہر کام کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔“

طارق کے اس جواب سے طوبی ایسی خوش ہوئی کہ ہاتھ بڑھا کر طارق کا ہاتھ اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر ہلکے ہلکے دباتے ہوئے کہنے لگی۔ ”طارق! تم نے میرا جی خوش کر دیا ہے۔ آؤ اب چلتے ہیں۔ کمرشل کے لئے تمہارے لئے ڈریس بھی میرے آفس میں رکھ دئے ہوئے ہیں جو کمپنی نے پرووائیڈ کئے ہیں۔ اب یہاں سے بازار چلتے ہیں۔ تمہارے لئے ہوت خریدنے ہیں وہ بھی اسی کمپنی کے اخراجات میں ہیں۔ اس کے بعد میں نے اپنے آفس کے لئے اسٹینڈرڈ خریدنی ہے۔ پھر کلاتھ مارکیٹ کی طرف چلیں گے۔“

طارق نے طوبی کی ہاں میں ہاں ملا دی تھی۔ دونوں سنیک بار سے نکلے۔ پہلے اردو بازار گئے۔ وہاں دونوں نے مل کر اسٹینڈرڈ کا سامان خریدا۔ وہاں سے کلاتھ مارکیٹ کی طرف نکل گئے۔ ضرورت کے کپڑے طوبی خریدتی گئی اور طارق بیچارہ گاڑی کی بچھلی نشست پر رکھتا گیا۔ ایسا کرتے کرتے دوپہر ڈھل گئی تھی۔ شاپنگ کرنے کے بعد دونوں کار میں آکر بیٹھے۔ اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے طوبی نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق! یہاں سے سیدھے میرے آفس جاتے ہیں۔ جو سامان خریدا ہے وہ وہاں رکھتے ہیں اس کے بعد پانی کا رخ کرتے ہیں۔ دو بجے بونے شروع ہوتا ہے۔ بونے کھائیں گے اس کے بعد تمہارا کوارٹر کی طرف جائیں گے۔“

طارق نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہہ دیا۔ ”جو تم نے کرنا ہے کرو۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ میں تمہاری ہاں میں ہاں ملانے کے لئے پیدا ہوا ہوں۔“

طوبی نے ایک قہقہہ لگایا۔ گاڑی اس نے اسٹارٹ کر دی تھی۔

پہلے دونوں طوبی کے آفس گئے۔ سارا سامان انہوں نے وہاں رکھا۔ پھر پی سی ٹی داخل ہوئے۔ دونوں نے وہاں بونے لیا۔ وہاں سے نکلے۔ کارڈ رانیو کرتے ہوئے طوبی نے پھر طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق! میں دو دن تمہیں پریس سے لے جایا کروں گی۔ آفس میں تمہاری ریہرسل کراؤں گی۔ اس کے بعد کمرشل کا فاسٹ ٹیچ ہو گا۔ اور ہاں! میں ایک

جواب میں خلیل نے ہلکا سا تہقہ لگایا اور کہنے لگا۔ ”زرگونہ! میری بہن! لگتا ہے کہ تم نے جاسوسی ناول پڑھنے شروع کر دیئے ہیں۔ یہ تجسس اور سسپنس ان سے ہی ملتا ہے۔ بہر حال تھوڑی سی تفصیل بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے؟“

اس بار تحریم نے خلیل کو مخاطب کیا۔ ”معاملہ کچھ بھی نہیں ہے۔ بس کہہ دیا ہے کہ یہ ایک تجسس اور سسپنس ہے۔ بس تم باہر نہیں جاؤ گے۔ سیدھے اپنے کمرے میں داخل ہو کر اماں کے پاس بیٹھو اور ہاں! جب تم کمرے میں جاؤ گے تو لازمی بات ہے کہ طارق بھائی پوچھیں گے کہ کیوں لوٹ آئے ہو۔ ہم دونوں کا نام لے لینا کہ دونوں نے واپس کر دیا ہے اور روٹیاں لانے سے منع کر دیا ہے۔ بس اس کے علاوہ کچھ مت کہنا۔“

خلیل نے ایک احتجاجی سی نگاہ باری باری ان دونوں پر ڈالی پھر کچھ کہے بغیر واپس مڑتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی طارق نے پوچھ لیا۔ ”خلیل میرے بھائی! لوٹ آئے ہو؟ روٹیاں نہیں لے کر آئے؟ بھوک لگی ہے۔“

خلیل تھوڑی دیر مسکراتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔ ”بھائی! تنور کی طرف جا رہا تھا کہ تحریم اور زرگونہ نے روک دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج ہم تجسس اور سسپنس دینا چاہتی ہیں۔ تنور سے روٹیاں لینے مت جانا۔ سیدھے اپنے کمرے کی طرف چلے جاؤ۔ لہذا ان کا کہا مانتے ہوئے میں واپس آ گیا ہوں۔“

طارق اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ جب وہ اس طرف جانے لگا جہاں زرگونہ اور تحریم کھڑی تھیں تو زرگونہ نے دور ہی سے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق بھائی! اس سمت نہیں آنا۔ مقررہ وقت پر آپ کو بلایا جائے گا۔ فی الحال ہم دونوں یہیں عجیب سے سسپنس اور جستجو میں ہیں۔ امید ہے کہ آپ ہماری بات ٹالیں گے نہیں۔“

طارق کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر وہ دوبارہ اپنے کمرے میں جا کر بیٹھ گیا تھا۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ عمارت میں طوبی کی کار داخل ہوئی۔ ڈرائیونگ کی نشست پر طوبی خود بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ڈاکٹر رحمان تھا۔ دونوں نیچے اترے۔ دروازہ بند کرنے کے بعد وہ طارق کے کمرے کے سامنے آئے تو طارق اور خلیل دونوں ان کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ رحمان نے آگے بڑھ کر دونوں سے ہاتھ ملایا۔ پھر سعد یہ کو

لجھوں کی زنجیروں میں جکڑا سورج روشنی کی شکن شکن کو اندھیروں کے حوالے کرتا روحوں میں ویرانیاں بکھیرتا، شام غمناک سے پچھڑ کر صبح خاموش سے بغل گیر ہونے کے لئے بے شور لہروں، بے سماعت نواؤں اور خاموشی میں گھلی ہوئی تلخیوں کے ساتھ غروب ہو گیا تھا۔ تمناؤں کا نگر اور سپنوں کا شہر لاہور دھواں دھواں ہو کر رہ گیا تھا۔ سانولی رنگت کی سڑکیں اور نظر در نظر جلوے بکھیرتی اونچی اونچی عمارتیں روشنی میں نہا گئی تھیں۔

ایسے میں خلیل اپنے کوارٹر سے نکل کر جانے لگا کہ اچانک سامنے والے سلطان کے کمرے سے ایک ساتھ تحریم اور زرگونہ نکلیں۔ پھر زرگونہ نے آواز دی۔ ”خلیل بھائی! اگر باہر جا رہے ہو تو جانے سے پہلے ہماری بات سن کے جانا۔“

خلیل پلٹا۔ سلطان کے کمرے کے سامنے جہاں زرگونہ اور تحریم کھڑی تھیں آن کھڑا ہوا۔ پھر زرگونہ کو اس نے مخاطب کیا۔ ”میری بہن! کیا تم نے کوئی چیز منگوائی ہے؟“

زرگونہ نے پہلے عجیب سے انداز میں تحریم کی طرف دیکھا پھر خلیل کو مخاطب کیا۔

”بھائی! چیز تو کوئی نہیں منگوائی۔ پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟“

خلیل کسی قدر جستجو میں پڑ گیا تھا۔ باری باری اس نے تحریم اور زرگونہ کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔ ”آج کوئی خاص بات ضرور ہے۔ تم دونوں کے انداز بتاتے ہیں کہ تم دونوں کے مجھے بلانے کے پیچھے کوئی راز پنہاں ہے۔ بہر حال بتاؤ! میں تنور سے روٹیاں لینے جا رہا ہوں۔“

زرگونہ مسکراتے ہوئے بول پڑی۔ ”خلیل بھائی! راز کی کوئی بات نہیں ہے۔ صرف یہ کہنا ہے کہ آپ تنور سے روٹیاں لینے مت جائیے گا۔ یہاں سے سیدھا اپنے کمرے میں جائیں اور چپ چاپ بیٹھ جائیں۔ پھر دیکھیں میں اور تحریم آج آپ سب کو کیسا سسپنس دیتی ہیں۔“

سلام کیا اور سب کرسیاں کھینچ کر بیٹھ گئے۔

طوبی کچھ دیر تک اس کمرے کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں گئی۔ کچھ دیر اس کمرے میں ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئی اور اپنے سامنے بیٹھے طارق کی طرف دیکھتے ہوئے عجیب سی پریشانی اور فکر مندی میں پوچھ لیا۔
”کھانے کا کوئی انتظام نہیں؟“

طارق نے سوالیہ سے انداز میں غلیل کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔ ”میرے بھائی! کھانے کا بندوبست کرو۔“

ہاتھ کے اشارے سے طوبی نے غلیل کو روک دیا۔ ”غللیل میرے بھائی! رک جاؤ۔ میں نے کافی دیر پہلے ٹیلی فون کیا تھا کہ میں اور انکل دونوں آپ لوگوں کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ لوگوں نے کوئی انتظام ہی نہیں کیا؟“
طارق نے پریشانی کے عالم میں طوبی کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔ ”کس کو فون کیا تھا؟“

میں نے جہاں آراء کو فون کیا تھا اور پیغام دیا تھا کہ طارق سے کہیں کہ میں اور انکل رحمان دونوں شام کو آئیں گے اور کھانا بھی ان کے ساتھ کھائیں گے۔“

طارق نے مزید پریشانی اور حیرت کا اظہار کیا۔ ”لیکن میانے ہمیں تو کچھ نہیں بتایا، نہ اس نے ہمیں ایسی کوئی اطلاع دی ہے کہ آپ دونوں کھانا یہاں آکر کھائیں گے۔ بہر حال میں اس سلسلہ میں معذرت خواہ ہوں۔ غلیل ابھی جاتا ہے کھانے کا انتظام کرتا ہے۔“

عین اس موقع پر دروازے پر زرگونہ اور تحریم نمودار ہوئیں۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر طوبی ان دونوں سے ملی۔ پھر زرگونہ نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق بھائی! کیوں فکر مند ہوئے ہو؟ ہم نے کہا تھا کہ ہم آپ لوگوں کو ایک تجسس اور سنسنس میں ڈالیں گے۔ بات دراصل یوں ہے کہ جس وقت طوبی نے فون کیا کہ یہ کھانا یہاں کھائیں گے تو میانے مجھے اور تحریم کو بلوایا اور یہ ہدایت دی کہ آج کھانا ان کی طرف سے ہو گا لہذا کھانے کا بہترین انتظام انکل سلطان کے کمرے میں کر دیا گیا ہے۔ سب لوگ وہاں موجود ہیں۔ آپ لوگوں کے وہاں جانے کے بعد کھانا شروع کرنے کے لئے بے چین ہیں۔“

طوبی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔ ”اگر ایسی بات ہے تو پھر چلے۔ دیر کا“

کی۔“ رحمان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ طارق نے اٹھنے کے بعد اپنی ماں سعدیہ کو ویل چیئر پر بٹھایا۔ غلیل نے پیچھے سے چیئر کو تھام لیا۔ اس کمرے سے نکل کر سب سلطان کے کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے کے وسط میں کئی میزیں ایک لائن میں لگی ہوئی تھیں۔ اوپر صاف ستھری چادریں بچھادی گئی تھیں اور ان پر کھانا چن دیا گیا تھا۔ دونوں طرف کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ ان کرسیوں پر علی خان، مراد خان، بجا خان، اللہ بخش، سلطان، سمیعہ، ثروت، ثروت کا بیٹا خرم، عمارت کی مالکہ جہاں آراء بیگم، گل ساگنا، گویا اس عمارت کے سارے مکین وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔

طارق، غلیل، سعدیہ، طوبی، رحمان، زرگونہ اور تحریم جب اس کمرے میں داخل ہوئے تو سب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ جہاں آراء نے اشارہ کرتے ہوئے سب کو کرسیوں پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ طارق سیدھا جہاں آراء کی طرف گیا اور بڑی رازداری میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”میا! یہ آپ نے کیا کیا؟ طوبی کا فون آیا۔ مجھے اطلاع نہیں دی اور اتنا بڑا انتظام کر ڈالا۔“

جہاں آراء مسکرا دی۔ پھر ہلکی سی چپت طارق کے گال پر لگاتے ہوئے کہنے لگی۔ ”طارق بیٹے! یہ اتنی بڑی بات نہیں۔ بس میرا جی چاہ رہا تھا کہ آج عمارت کے سب مکینوں کا کھانا میری طرف سے ہو۔ طوبی اور ڈاکٹر رحمان بھی آرہے تھے لہذا اسی کو بہانہ بناتے ہوئے یہ سارا اہتمام کر دیا۔ اس سلسلے میں تمہیں نہ مجھ سے گلہ شکوہ کرنے کی ضرورت ہے نہ شکریہ ادا کرنے کی ضرورت ہے اس لئے کہ میں تم سب کی میا ہوں۔ میا کی حیثیت سے اگر میں یہ اہتمام کرتی ہوں تو یہ کوئی قابل اعتراض نہیں ہے۔“

پھر جہاں آراء کے کہنے پر طارق بھی کرسی پر بیٹھ گیا اور سب عجیب سے انداز میں خود کن ماحول اور اتفاق سے بھری فضا میں کھانا کھانے لگے تھے۔

جب سب کھانا کھا چکے تو ڈاکٹر رحمان رومال سے ہاتھ پونچھتے ہوئے سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”صاحبو! میں اور میری بیٹی طوبی اصل میں یہاں آئے تھے کہ آج ہم طارق اور اس کی ماں سعدیہ سے کوئی اچھا سا گانا، کوئی اچھی سی غزل سنیں گے۔ لیکن تم سب نے مل کر ہماری گریٹ قسم کی دعوت کر دی۔ خدا گواہ ہے جب تک زندہ ہوں اس دعوت کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ اس میں خلوص ہے، پیار ہے، محبت ہے۔ چاہت ہے۔“

ڈاکٹر رحمان کو کہتے کہتے رک جانا پڑا اس لئے کہ سلطان بول پڑا۔ ”رحمان صاحب! آپ ہماری بہن سعدیہ اور طارق کا گیت یا غزل سننا چاہتے ہیں تو وہ بھی ہو جائے گا۔ بہن اس عمارت میں یہ تینوں ماں بیٹا ایک بہت بڑی نعمت ہیں۔ خاص کر میرے لئے۔ جب کہ بھی دل اداس ہو تا ہے، جی گھبراتا ہے یا اپنی سروس کا کوئی پریشان کر دینے والا واقعہ یاد ہے تو ان کے پاس جا بیٹھتا ہوں۔ کچھ سنتا ہوں تو جی بہل جاتا ہے۔“

رحمان نے کچھ دیر تک بڑے غور سے سلطان کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔ ”سلطان! اگر یہ بات ہے تو اپنی سروس کا کوئی بھلا برا واقعہ ہمیں بھی سنا دیں۔ ہمارا بھی جی بہل جائے گا۔“

رحمان کے ان الفاظ پر سلطان بالکل اداس اور افسردہ ہو گیا تھا۔ گردن جھک گئی تھی چہرہ ہلکا سا سرخی مائل ہو گیا تھا۔ پھر نگاہیں اٹھائیں اور رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”ڈاکٹر صاحب! زندگی میں بڑے دھکے کھائے ہیں۔ جو واقعہ میں سنانے لگا ہوں وہ اب تک اس عمارت کے مکینوں سے بھی نہیں کہا۔ آج میں آپ کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ، اپنی پولیس کی نوکری کی سب سے بڑی کوتاہی اور سروس کے دوران ایک چھوٹی، نیکی کا ذکر کرتا ہوں۔“

میری زندگی کا سب سے بدترین حادثہ کچھ یوں پیش آیا کہ میں شہر کے ایک نواحی قصبہ کا رہنے والا تھا۔ میرا باپ بچپن میں فوت ہو گیا تھا۔ میں اکلوتا بیٹا تھا۔ نہ کوئی بھائی تھا۔ نہ کوئی بہن۔ میری ماں کی خواہش تھی کہ میں پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنوں۔ گاؤں میں جب پولیس والے جایا کرتے تھے تو لوگ خوف کے مارے چھپ جاتے تھے۔ میری ماں کی بڑی خواہش تھی کہ میں کوئی پولیس والا بنوں۔ گاؤں میں ہماری تھوڑی سی زمین تھی۔ س سے گزر بسر ہو جاتی تھی۔ دونوں ماں بیٹے نے ایک بھینس رکھی ہوئی تھی۔ آدھا دو گھنٹہ رکھ لیتے، آدھا بچ کر گزارا کر لیتے تھے۔ گرتے پڑتے صاحبو! میں میٹرک میں پہنچا تو بوجہ جانو اس کلاس میں آنے کے بعد میری بدبختی کی ابتدا ہوئی۔

ہمارے سکول میں ایک استاد تھے۔ بڑے تند مزاج، بڑے سخت دل۔ ان کا نام تھا۔ یہاں نہیں پالوں گا۔ بہر حال میرے استاد تھے۔ انہوں نے اپنی ایک انگلش گرامر کی کتاب ترتیب دی اور اسے اپنے سکول میں لگوایا۔ کلاس کے سارے طلباء کو حکم تھا کہ وہ کتاب

خریدیں۔ میرے پاس پیسے نہیں تھے جو کتاب خریدتا۔ دن گزرتے گئے۔ وہ استاد ہر روز طلباء سے چیک کرتے کہ کس نے کتاب لی ہے کس نے نہیں لی۔ کچھ دن گزرنے کے بعد پتہ چلا کہ صرف میں اکیلا رہ گیا ہوں باقی سب نے وہ کتاب خرید لی ہے۔

اس استاد نے دو تین دن بے حد اصرار کیا کہ میں کتاب خریدوں پر میں خرید نہ سکا۔ آخری روز میں نے ان سے کہا کہ سر! آپ کتاب خریدنے پر کیوں اصرار کرتے ہیں۔ جو سبق آپ دیتے ہیں اگر میں وہ یاد نہ کروں تو آپ بے شک مجھے ماریں۔ جب میں سبق کسی نہ کسی طرح یاد کر لیتا ہوں تو پھر آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔

میری یہ بات شاید ان صاحب کو بڑی ناگوار گزری۔ مارنے کے بڑے ماہر تھے اور غصیلے بھی تھے۔ فوراً اپنا بید نکالا۔ ان دنوں سردی اپنے زوروں پر تھی۔ زور زور سے پانچ بید میرے بائیں ہاتھ پر اور پانچ ہی دائیں ہاتھ پر دے مارے۔ چھڑی وہ بید کی رکھتے تھے اور جب لگتی تھی تو ہاتھوں کی چمڑی ادھیڑ کر رکھ دیتی تھی۔

میں روتا رہا، منتیں کرتا رہا۔ وہ صاحب مجھے مارتے رہے۔ میرے ہاتھوں کی چمڑی ادھیڑ گئی تھی۔ ہاتھ نیلے پڑ گئے تھے پر انہیں کچھ احساس نہ ہوا۔ اس روز آسمان پر گہرے بادل بنے ہوئے تھے تیز ہوا میں بھی چل رہی تھیں۔ سردی اپنے زوروں پر آگئی تھی۔ چھٹی ہوئی تو میرے ہاتھوں میں اتنی تکلیف تھی کہ ٹھیک سے میں کوئی چیز نہ پکڑ سکتا تھا۔ رو دھوکے گرتا پڑتا میں اپنے گھر پہنچا۔

میں نے اپنی ماں سے یہ واقعہ نہ کہا۔ میں جانتا تھا میری ماں کی حالت یہ واقعہ سن کر بری ہو جائے گی۔ وہ برداشت نہ کر سکے گی۔ شام کو جب ماں بیٹا چولہے پر بیٹھے تو میرے ہاتھوں میں چونکہ ٹیسس اٹھ رہی تھیں میں نے ہاتھ چولہے پر پھیلا دیئے۔ اچانک میری ماں نے میرے ہاتھ دیکھ لئے۔ ہاتھوں کی چمڑی ادھیڑ ہوئی تھی، خون جما ہوا تھا۔ میری ماں نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور ان کا جائزہ لینے لگی۔ ماں کی یہ شفقت دیکھتے ہوئے میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور میں نے وہ سارا واقعہ ان سے کہہ سنایا۔ اس روز زوردار موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ یہ واقعہ سن کر میری ماں خوب روئی۔

یہاں تک کہتے کہتے سلطان کو رک جانا پڑا اس لئے کہ اس کی آنکھوں میں آنسو اُڑ آئے تھے جنہیں اس نے اپنی قمیض کی آستین سے صاف کیا اور دوبارہ کہنا شروع کیا۔

”طلب نہ کریں اسے ماں کی دیکھ بھال کرنی ہے اگر ایسا نہ ہو تو اس کی بیمار ماں بچ نہیں
سکے گی۔“

اس کے الفاظ میں ایسا درد، ایسا کچاؤ، ایسا کرب تھا کہ میں نے اس کا چالان نہیں کیا۔
جانبے کی اجازت دے دی۔ یوں جانے یہ میری اپنی پولیس کی ڈیوٹی سے کوتاہی تھی۔
میں گھر چلا گیا۔ گھر جا کے مجھے آرام نہیں آیا۔ اس کے الفاظ بار بار میرے ذہن میں
بوجھ رہے۔ کبھی میرا ذہن کہتا اس نے جھوٹ کہا ہے۔ کبھی میرا ضمیر ملامت کرتا کہ مجھے
اس کو طمانچہ نہیں مارنا چاہئے تھا۔ کبھی میرے ضمیر کے اندر بھڑکاؤ تھی یہ مشورہ دیتا کہ
پولیس کے ملازم ہو اس کی غلطی پر اس کا چالان کیا جانا چاہئے تھا۔ میں نے وہ رات اسی
رب میں گزار دی۔

دوسرے روز میں اس کی فیکٹری گیا۔ اس کا پوچھا۔ پتہ چلا وہ فیکٹری نہیں آیا۔ اس کے
لہر کا پتہ لیا۔ وہ اندرون شہر کا ہی رہنے والا تھا۔ جب میں اس کے گھر پہنچا تو اندر سے رونے
کی آوازیں آرہی تھیں اور عورتیں بری طرح بین کر رہی تھیں۔ میں نے اس کا پوچھا۔
میرا ان کردہ باہر آیا۔ اپنے دروازے کی دہلیز پر کھڑا ہو گیا۔ میں بھی اس کے دروازے کی
دہلیز کا ہمارا لے کر کھڑا ہوا اور اس سے پوچھا۔ بچے کیا بات ہے تم آج فیکٹری نہیں گئے۔
اس نے اس موقع پر جو الفاظ کہے وہ ابھی میرے دل، میرے ذہن کے اندر ایسے کندہ
اور نقش ہیں جیسے پتھر پر لکھی تحریر۔

جانے ہو اس نے کیا کہا تھا؟ مجھے دیکھتے ہی اس نے کہا۔ ”ڈی ایس پی صاحب! آپ دیر
سے آئے ہیں۔ میری ماں مر چکی ہے۔“ اس کے ساتھ ہی وہ مڑا اور روتا ہوا اندر چلا گیا۔

یہ واقعہ کئی روز تک میری روح کے اندر ایک ہیجان کھڑا کرتا رہا اور اس واقعہ نے
میرے دل کا سکول چھین لیا۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا تھا کہ میں نے اسے ہمانچہ کیوں
مارا۔ میں نے اس سے کیوں کہا کہ وہ اپنے مال کی تقسیم کے بعد تھانے آئے۔ کئی روز میں
نے اسی کرب میں گزار دیئے۔ پھر ایک روز دوبارہ میں اس کے گھر گیا۔ پتہ چلا وہ مکان اس
کا اپنا نہیں تھا کہ یہ پر رہتا تھا ماں کے مرنے کے بعد نہ جانے کہاں چلا گیا ہے۔ اس کا جانا
میرے لئے ایک اور روگ بن گیا۔ ایک عرصہ تک میں اسے یاد کرتا رہا۔ سوچتا تھا کہ آخر
وہ کہاں چلا گیا؟“

”صاحبو! اس روز باہر آسمان سے پانی برس رہا تھا۔ ہمارے گھر کے اندر ہم دونوں
بیٹے کی آنکھیں برس رہی تھیں۔“

سلطان کے ان الفاظ پر وہاں بیٹھے سارے ہی لوگ آبدیدہ سے ہو گئے تھے۔ سلطان
تھوڑا سا توقف کیا۔ پھر کہنا شروع کیا۔ ”اس واقعہ کے بعد میں نے سکول جانا چھوڑ دیا
ہمارے ہاں جو بھینس تھی میں اسے صبح باہر چرانے کے لئے لے جاتا۔ ساتھ ہی پڑھتا
رہتا۔ اس طرح میں نے پرائیویٹ میٹرک کا امتحان پاس کر لیا۔ اس کے بعد بھی جو میں
اپنی تعلیم مکمل کی وہ پرائیویٹ ہی کی۔ خدا کا شکر کہ میری ماں کی خواہش پوری ہوئی اور
پولیس میں ڈی ایس پی لگ گیا۔“

سلطان جب خاموش ہوا تو رحمان بول پڑا۔ ”سلطان صاحب! یہ تو آپ کی زندگی
حادثہ ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ آپ اپنی سروس کی کوتاہی بھی سنائیں گے۔ ایک اور متاثرہ
واقعہ بھی بیان کریں گے۔ ذرا وہ بھی سنائیے۔“

سلطان کھٹکھٹا رہا۔ پھر کہنا شروع کیا۔ ”جو متاثر کن واقعہ اور اپنی نوکری سے کوتاہی
بیان کرنے لگا ہوں وہ یوں جانے ایک ہی واقعہ ہے۔ بات کچھ اس طرح ہے کہ میرے
تھانے کی حدود میں ایک فوڈ پراڈکٹ فیکٹری تھی۔ اس فیکٹری کا ایک ملازم لڑکا تھا جسے
اس کا نام اب بھی یاد ہے۔ اس کا نام ممتاز تھا۔ وہ آٹورکشہ میں اندرون شہر اس فیکٹری
پراڈکٹس کی تقسیم کے لئے جایا کرتا تھا۔ اس کے پاس لائسنس تھا نہ آٹورکشہ کے کاغذات
ہوا کرتا تھے۔ میں نے اس کے متعلق سن رکھا تھا کہ جب کوئی پولیس والا اسے روکتا تھا تو
پراڈکٹس تقسیم کرنے کے کاغذات اس کے پاس ہوتے تھے ان کے اندر دس کانوٹ رکھا
پیش کر دیتا تھا اور کام چلاتا رہتا تھا۔

ایک روز میں نے خود اسے چیک کیا۔ اس نے میرے ساتھ بھی وہی حربہ استعمال کیا
اپنی پراڈکٹس کے جو کاغذات تھے ان کے اندر دس کانوٹ رکھا، میری طرف بڑھایا اور
لگا۔ ”بس صاحب یہی کاغذ ہیں۔“

مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے غصے میں اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا۔ وہ زمین پر
گیا۔ میں نے اسے یہ سہولت دی کہ جو پراڈکٹس تمہارے پاس ہیں وہ تقسیم کر کے
تھانے رپورٹ کرو۔ وہ بچہ میری منت محتاجی کرنے لگا کہ اس کی ماں بیمار ہے اسے

سلطان! رک گیا۔ کچھ سنبھلا اور کہنے لگا۔ ”اس کا چالان نہ کرنا یوں جاننے میری زندگی کی پہلی کوتاہی تھی۔ پر جب کبھی بھی اس کوتاہی کا احساس ہوتا۔ میں اسے اور کہتا کہ میں نے اس سے ہمدردی میں اس کا چالان نہ کر کے انسانیت کا سر بلند کیا ہے۔ سلطان مزید کچھ کہتا کہ رحمان بول پڑا۔ ”ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ آپ نے سروس کی کوتاہی نہیں کی۔ ایسے واقعات تو عام ہوتے ہیں۔ پولیس والے تو اس سے چڑھ کر بھی کردار ادا کر جاتے ہیں۔“

سلطان نے ہلکا سا ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔ ”ڈاکٹر صاحب! پولیس والوں کا ذکر تو پھر ان کے کیا ہی کہنے۔ میں ڈی ایس پی ہونے کے باوجود آفس ایک پرانے اور ہم سے موثر سائیکل پر جایا کرتا تھا اس لئے کہ میں ہذا امن فضل ربی کا قاتل نہیں تھا۔ یہ تھانے میں ایک سب انسپکٹر تھا وہ ٹویو ٹاکار پر تشریف لایا کرتا تھا کپڑے ایسے کلف لگے تھے کہ محسوس ہوتا تھا وہ ڈی ایس پی ہے اور میں اس کے ماتحت کام کرنے والا ایک معمولی عام ساسپاہی ہوں۔“

سلطان کے ان الفاظ پر سب نے ایک بھر پور قہقہہ لگایا۔ اس موقع پر رحمان نے اندازی کی۔ طارق کی طرف دیکھا۔ ”طارق بیٹے! آج تم ہمیں کچھ سناؤ گے؟“ طارق نے مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلادی۔ پھر خلیل کی طرف مخصوص کیا۔ خلیل اٹھ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا تو ایک ہاتھ میں طبلوں کا بیجا دوسرے میں ایک شہنائی اور وائلن تھا۔ ساری چیزیں لا کر اس نے میز پر رکھ دیں۔ بھائی تھوڑی دیر تک کچھ مشورہ کرتے رہے۔ پھر وہیل چیئر پر بیٹھی اپنی ماں سے انہیں مشورہ کیا۔ کچھ دیر تینوں مسکراتے رہے۔ پھر اپنی اپنی کرسیوں پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے طارق نے دونوں طبلے اٹھا کر خلیل کے سامنے رکھ دیئے۔ خود وائلن سنبھال لی۔ موقع پر خلیل نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”بھائی! طبلے آپ سنبھالیں وائلن مجھے دے۔ آپ مجھ سے اچھا بجاتے ہیں۔“

طارق نے نفی میں گردن ہلایا اور کہنے لگا۔ ”نہیں! تم ہی بجاؤ۔ میں وائلن سنبھالوں گا۔“ خلیل مان گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک دھن شروع کی۔ تھوڑی دیر بعد

کرتے رہے۔ پھر اپنی ماں کی طرف دیکھا۔ اس دیکھنے کے جواب میں ان کی درست دھن پر سعدیہ نے بڑی دکھ بھری پر سوز آواز میں گانا شروع کیا۔

حال کو ماضی کے احوال سناؤں کیسے
اپنے ہی حال کو بد حال بناؤں کیسے
ماضی میرا کتنا دشت میں پتھر کی طرح
اب حال کو بھی اس سنگ سے ٹکراؤں کیسے
وقت بھاگے ہے سرگرداں بگولوں کی طرح
اس کو اپنا میں راہوار بناؤں کیسے
لے اڑی آندھیاں تنکے اپنے مقدر کے
میں اب اپنا آشیانہ بناؤں کیسے
میں اک باز گشت ہوں وقت کی صداؤں میں
ایسے میں اپنی روداد سناؤں کیسے
میں نے جسے چاہا وہ سراب ہے ہیولا ہے
اس کو اپنے طاقی دل میں سجاؤں کیسے
ہائے کوئی کیمیا گر ہی بتائے کہ میں
بگولے کو آداب چاہت سکھاؤں کیسے

جب تک سعدیہ گاتی رہی ایسا سا بند ہار جیسے حدت کے دشت زاروں میں وصال کی زخمیں اپنی منزل کی روشنی کھو کر شکست ایمان کا شکار ہو گئی ہوں۔ اس کے لہجے کے آواز نے انوکھی آسودگی بکھیر رہے تھے۔ اس کی گائیکی میں نظر نظر بکھرتا ایک سوز تھا۔ مائے شکست دل سی اس کی پر سوز آواز امیدوں کے ڈوبتے سورج سادرد پھیلاتی رہی۔ کوئی نوٹے دل، پر غم آنکھوں کے ساتھ اس کی درد بھری آواز میں بول سنتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئی۔ طارق نے وائلن، خلیل نے طبلہ بجانا بند کر دیا تھا۔ پھر آنکھوں آنکھوں میں تینوں نے کوئی اشارہ کیا۔ اس اشارہ کے بعد طارق نے شہنائی سنبھال۔ منہ سے لگائی اور جو غزل سعدیہ نے گائی تھی اسی کی دھن وہ شہنائی پر گانے لگا تھا۔ طارق ایسے خوب صورت انداز میں شہنائی بجاتا تھا کہ وہاں بیٹھا ہر شخص ایسے محسوس کرنے

خلیل مان گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک دھن شروع کی۔ تھوڑی دیر بعد

حالات کے سارے مکین اچھلتے کودتے ہوئے گانے لگے تھے۔

دیکھو میا رے میا رے میا رے
دکھ سکھ میں تو ہی ہماری نیا رے
کبھی مت سوچنا کہ تو اکیلی ہے
ہم سب تیرے بچے تیرے بھیا رے
یہاں کے بوڑھے ہوں کہ بچے ہوں
میا ہم سب کو ہی تیری دیا رے

دیر تک عمارت کے سارے مکین ناچتے ہوئے یہ گانا گاتے رہے۔ ان میں سلطان بھی شامل تھا۔ جب کہ جہاں آراء بیگم، ڈاکٹر رحمان اور طوبی اپنی نشستوں پر بیٹھ کر ہنستے رہے، مکرانے رہے۔ یہاں تک کہ یہ محفل تمام ہوئی۔

سب اس کمرے سے نکل کر اپنے اپنے کوارٹروں کی طرف چلے گئے تھے۔ رحمان اور طوبی، طارق، خلیل اور سعدیہ کے ساتھ ان کے کوارٹر میں آئے۔ جب سب بیٹھ گئے تو طوبی نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق! میں نے تمہیں کہا تھا کہ اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی تیار رکھنا۔“

طارق اپنی جگہ سے اٹھا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ پھر اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لاکر اس نے طوبی کے سامنے رکھ دی اور کہنے لگا۔ ”یہ لو! فوٹو کاپی۔ لیکن تم اس کا کرو گی کیا؟“

طوبی اٹھ کھڑی ہوئی۔ طارق کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ شناختی کارڈ کی کاپی اس نے تیار رہنے دی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ اپنی گاڑی کی طرف گئی۔ گاڑی سے کچھ کاغذات لے کر آئی پھر کاغذات اس نے طارق کے سامنے رکھے اور کہنے لگی۔ ”جہاں جہاں نشان لگے ہیں وہاں دستخط کرو۔ یہ بنک اکاؤنٹ کھولنے کے کاغذات ہیں۔“

طارق نے تیز نگاہوں سے طوبی کی طرف دیکھا۔ احتجاجی انداز میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ڈاکٹر رحمان بول پڑا۔ ”بیٹے! فکر مند ہونے اور احتجاج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں اپنا اکاؤنٹ کھولنا اہم اور ضروری ہے۔ تم جس کمرشل میں طوبی کے ساتھ کام کرو گے اس کا تمہیں خاصا معاوضہ ملے گا۔ جو فرم معاوضہ دے گی وہ کیش نہیں کر اس

لگا جیسے وہ خیالوں کی سنہری کشتیوں میں بے نام وانجان جزیروں کے مسافر ہوں اور یہاں شام میں شکست آرزو کا شکار ہو گئے ہوں۔ شہنائی روتے ہوئے بکھرے مسلے لوگوں کی بھری داستان بیان کر رہی تھی۔ کمرے کی فضاؤں کے اندر شہنائی کی آواز اس طرح بڑبڑا رہی تھی جیسے بے پراڑوں کی وادیوں میں ہر نفس لرز شوش میں ڈوب کے رہ گیا ہو۔ یہاں تک کہ طارق نے شہنائی، بجانی بند کر دی پھر شہنائی اپنے سامنے اس نے میز پر رکھ دی۔

اس موقع پر ڈاکٹر رحمان نے بولتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔ ”پہلے سلطان نے جو حالات بیان کئے اس نے سب کو اداس کر دیا تھا۔ اس کے بعد جو ہماری بہن سعدیہ نے عہدہ گائیکی میں غزل گائی اس نے یہاں بیٹھے سب لوگوں پر غمگینی، جلتی بجھتی روشنی کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ طارق بیٹے! وہی غزل جو تم نے شہنائی پر سنائی تو یوں لگا پھر آنکھوں کی راہداریوں میں آنسو بھرے جذبوں کی محرابیں کھڑی ہو گئی ہوں۔ میں اور طوبی دونوں باپ بیٹی تم سب لوگوں کے بے حد ممنون اور شکر گزار ہیں کہ ہماری خاطر دعوت کا اہتمام کیا۔ اس کے بعد ہماری بہن سعدیہ، طارق اور خلیل نے عہدہ گائیکی ہمیں نوازا۔“

ڈاکٹر رحمان مزید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس موقع پر سلطان کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور رحمان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”ڈاکٹر صاحب! اگر ہماری بہن سعدیہ کی غزل اور شہنائی نے آپ کو اداس کر دیا ہے تو اس کا اداسی کا بھی ہمارے پاس ہے۔ اگر ہم لوگ آپ پر ایسی کیفیت طاری کر سکتے ہیں تو اس کا تریاق بھی پیش کرتے ہیں۔“ پھر سلطان نے عمارت کے سب مکینوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”میرے عزیزو! سب مل کر ذرا میا والا گانا سناؤ پھر دیکھو اس کمرے کے اندر کیسی کیفیت طاری ہوتی ہے۔“

سلطان کے ان الفاظ پر عمارت کے سارے مکین اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ تخریم بھی میں شامل تھی۔ طبیلوں کا جویٹ میز پر رکھا ہوا تھا ان میں سے ایک طارق نے اٹھالیا، خلیل نے سنبھال لیا تھا۔ پھر دونوں مل کر طبیلوں پر ایک خاص دھن بجانے لگے تھے تھوڑی دیر تک دھن بجتی رہی۔ پھر جب طارق نے اشارہ کیا تو جہاں آراء بیگم کو چھوٹا

چیک دے گی۔ کراس چیک تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کروایا جائے گا۔ فکر مند مت ہو۔ تمہارے ساتھ کوئی دھوکہ فریب تو نہیں کریں گے۔ ذرا دستخط کرو جہاں جہاں طوبی ہے۔“

طارق بیچارہ شرمندہ سا ہو گیا۔ بنک اکاؤنٹ کے فارم اور کارڈ دونوں پر اس نے جبر طوبی نے کہا دستخط کر دیئے تھے۔ طوبی اپنی جگہ پر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔ ”اگر اب ہمیں چلنا چاہیے۔“ اور اس کے ساتھ ہی طوبی، رحمان دونوں نے سعدیہ سے اجازت لی۔ کمرے سے نکلے۔ خلیل اور طارق دونوں ان کے ساتھ تھے۔ طوبی اور رحمان کا ریل کر بیٹھے ہاتھ ہلاتے ہوئے طارق اور خلیل دونوں نے انہیں الوداع کہا۔

☆

طارق رولٹا پر لیس پر کام کر رہا تھا کہ کیبن سے شیراز نے آواز دے کر پکارا۔ ”طارق ہاں کر آؤ تمہارا فون ہے۔“

طارق نے مشین بند کر دی۔ بھاگتا ہوا کیبن میں داخل ہوا۔ جب اس نے ریسور اٹھایا درہی طرف سے طوبی کی آواز سنائی دی۔ ”طارق! کیسے ہو؟“

طارق اس کی آواز پہچان گیا۔ دھیمے سے لہجے میں کہنے لگا۔ ”ٹھیک ہوں۔“

طوبی کی آواز پھر سنائی دی۔ ”کتنی دیر تک چھٹی کرو گے؟“

”کوئی گھنٹے بھر تک۔“

طوبی کی پھر گنگنائی، مسکراتی سی آواز سنائی دی۔ ”اچھا میں ایک گھنٹے تک آتی ہوں۔ مجھے تم سے انتہائی ضروری کام ہے۔“ اس کے ساتھ ہی طوبی نے ریسور رکھ دیا تھا۔

طارق نے بھی ریسور رکھ دیا۔ کیبن سے باہر نکلا اور اپنے کام میں لگ گیا تھا۔ ٹھیک ایک گھنٹے بعد طوبی کی گاڑی پریس کے سامنے آکر رکی۔ گاڑی کو لاگ کرنے کے بعد وہ عمارت میں داخل ہوئی۔ سیدھی کیبن میں آئی۔ اندر شیراز حساب کتاب کرنے میں مصروف تھا۔ کیبن میں داخل ہوتے ہی طوبی نے اسے سلام کیا۔ شیراز کچھ پریشان سا ہو گیا اس لئے کہ طوبی کو پہلے دیکھا ہوا نہیں تھا۔

شیراز اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔ ”بیٹا جی! آپ کو کوئی کام ہے؟“

طوبی مسکرا دی اور کہنے لگی۔ ”میں طارق کی کزن ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے فون بھی کیا تھا۔ آپ نے اس سے میری بات بھی کروائی تھی۔“

شیراز مسکرا دیا۔ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ”بیٹھو! بیٹھو! میری بلڈ بس تھوڑی دیر تک کام بند کرنے لگے ہیں۔ پھر تم طارق کو لے جانا۔“

طوبی بیٹھ گئی۔ شیراز نے آواز لگائی۔ ”طارق! تھوڑا بہت جو کام سے جلدی ختم کرو۔“

دیکھو! تمہیں کوئی لینے آیا ہوا ہے۔“

طارق کیمین کے پاس آیا۔ طوبی کو اندر بیٹھے دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے چہرے نمودار ہوئی۔ پھر کہنے لگا۔ ”میں بس تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔“ پھر وہ وہاں سے ہٹا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ لباس تبدیل کر کے آیا۔ اسے دیکھ کر طوبی بھی کھڑی ہو گئی۔ دونوں نے شیراز کو خدا حافظ کہا۔ عمارت سے نکلے۔ دونوں جب گاڑی میں آکر بیٹھے طارق نے طوبی کو مخاطب کیا۔ ”تمہارا کہیں جانے کا پروگرام تو نہیں؟“

طوبی نے گھورنے کے انداز میں اسے دیکھا۔ ”کیوں خیریت تو ہے؟“

”آج مجھے تنخواہ ملی ہے نا۔ میں چاہتا ہوں اپنی عمارت کے سب لوگوں کے لئے ملے کر جاؤں۔ ان کا منہ میٹھا کروانا ضروری ہے۔“

طوبی مسکرا دی اور کہنے لگی۔ ”ہاں۔ میں تمہارا مطلب سمجھ گئی ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی اس نے کار اشارت کر دی۔ کار کو نکال کر سرکلر روڈ پر لائی۔ سرکلر روڈ سے لوڑ مال، مال سے وہ مال پر آئی۔

اس دوران طارق نے احتجاج کیا۔ ”کدھر جا رہی ہو؟“

طوبی نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی شہد بھری آواز کار میں ہوئی۔ ”ریگل چوک جا رہی ہوں۔ وہاں سے مٹھائی لیں گے پھر تمہارے گھر کا رخ کرے گا۔“

طارق خاموش رہا۔ کار بھاگتی رہی۔ یہاں تک کہ طوبی نے گاڑی نرالا باؤس کے بلانے لاکھڑی کی۔ اندر کاؤنٹر پر جانے کے بعد طوبی نے آرڈر دیا۔ ”ایک ایک کلو کے چھ بیک بنادیں۔“

طارق نے اس موقع پر گھور کر دیکھا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ طوبی نے فوراً اپنے ہونٹوں انگلی رکھی۔ پھر اس کے قریب گئی اور رازداری میں کہنے لگی۔ ”یہاں کچھ کہنے کی کوئی مت کرنا۔ دکان ہے لوگ تماشا دیکھیں گے۔ اگر تم نے کچھ کہا بھی تو میں تمہاری بات مانوں گی۔ جو کچھ میں کر رہی ہوں ٹھیک ہے۔“

چھ پیکٹ جب بن کر کاؤنٹر پر آ گئے تو طوبی نے پے منٹ کر دی۔ تین بنڈل طوبی

خود اٹھائے۔ تین کی طرف اس نے اشارہ کر کے طارق سے کہا۔ ”یہ تین بنڈل اٹھاؤ۔ ہڈی میں بیٹھو۔“

طارق بالکل خاموش تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی بتاتی تھی کہ طوبی کی اس حرکت کو اس نے ناپسند کیا ہے۔ اس نے تین بنڈل اٹھائے اور طوبی کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ طوبی نے کار کا پچھلا دروازہ کھولا تینوں بنڈل وہاں رکھ دیئے۔ طارق سے بھی اس نے تین بنڈل لے کر پچھلی نشست پر رکھ دیئے۔ پھر وہ اسٹیرنگ پر بیٹھی۔ دروازہ کھولا اور طارق کو اندر بیٹھنے کے لئے کہا۔ طارق جب بیٹھ گیا تو غصے میں طوبی کو مخاطب کیا۔ ”تمہاری یہ حرکت مجھے پسند نہیں آئی۔ یہ مٹھائی کے چھ بنڈل ایک ایک کلو کے تم نے کیوں لئے ہیں؟ کیا کرنے ہیں؟“

طوبی نے خفگی بلکہ بیزارگی میں کہا۔ ”کبھی کبھی چپ بھی ہو جاتے ہیں۔ چھ بنڈل پورے بننے ہیں۔ ایک تمہارے لئے، دوسرا میا کے لئے، تیسرا از رگونہ لوگوں کے لئے، چوتھا تحریم لوگوں کے لئے، پانچواں ثروت لوگوں کے لئے، چھٹا اللہ بخش اور بجا خان کے لئے۔ اب بتاؤ پورے ہیں کہ نہیں؟“

طارق نے پھر ڈانٹ دینے والے انداز میں کہنا شروع کیا۔ ”پر تمہیں اتنا اہتمام کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں تو ایک کلو مٹھائی لینا چاہتا تھا اور سارے گھروں میں بانٹ دینا چاہتا تھا۔ تم نے اتنا بڑا اہتمام کیوں کیا۔ بتاؤ تمہارے کتنے پیسے لگے؟ میں پے منٹ کرتا ہوں۔“

طوبی تھوڑی دیر تک سنجیدہ بیٹھی طارق کو گھورتی رہی۔ طارق نے پھر کہنا شروع کیا۔ ”اب مجھے گھورتی کیوں ہو؟ بتاتی کیوں نہیں؟ تمہارے کتنے پیسے لگے؟“

طوبی نے فوراً طارق کا کان پکڑ لیا اور اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہنے لگی۔ ”زیادہ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے پے منٹ کر دی ہے۔ میں مانتی ہو تمہیں آج تنخواہ ملی ہے۔ تمہارے پاس بہت پیسے ہیں۔ لیکن اترانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ خرچ کیا ہے یوں جانو اپنی خوشی کی خاطر کیا ہے۔ اب زیادہ احتجاج نہ کرنا، نہ مجھ سے روٹھنے کی کوشش کرنا۔ ورنہ تم جانتے ہو میں منانا خوب اچھی طرح جانتی ہوں۔“

طارق پہلے سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔ ”نہیں طوبی! یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اس طرح میرا ضمیر اپنے آپ کو مجرم خیال کرتا ہے اور تمہارے احسانات کا بوجھ مجھ پر بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔“

ابھی میں مرنا نہیں چاہتا۔“

طوبی نے فوراً رفتار کم کر دی۔ طارق کی آواز پھر سنائی دی۔ ”یہ آخر اتنے احسانات تم مجھ پر کیوں کر رہی ہو؟ تم نے اپنے پاس سے رقم جمع کیوں کرائی؟ کیا اتنا کافی نہ تھا کہ میں نے تمہارے ساتھ کمرشل میں کام کرنے کی حافی بھری۔ جو پے منٹ ان کی طرف سے مجھے ملی تھی وہی رقم تم میرے اکاؤنٹ میں جمع کراتیں۔ اپنے پاس سے تم نے رقم جمع کیوں کرائی؟“

طوبی نے گاڑی چلاتے چلاتے اس کی طرف دیکھے بغیر کہنا شروع کیا۔ ”طارق! ہر معاملے میں میری خوشی پر لات مارنے کی کوشش مت کرو۔ بس میں اپنی خوشی کی خاطر جو کرتی ہو وہ کرتی رہوں گی۔ یاد رکھنا میری کسی بات پر ناراض ہونا نہ خفگی کا اظہار کرنا۔“

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر طارق بول پڑا۔ ”جو کچھ تم کر رہی ہو اگر اس کی خبر تمہاری نظر آئی تو ہو گئی تو وہ تمہارا جینا حرام کر دے گی۔ جاتی ہو ایسی سخت اور بد مزاج عورت دنیا کے آخری کونے میں بھی نہیں ملے گی۔ کیوں اس کے ہاتھوں اپنا جینا حرام کراتی ہو؟“

ایک ہاتھ اسٹیرنگ پر رکھتے ہوئے دوسرا ہاتھ طوبی نے طارق کے کندھے پر رکھا۔ پھر اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگی۔ ”طارق! فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر میری آنٹی ہٹلر ہے تو میں بھی اس سے کم نہیں۔ ایسا بیچ ماروں گی کہ زندگی بھر یاد رکھے گی۔“

طارق مسکرا دیا اور کہنے لگا۔ ”اپنی آنٹی کے ساتھ بھی کرانے تھیو گی؟“

طوبی منہ سے کچھ نہ بولی۔ مسکراتے ہوئے اس نے اپنی گردن اثبات میں ہلا دی تھی۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ اس کے بعد طوبی پھر بول پڑی۔ ”طارق! تمہیں میرے متعلق فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو اپنانے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں اگر میری آنٹی نے آڑے آنے کی کوشش کی تو میں اس کی کوئی بات نہیں مانوں گی۔ اگر اس نے میرے ساتھ بد معاملگی کا ثبوت دیا تو پھر میں اس کا گھر چھوڑ کر اپنی دادی کے گھر چلی جاؤں گی۔ مجھے اس کے پاس رہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔“ طارق نے طوبی کی اس گفتگو کا کوئی جواب نہ دیا۔

گاڑی چلتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ پاکستان کو امرتسر میں داخل ہوئے۔ گاڑی طوبی نے اٹھ کھڑی کی جہاں وہ پہلے کھڑی کیا کرتی تھی۔ طارق نے پچھلا دروازہ کھول کر سارے

طوبی بھی سنجیدہ ہو گئی۔ ”طارق! اس بات کو اتنا سنجیدہ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر میں نے تمہاری خوشی کی خاطر کچھ پیسے خرچ کئے ہیں تو یاد رکھنا میرے پیسے بھی تمہارے ہیں۔ کیا ہم ایک دوسرے کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے لئے نہیں جن چکے؟ کیا میرا حق نہیں بننا کہ میں تمہیں خوش، تمہیں ہنستا مسکراتا دیکھوں؟ بس! اس موضوع پر گفتگو بند کرو۔ میں ایک نیا موضوع چھیڑنا چاہتی ہوں۔“

طارق نے تیز نگاہوں سے طوبی کی طرف دیکھا۔ ”کیا کوئی اور بھی کام کر رکھا ہے؟“ طوبی مسکرا دی۔ کہنے لگی۔ ”میں نے کچھ نہیں کر رکھا۔ وہ میں نے تم سے جو اکاؤنٹ فارم پر دستخط کروائے تھے اس سلسلے میں بات کرنی ہے۔ اس کے ساتھ ہی گاڑی کاڈیش بورڈ طوبی نے کھولا اور ایک چیک بک اس نے طارق کی گود میں رکھ دی۔

”دیکھو طارق! میں نے ایک کام کیا ہے۔ پہلے تم میرے ساتھ وعدہ کرو کہ ناراض نہیں ہو گے پھر میں بتاؤں گی کہ میں نے کیا کام کیا ہے۔“ طارق نے خفگی میں کہا۔ ”میں تمہارے ساتھ کوئی وعدہ نہیں کرتا۔ پہلے بتاؤ تم نے کیا کیا ہے؟“

طوبی نے اپنا سراسٹیرنگ پر رکھ دیا۔ ”جاؤ! پھر نہیں بتاتی۔ کہا تو ہے اگر تم ناراض نہیں ہو گے تو ساری بات بتا دوں گی۔ اگر تم نے ناراض ہونے والی بات کی تو میں نہیں بتاؤں گی۔“

طارق چلا اٹھا۔ ”اچھا بتاؤ! کیا بات ہے۔ نہیں ناراض ہوتا۔“

طوبی نے سر اٹھایا۔ مسکرائی۔ پھر کہنے لگی۔ ”پہلی بات تو یہ کہ جس کمرشل میں تم نے میرے ساتھ کام کیا تھا وہ آج ٹی وی پر آن ایئر جائے گا۔ دوسری بات یہ کہ اس کمرشل کی پے منٹ مل گئی ہے۔ میں نے تم سے ناراض نہ ہونے کا وعدہ لیا ہے بات یہ ہے کہ میں نے اپنے پاس سے بھی کچھ رقم تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کرا دی ہے۔ اب نہ منہ بسورنا نہ ناراض ہونے کی کوشش کرنا۔“

اس کے ساتھ ہی طارق کا جواب سنے بغیر طوبی نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور رفتار خاصی تیز کر دی۔

طوبی اٹھوڑا سا ہی آگے گئی ہو گی کہ طارق نے اس کا بازو مکا ۱۱ ”صدمہ، آہ۔“ حلاؤ۔

ہیں۔ ان تینوں کو دیکھتے ہوئے جہاں آراء مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ ”یہ تم تینوں ایک ماٹھ آئے ہو۔ بڈل بھی اٹھائے ہوئے ہو کیا بات ہے؟“

طارق نے تحریم سے ایک بڈل لیا۔ پھر وہ بڈل جہاں آراء کے قریب رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”آج مجھے تنخواہ ملی ہے۔ تنخواہ کی خوشی میں یہ مٹھائی ہے۔ خوشی میری ہے لیکن میا! مٹھائی طوبیٰ نے خریدی ہے۔ وہ نیچے بیٹھی ہوئی ہے۔“

قبل اس کے کہ جہاں آراء کچھ کہتی زرگونہ اور تحریم کے ساتھ طارق باہر نکل گیا۔ پھر ثروت کے کوارٹر کے سامنے آیا۔ اندر ثروت، اس کی ماں، اس کا بیٹا خرم تینوں بیٹھے ہوئے تھے۔ طارق، زرگونہ اور تحریم کو دیکھتے ہوئے ثروت کھل سی اٹھی۔ تینوں کو اندر آنے کے لئے کہا۔ طارق آگے بڑھا اور ثروت کو اس نے مخاطب کیا۔ ”آپنی! یہ آپ کے حصے کی مٹھائی ہے۔“

اس کے ساتھ ہی جب طارق مڑنے لگا تو ثروت آگے بڑھی۔ طارق کا اس نے شانہ پکڑ لیا اور کہنے لگی۔ ”بھائی! مٹھائی تو ہو گئی۔ پر آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ کس بات کی؟“

طارق مڑا۔ کہنے لگا۔ ”آپنی! مجھے آج تنخواہ ملی ہے۔ اسی خوشی میں یہ مٹھائی ہے۔“ پھر طارق، زرگونہ اور تحریم باہر نکل گئے۔ نیچے اترے۔ طارق سیدھا عمارت کے اس حصے کی طرف آیا جہاں زرگونہ لوگوں کا قیام تھا۔ باہر کھڑے ہو کر طارق نے زور سے آواز دی۔ ”مورو! آپ کہاں ہیں؟“

اندر سے گل سانگا کی آواز سنائی دی۔ ”طارق! آ جاؤ بیٹے۔ ذرا سہری ہے۔ اسی وجہ سے دروازہ بند کر رکھا ہے۔“

طارق، زرگونہ اور تحریم کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اندر گل سانگا اور اس کے دونوں بیٹے علی خان اور مراد خان بیٹھے ہوئے تھے۔ طارق نے گل سانگا کو مخاطب کیا۔ ”مورو! آج مجھے تنخواہ ملی ہے۔ یہ میری بہن زرگونہ کے ہاتھ میں جو مٹھائی کا بڈل ہے یہ آپ کا ہے۔ مورو! اب میں جاتا ہوں۔ بھوک لگی ہے کھانا کھاؤں گا۔“ اس کے ساتھ ہی طارق باہر نکلا۔ تحریم اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ زرگونہ اپنے کمرے میں رہ گئی۔ طارق اپنے کوارٹر میں داخل ہوا۔ تحریم اس کے ساتھ تھی۔ طارق، سلطان کے قریب بیٹھ گیا۔ تحریم طوبیٰ کے نزدیک ہو بیٹھی۔

بڈل دونوں ہاتھوں میں لے لئے۔ پھر طوبیٰ کے ساتھ وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ اندر پہلے سے طارق کی امی، خلیل اور سلطان بیٹھے ہوئے تھے۔ عین اسی موقع پر زرگونہ اور تحریم بھی کمرے میں داخل ہوئیں۔ بڑے خوش کن انداز میں وہ دونوں طوبیٰ سے بیٹھے پھر زرگونہ نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق بھائی! یہ جو اتنے بڈل آپ نے اٹھا رکھے تھے ان میں کیا ہے؟“

طارق نے تھوڑی دیر مسکراتے کے بعد زرگونہ کی طرف دیکھا۔ زرگونہ میری بہن! بڈل بڈل میں نے سامنے رکھے ہیں ذرا گنواؤ کتنے ہیں؟“

زرگونہ اور تحریم دونوں آگے بڑھیں۔ بڈل گنے پھر طارق کی طرف زرگونہ نے دیکھا۔ ”بھائی جان! چھ بڈل ہیں۔“

طارق نے کچھ سوچا۔ پھر کہنے لگا۔ ”سنو میری عزیز بہنو! یہ مٹھائی کے چھ بڈل ہیں۔ آج مجھے تنخواہ ملی ہے اسی خوشی میں یہ مٹھائی ہے۔ مٹھائی میں نے نہیں طوبیٰ نے خریدی ہے۔ تم دونوں بہنیں ایسا کر دو و بڈل یہیں پڑے رہنے دو۔ ایک ہمارا، ایک سلطان صاحب اور تحریم کا باقی چاروں بڈل اٹھاؤ اور دونوں بہنیں میرے ساتھ آؤ۔“

زرگونہ اور تحریم دونوں نے دو دو بڈل اٹھا لئے۔ پہلے وہ اللہ بخش اور بجار خان کے کمرے میں آئے۔ طارق کو دیکھتے ہوئے دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سے پر جوش انداز میں ہاتھ ملایا۔ پھر طارق نے انہیں مخاطب کیا۔ ”میرے دونوں بھائیو! کیا کر رہے ہو؟“ اللہ بخش نے جواب دیا۔ ”کرنا کیا ہے؟ ابھی کھانا کھا کر فارغ ہوئے ہیں۔“

طارق نے زرگونہ کو مخاطب کیا۔ ”زرگونہ! ایک بڈل دو۔“ زرگونہ سے طارق نے ایک بڈل لیا اور بجار خان کو تھمایا۔ ”یہ مٹھائی ہے۔ آج مجھے تنخواہ ملی ہے اسی خوشی میں لائی گئی ہے۔ یہ تم دونوں بھائیوں کا حصہ ہے۔“

بجار خان اور اللہ بخش دیکھتے رہ گئے۔ زرگونہ اور تحریم کے ساتھ طارق باہر نکل گیا۔ پھر وہ اوپر چڑھے۔ جہاں آراء کے کمرے کے پاس آئے۔ باہر کا دروازہ بند تھا۔ طارق نے دروازے پر کھٹک کیا۔ پھر آواز بھی دی۔ ”میا! میں طارق ہوں۔ اندر آ جاؤں؟“

اندر سے جہاں آراء کی شفقت بھری آواز سنائی دی۔ ”آ جاؤ بیٹے۔“ طارق نے دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوا۔ پیچھے پیچھے تحریم اور زرگونہ بھی داخل

پھر طارق نے سلطان کو مخاطب کیا۔ ”انکل! آپ نے کھانا کھانا ہے یا کھا چکے ہیں؟“ سلطان نے اپنے سفید بالوں میں ہاتھ پھیرا پھر کہنے لگا۔ ”بیٹے! میں اور تحریم، بھاری اور اللہ بخش کے ساتھ کھانا کھا چکے ہیں۔ میں جانتا ہوں تمہیں بھوک لگی ہے تم کھانا کھاؤ گے۔ آج تم لوگوں کی باندی میری بیٹی تحریم نے پکائی ہے۔ سودا خلیل لے آیا تھا۔ باقی ہمارا کام تحریم نے کیا ہے۔ ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ خلیل نے روٹیاں لاکر ہاٹ پائٹ کر رکھی ہیں۔ ابھی گرم ہی ہیں۔ بیٹھ کر کھاؤ۔ طوبی بیٹی کو بھی بھوک لگی ہوگی۔“

طارق نے سلطان کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ پھر خلیل کو اس نے کھانا لگانے کے لئے کہا۔ چھوٹے سے میز پر کھانا لگا دیا گیا۔ طارق، طوبی، خلیل اور سعد یہ چاروں نے مل کر کھا لیا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد طارق نے ہاتھ صاف کئے۔ پھر طوبی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”طوبی! میرے خیال میں تم جاؤ۔ تمہیں دیر ہو جائے گی۔ تمہاری آنٹی بڑی جبر جنگ جنگجو ہے۔ کہیں تمہارے ساتھ جھگڑا ہی نہ کر بیٹھے۔“

طوبی جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ سلطان بول پڑا۔ ”نہیں بیٹے! طوبی کو تو ہونے دیر رکھنے دو۔ میں ایک انتہائی اہم موضوع پر تم لوگوں سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

پھر سلطان نے تحریم کی طرف دیکھا۔ ”تحریم میری بیٹی! تم ذرا اپنے کمرے میں جاؤ۔ تحریم چپ چاپ اٹھی اور باہر نکل گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد کمرے میں خاموشی رہی۔

پھر سلطان بول پڑا۔ ”طارق میرے بیٹے! مجھے تمہارے آنے کا انتظار تھا۔ میں اپنی بہن سعدیہ سے ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا تھا لیکن اس گفتگو کے دوران تمہاری موجودگی لازمی سمجھتا تھا۔ اس گفتگو کے دوران خلیل کا ہونا بھی لازمی ہے۔

ابھی آگئی ہے یہ بھی بہتر ہو گیا۔ میرے بچو! اور میری بہن سعدیہ! جو بات میں کرنا چاہتا ہوں وہ انتہائی اہم ہے۔ یہ میرا فیصلہ نہیں بلکہ ایک تجویز ہے۔ اسے تم لوگ رد بھی کر سکتے ہو اور قبول بھی کر سکتے ہو۔ تم لوگ جانتے ہو میری بیوی، میرے بچے دشمنوں نے ہلاک کر دیئے تھے۔ خداوند قدوس نے تحریم کی صورت میں بیٹی عطا کر دی ہے۔ جب وہ مجھے

کہہ کر پکارتی ہے تو یوں جانو میں اپنا بڑھاپا بھول جاتا ہوں۔ میرے جسم کے اندر ایک عجیب سی توانائی آ جاتی ہے اور مجھے فخر محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک بیٹی کا باپ ہوں۔“

تھوڑی دیر تک سلطان خاموش رہا۔ اس کے بعد اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ ”ایک باپ کے کندھوں پر بیٹی کا فرض ادا کرنا سب سے اہم اور زیادہ ذمہ داری خیال کی جاتی ہے اور میں بھی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا چاہتا ہوں۔ تحریم کیسی ہے۔ کس جہنم سے ہرے پاس پہنچی ہے اس سے سب لوگ واقف ہیں۔ سعدیہ میری بہن! طارق میرے بیٹے! میرے ذہن میں یہ تجویز ہے کہ تحریم کو خلیل کے ساتھ بیاہ دیا جائے۔ اگر خلیل اس پر رضامند ہو تب ورنہ نہیں۔ سب سے پہلے خلیل کا عہدہ اور ارادہ جانا جائے اس کے بعد کوئی فیصلہ کیا جائے۔“

سلطان کے خاموش ہونے پر طوبی فوراً بول پڑی۔ ”انکل! یہ بہت اچھا فیصلہ ہے۔ اس طرح تحریم یہاں اکیلا اپن اور اجنبیت محسوس نہیں کرے گی۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اگر معاشرے نے اسے داغ دار کر دیا ہے تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔ اگر زبردستی اسے بے آبرو بنا دیا گیا ہے تو اس میں اس پاکیزہ لڑکی کا کیا قصور؟ میرے خیال میں میرے بھائی خلیل کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

اس موقع پر طوبی ہی نہیں سلطان، سعدیہ اور خود طارق بھی سوالیہ سے انداز میں خلیل کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ خلیل نے سب کی استغناء مہیہ نگاہوں کا جائزہ لے لیا تھا۔ کچھ دیر وہ خاموش رہ کر سوچتا رہا۔ پھر بول پڑا۔ ”سلطان انکل! میں جانتا ہوں جلادوں بھرے اس معاشرے میں امیدوں کے سورج اکثر گہنا دیئے جاتے ہیں۔ کلیاں زخم زخم، غنچے لبو لبو کر

دیئے جاتے ہیں۔ جوان لڑکیوں کو بے آبرو کر کے جینے مرنے کی الجھن میں ڈال دیا جاتا ہے۔ بدنامی کا داغ لگا کر احساس کی ہر کرن کی طرح راہوں کی سیاہیاں بننے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ جھوٹے، سچے روگ لگا کر یہاں چاہتوں کے قافلے لوٹ لئے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں

انسان شای ختم ہو چکی ہے۔ چہروں کے اڑھام میں صرف مصلحت پرستی کی دلدلیں کھڑی کر دینے والے بے شمار لوگ ملتے ہیں لیکن تپتے لبوں پر قطرہ شبنم رکھنے والا کوئی نہیں ملتا۔

وقت کے ساگر میں کسی کی زبان پر حرف حق نہیں آتا۔ تہذیب کے ساحل پر انسان کو محبت اور انانیت کی بشارت دینے والے کم اور شکست ایمان کا باعث بننے والے زیادہ لوگ ملتے ہیں۔ انکل سلطان! تحریم کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اس میں تحریم بالکل بے قصور ہے۔ قصور وار معاشرہ اور وہ ماحول ہے جس میں اس بیچاری نے پرورش

محبوبہ کہہ کر پکارنے لگی ہے۔ تو نے میرے ماضی کی محرومی کو بالکل مٹا کر رکھ دیا ہے۔
میری بی بی باپ کی حیثیت سے میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میں تیرے گھر کو آباد
رہوں۔ تیری شادی کا اہتمام کروں۔“

سلطان مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی تحریم بول پڑی۔ ”ابا! آپ کیسی باتیں
رہتے ہیں؟ آپ جانتے ہیں میں ایک خطا کار اور بے آبرو لڑکی ہوں۔ میرا اس معاشرے
میں تعلق ہے جہاں کسی ایک فرد کے اشارے پر بستیاں مٹ جاتی ہیں، وادیاں جلادی جاتی
ہیں۔ جہاں سرکش اور بے زنجیر شیرے جوان لڑکیوں، مسکراتی کنواری دوشیزاؤں کو لحوں
کے اندر بے آبرو کر دیتے ہیں۔ میں اس بخار زدہ معاشرے اور رعشہ بر اندام معاشرے
میں تعلق رکھتی ہوں جہاں لڑکی کو زندگی کی کراہوں میں ڈبو کر بدنامی کی دہلیز پر کھڑا کر دیا
جاتا ہے تاکہ بیتہ وقت کی داستان بن کر اپنی زندگی کے باقی لحوں کو گزارتی رہے۔“

تھوڑی دیر کے لئے تحریم رکی۔ پھر اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ ”ابا! میں تو ویران
لپے کی شب کا بدنام سایہ ہوں۔ مجھے کوئی شام الم زندہ جان کر کہاں صبح گل ترکی طرح گلے
لگے گا۔ مجھ بدنام اور بے آبرو لڑکی کو کون اپنے صحن کی شاخ کا پھول، اپنے گلستان کے
دلتے کی جھلمل بنانا پسند کرے گا۔ بدنامی اندھیرے کا دوسرا نام ہے اور ابا! اندھیرے میں
بازار صفحات کو کون پڑھتا ہے۔ کون بدنامی سے الٹی گرد والے ماضی میں جھانکتا ہے۔
مجھے خوشی ہے کہ آپ نے مجھے ایک باپ کا پیار دیا ہے۔ مجھے یہ بھی خوشی ہے کہ یہاں آکر
مجھے عزت اور وقار ملا جس کی اپنے معاشرے میں، میں حق دار نہ تھی۔ اس کے باوجود ابا!
میں تو درد منہ ہوں، خوابوں کا کھونا سکھ، زہر آلود ایک پودا ہوں۔ مجھے کون اپنی امیدوں کی
بائوٹی میں جھاننا پسند کرے گا؟“

تحریم جب خاموش ہو گئی تب سلطان نے کہنا شروع کیا۔ ”بیٹی! میں بڑی سطحی طور پر
تیرے ساتھ گفتگو نہیں کر رہا۔ میں، طوبی اور طارق دونوں کو ساتھ لے کر آیا ہوں۔ میں
سناٹے لوگوں کا بھی انتخاب کر لیا ہے جو تجھے اپنے صحن کا پھول بنا کر رکھیں گے۔ جو تجھے
گلستان کا ایک تروتازہ گل سمجھ کر گلے سے لگائیں گے۔ تیری عزت افزائی کریں گے۔ تیرا
بہترین استقبال کریں گے۔ بیٹی! اگر تجھے ایسے لوگ ملیں جو تیرا ماضی جاننے کے باوجود
تیری قدر دانی کریں، تجھے بیٹی اور بہن سمجھ کر وہ عزت دیں جس کی تو حق دار ہے تو میری

پائی۔ قصور ان وڈیروں، ان جاگیر داروں کا ہے جو مزارعوں کو اپنی مرضی، اپنی خواہشوں
بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ آپ نے مجھے جو پیشکش کی ہے پہلے اس سلسلے میں تحریم سے بات
لیں۔ اگر تحریم میرے ساتھ زندگی گزارنے پر آمادگی کا اظہار کر دے تو سلطان انکل امیر
اسے قبول کر لوں گا بلکہ میں اسے اپنی حیات کی مشعل جان کر رکھوں گا۔ ایسی لڑکیوں کو اپنے
اور انہیں آباد کرنا نہ صرف یہ کہ ہمارے معاشرے کی ضرورت ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ
میں خداوند قدوس کی رضا مندی اور خوشنودی بھی ہے۔ انکل! آپ میری رضا مندی
میرے ارادے کی کوئی پروا نہ کیجئے۔ میں بخوشی تحریم کو اپنانے کے لئے تیار ہوں۔“

خلیل کا یہ جواب سن کر سلطان ایسا خوش ہوا کہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ آگے بڑھ کر
اس نے خلیل کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اور کہنے لگا۔ ”میرے بچے! تو نے میری بے خوب
آنکھوں کے خوبصورت سپنوں کو ایک معنویت عطا کر دی ہے۔ تو نے میرے حزن و غم
کی شدت کو نفرت کی آگ بننے سے بچا لیا ہے۔ میں تیرے فیصلے کو سلام کرتا ہوں۔“

اس موقع پر سعدیہ اور طارق ہی نہیں طوبی بھی مسکراتے ہوئے خلیل کی طرف دیکھ
رہے تھے۔ سب بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

پھر سلطان نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق! میرے بیٹے! تم میرے ساتھ آؤ۔ اس
سلسلے میں تحریم سے بھی بات کرتے ہیں۔ اس کے بعد یہ معاملہ پکا کرتے ہیں۔ اگر تحریم اپنی
رضا مندی کا اظہار کر دیتی ہے تو آج سے خلیل اور تحریم ایک دوسرے سے منسوب ہو
جائیں گے اور پھر مناسب موقع جان کر ہم ان دونوں کی شادی کر دیں گے۔“

سعدیہ اور طارق دونوں نے اس سے اتفاق کیا۔ اس موقع پر طوبی بھی کھڑی ہو گئی اور
سلطان کی طرف دیکھا۔ ”انکل! آپ اگر براندہ مانیں تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟“
سلطان منہ سے کچھ نہ بولا۔ بس مسکراتے ہوئے جب اس نے اثبات میں گردن ہلادی
طوبی بھی طارق اور سلطان کے ساتھ ہوئی تھی۔

جب تینوں سلطان کے کمرے میں داخل ہوئے تو تحریم اس وقت اپنے بستر پر بیٹھی
گہری سوچوں میں غرق تھی۔ ان تینوں کو دیکھتے ہوئے وہ اپنی جلد پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ تینوں
آگے بڑھ کر کمرے میں لگی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ پھر تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد سلطان
نے تحریم کو مخاطب کیا۔ ”تحریم میری بیٹی! مجھے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ

بیٹی! کیا تو اس ماحول کو اپنا ناپسند کرے گی؟

تحریم جواب میں مسکراتی رہی۔ پھر بول پڑی۔ ”ابا! کیا اس زمین پر ایسا معاشرہ ہے جیسی بدنام اور بے آبرو لڑکی کو بھی تختن کا پائیزہ و پھول سمجھ کر گلے لگانا پسند کرے؟“ اس بار سلطان کی بجائے طارق بول پڑا۔ ”تحریم! میری بہن سن! وہ معاشرہ کی کسی دوسری بستی، اس ملک کے کسی دوسرے شہر میں نہیں اس عمارت کے اندر ہے۔ تجھے خلیل کے ساتھ منسوب کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کوئی امیر باپ کا بیٹا نہیں۔ ہم دونوں پر محنت مزدوری کر کے گزر بسر کرتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر تو خلیل کو اپنا ناپسند کرتی تو میری بہن! میں تجھے اپنی بہن سمجھ کر، میری ماں سعدیہ تجھے اپنی بیٹی سمجھ کر تیرے ساتھ دانی کریں گے کہ تو اپنے ماضی کی ساری گرد کو بھول جانے گی۔ اب بتا کیا تو خلیل کے اپنا رشتہ جوڑنے پر آمادہ ہے؟“

قبل اس کے کہ تحریم بولتی۔ طوبی نے کہنا شروع کیا۔ ”تحریم! میری بہن! یہ موجودگی میں اس سلسلے میں خلیل سے بات ہو چکی ہے۔ اس نے تمہیں اپنانے کی حافی پر ہے۔ اس نے ایسے عمدہ ڈانیا لگ بولے ہیں کہ میں دنگ رہ گئی ہوں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر تحریم مجھ سے وابستہ ہونے پر رضا مندی ظاہر کر دے تو میں اسے اپنی حیات مشعل بنا کر اس کی قدر دانی کروں گا۔ اب تم بتاؤ تم کیا کہتی ہو؟“

تحریم کی گردن تھوڑی دیر کے لئے جھکی، شرماتی رہی۔ کبھی کبھی دزدیدہ لگا ہوں۔ سلطان، طارق اور طوبی کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ پھر دھیمے سے لہجے میں کہنے لگی۔ ”اگر غیر اس سلسلے میں حامی بھر چکا ہے اور آپ لوگوں کا بھی یہی ارادہ ہے تو میں آپ کی خواہش احترام کرتی ہوں۔ اگر طارق بھائی مجھے اپنی بہن، سعدیہ اماں مجھے اپنی بیٹی بنانے کا ارادہ چکے ہیں تو پھر میں ان کے ارادے کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوش قسمتی اور سعادت جان کر قبول کرتی ہوں۔“

تحریم کے اس جواب پر طوبی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ تحریم کو اس نے گلے لگائے اس کا چہرہ، اس کی پیشانی، اس کی آنکھیں چوم لیں۔ پھر طارق اٹھا اور سلطان کو مخاطبہ کے کہنے لگا۔ ”انکل! آپ کو مبارک ہو۔“

سلطان بھی کھڑا ہو گیا اور تحریم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”تحریم! میری بیٹی! ابا

کی حیثیت سے آج میں تمہیں خلیل کے ساتھ منسوب کرتا ہوں۔ تو اسے مل سکتی ہے تو اس کے پاس بیٹھ سکتی ہے۔ تم دونوں ایک دوسرے کے مزاج کے شناسا بھی بن چو۔ میری بیٹی! اس خوشی میں جو مٹھائی ہے اس میں سے ہمیں بھی کچھ کھلا دو۔“

تحریم مسکراتی ہوئی ایک طرف گئی۔ مٹھائی کا ڈبہ اس نے کھولا۔ باری باری تینوں کے میں اس نے مٹھائی ڈالی۔ پھر تینوں باہر نکلے۔ کمرے سے باہر آنے کے بعد طوبی نے کچھ چڑی، کمرے میں داخل ہوئی۔ تحریم کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لائی پھر چاروں سعدیہ طفل کے پاس آئے۔ اس کے بعد سلطان نے سعدیہ کو مخاطب کیا۔ ”سعدیہ! میری حاجی موضوع پر آپ اور خلیل سے گفتگو کر کے گئے تھے اسی موضوع پر تحریم سے بات ہوئی ہے۔ طوبی، تحریم کو اپنے ساتھ گھسیٹ کر لے آئی ہے۔ تحریم اس وقت آپ کے سامنے کھڑی ہے۔ اس نے خلیل کو اپنانے پر رضا مندی کا اظہار کر دیا ہے۔ میں آج یہ تحریم کو خلیل کے ساتھ منسوب کرتا ہوں۔“

دھیل چیئر پر بیٹھے ہی بیٹھے تحریم کو گلے لگانے کے لئے سعدیہ نے جب اپنے بازو بھانے تو تحریم بھاگ کر آگے بڑھی اور سعدیہ سے اپٹ گئی تھی۔ سعدیہ نے اسے جی بھر لے چار کیا۔ پھر اپنے قریب ہی کرسی پر بٹھالیا۔ اس کے بعد اس کو مخاطب کیا۔ ”بیٹی! میں تجھے آج سے خلیل کی منسوبہ سمجھتی ہوں۔ میری بیٹی! آج سے تو اس گھر کی مالک بن۔ اب ہم سب مناسب موقع جان کر تیرا اور خلیل کا بیاہ کر دیں گے۔“ تحریم اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔ طوبی کہنے لگی۔ ”میں اب جاتی ہوں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ طارق نے جب اسے جانے کے لئے کہہ دیا تو وہ باہر نکلی اور کار میں بیٹھ کر چلی گئی۔ پھر طارق باہر نکلا اور عمارت کے سارے لوگوں کو خلیل اور تحریم سے منسوب کئے جانے کی اطلاع دینے لگا تھا۔

☆

بچنے لگے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ڈرامہ شروع ہوا تو سب دنگ رہ گئے اس لئے کہ جواشتہار آیا فاس میں طوبی کے ساتھ طارق تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے۔ وہ کسی فرم کے کپڑوں کی نمائش کر رہے تھے۔

یہ اشتہار دیکھ کر نجم السحر کے چہرے پر دور دور تک غضب ناک اور آنکھوں میں نفرت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ ڈاکٹر رحمان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ احسن بھی غصہ میں ہانپنے کی طرح چپ گیا تھا۔ ثانیہ اور شمرہ بالکل مطمئن تھیں۔

تاہم خاموشی رہی۔ ڈرامے کے دوران چار بار وہ کمرشل آیا۔ یہاں تک کہ اپنے غصہ اور نفرت کو نجم السحر قابو میں نہ رکھ سکی۔ رحمان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”دیکھا آپ کی ذمیل اور زیادہ محبت کا نتیجہ۔ یہ اسی کمینے اور دو نکلے کے لڑکے کے ساتھ کمرشل میں آئی ہے اور دیکھو کیسی بے باکی کے ساتھ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے۔ اس نے اس کے ہاتھ کو نہیں تھا بلکہ یہ اس کے ہاتھ کو تھامے ہوئے ہے۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی بے حیائی اور گھٹیا پن ہو سکتا ہے کہ یہ میرے بیٹے پر اس لڑکے کو ترجیح دے رہی ہے جس کے پاس رہنے کے لئے کوئی گھر نہیں۔ کرائے کے دو کمروں میں رہتا ہے۔ یہ باتیں آپ نے مجھے بتائی تھیں۔“

یہاں تک کہتے کہتے نجم السحر رک گئی۔ اس لئے کہ کوٹھی کے صحن میں گاڑی داخل ہونے کی آواز سنائی دی تھی۔ اس پر رحمان بول پڑا۔ ”چپ رہو۔ میرے خیال میں طوبی آ گئی ہے۔“

تھوڑی دیر بعد طوبی کمرے میں داخل ہوئی۔ قہر آلود انداز میں اس کو دیکھتے ہوئے نجم السحر برس پڑی۔ ”کہاں سے آرہی ہے اس وقت؟“

طوبی نے نجم السحر کے بولنے کے انداز کو خاصا محسوس کیا تھا۔ لمحہ بھر کے لئے اس نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر لا پرواہی کے سے انداز میں کہنے لگی۔ ”آنٹی! آپ جانتی ہیں کہ میں جھوٹ بولنے کی عادی نہیں۔ میں طارق کے ہاں سے آرہی ہوں۔“

نجم السحر پھر برس پڑی۔ ”اسی بد تمیز کے ہاں سے جس کا نام لینا ہی مجھے زہر لگتا ہے۔“ طوبی آگے بڑھ کر ثانیہ اور شمرہ کے پاس بیٹھ گئی۔ پھر نجم السحر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”آنٹی! یہ ضروری تو نہیں کہ جو چیز آپ کو زہر لگے وہ دوسروں کو بھی زہر

ڈاکٹر رحمان، مسز رحمان، ان کی دونوں بیٹیاں ثانیہ، شمرہ اور بیٹا احسن فی وی بیسٹ۔ فی وی دیکھ رہے تھے کہ نجم السحر نے اپنے شوہر ڈاکٹر رحمان کو مخاطب کیا۔ ”میرے ہوں کہ آپ نے طوبی کو بے جا لٹ اور ڈھیل دے رکھی ہے۔ دیکھیں رات کا کیا ہوا وہ ابھی تک نہیں آئی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ اس وقت اپنے دفتر میں ہے تو میں اسے کرنے کو تیار نہیں۔ میرے خیال میں وہ اسی لڑکے کے پاس گئی ہو گی جس کو وہ مل رہا ہے۔ جس کا نام طارق ہے۔ آپ اسے سمجھا دیں۔ مجھے مجبور نہ کرے کہ میں غیبت آؤں۔“

نجم السحر کو کہتے کہتے رک جانا پڑا وہ اس لئے کہ رحمان بول پڑا۔ ”یہ لیکچر کی گروہ کرو۔ طارق طوبی کا کلاس فیلو ہے۔ وہ شروع سے اسے پسند کرتی ہے تم کیوں اس کی پسند آڑے آنا چاہتی ہو۔ کیا تم اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑ سکتی ہو؟“

نجم السحر برس پڑی۔ ”آپ کس قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔ وہ میری بھتیجی ہے۔ میرا شدہ بیٹے کی منسوبہ ہے۔ میں اسے کیسے اس کے حال پر چھوڑ دوں۔ اگر میرا وہ بیٹا نہیں ہے تو میں اسے کہیں باہر نہیں جانے دوں گی۔ احسن سے اس کا نکاح کروں گی۔ اگر اس کی ماں نہ بھی ہوئی تو یہ کام میں زبردستی بھی کروادوں گی۔“

رحمان نے اسے گھور کے دیکھا اور پھر کہنے لگا۔ ”فی الحال تو اس موضوع کو بند نہ کریں۔ فی وی کے سامنے اس لئے بیٹھا ہوں کہ آج میری بیٹی کا کمرشل آنے والا ہے۔ اس نے خود کام کیا ہے۔ تھوڑی دیر میں ڈرامہ لگنے والا ہے۔ اسی ڈرامہ میں اس کا کمرشل بلانا ہے۔ لہذا پہلے مجھے کمرشل دیکھنے دو اس کے بعد اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔“

رحمان کے کہنے پر نجم السحر خاموش ہو گئی۔ ثانیہ، شمرہ اور احسن بھی خاموش ہو گئے۔

ون گی۔ اور اگر آپ ایسا نہیں کر سکتیں تو پھر آپ خواب اوڑھ کر جینا بند کر دیں۔ اس طرح آپ مجھے بھی دوزخ مزاج، اجنبیت اور سوچوں کا سیر بنانے کی کوشش نہ کریں۔ آپ نے اپنی پہلی شادی اوروں کے مطابق کی۔ اس کا کیا انجام ہوا آپ جانتی ہیں۔ اب آپ مجھے بھی اسی جہنم میں دھکیلنا چاہتی ہیں۔ میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔ آپ کو تو پتہ ہے کہ جس بیٹے سے آپ مجھے منسوب کر رہی ہیں وہ اس وقت مجبور یوں کے کس حصار میں زندگی گزار رہا ہو گا۔ لاچارگی کے کس بھنور میں دھکے کھا رہا ہو گا۔ بے بسی کے کن خوابوں کے کن سلسلوں میں زندگی کے دن اور رات کی کڑیاں ملا رہا ہو گا۔ میں آپ سے کہتی ہوں آپ اپنی طرح مجھے وقت کی موجوں میں قہر بھری روایات کا شکار نہ بنائیں۔ میں آپ سے یہ بھی کہتی ہوں کہ رشتوں کی خوشبو کا گچ سے نازک خوابوں کی طرح ہوتی ہے۔ اگر آپ نے کاغذ کے ان خوابوں کو توڑنے کی کوشش کی تو یاد رکھئے! میرے اور آپ کے راستے مختلف اور جدا ہو جائیں گے۔

اگر آپ مجھے زیادہ تنگ کریں گی تو میں آپ کا گھر چھوڑ دوں گی۔ ابھی میری دایہ زندہ ہے۔ دایہ اماں کے گھر چلی جاؤں گی۔ وہاں خاناماں اور اس کی بیوی رہتے ہیں۔ جب تک میری دایہ اماں نہیں لوٹیں میں ان کے ساتھ رہ سکتی ہوں۔ آنٹی! آپ ایک اور بات بھی کان کھول کر سن لیں۔ اگر آپ نے یہ تمہیہ کیا ہوا ہے کہ آپ کا گم شدہ بیٹا نہ ملا تو آپ میری ٹھادی احسن سے کر دیں گی تو یہ آپ کی خام خیالی ہے۔ احسن اس وقت میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ انکل بھی موجود ہیں۔ آپ بھی ہیں، ثانیہ اور شمرہ بھی موجود ہیں۔ میں سب کی موجودگی میں کہتی ہوں کہ احسن اگر ایک ہزار بار بھی زم زم میں نہا کر میرے سامنے آ جائے تب بھی میں اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔“

تھوڑی دیر کے لئے طوبی رکی۔ اس کے بعد بڑی بے باکی سے کہتی چلی گئی تھی۔ ”آنٹی! نہال تک طارق کا سوال ہے جسے آپ زہر سمجھتی ہیں اور جس کا نام ہی آپ کو زہر لگتا ہے میں اس کے متعلق بھی آپ کو بتاتی جاؤں۔ آپ کا وہ بیٹا جو گم ہو چکا ہے آپ کا اصل بیٹا جو آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہے اور خاندان کے سارے لڑکے جو مجھے اپنانے کے خواہش مند ہیں سب کو ایک لائن میں کھڑا کر دیا جائے اور ان کے سامنے طارق کو کھڑا کر دیا جائے تو آنٹی! اس طارق کے سامنے میری نگاہوں میں یہ سارے بیچ اور کم تر ہیں۔“

محسوس ہو۔ ہو سکتا ہے جو چیز آپ کے نظریہ میں زہر ہو وہ اوروں کے لئے امرت ہو۔ تریاق ہو۔“

نغم السحر نے پہلے جیسے انداز میں پھر بولنا شروع کیا۔ ”کیا تم اس حقیر انسان سے متعلق ہوتی اچھی لگتی ہو؟ ذرا اس کے اور اپنے فرق کو تو محسوس کرو۔ کہاں وہ کہاں تم۔“ طوبی کا لہجہ ابھی تک ٹھنڈا اور نرم تھا۔ دوبارہ بول پڑی۔ ”میں سمجھتی ہوں اس میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں۔ دو ٹانگیں میری ہیں دو اس کی۔ دو ہاتھ میرے ہیں دو اس کے ہیں۔ دو کان، دو آنکھیں اس کی بھی ہیں میری بھی۔ پھر آپ ہی بتائیں مجھ میں اور اس میں کیا فرق ہے؟“

نغم السحر اس بار پہلے سے زیادہ کھولتے ہوئے لہجے میں بول پڑی۔ ”طوبی تمہیں یہ بات اپنے ذہن سے نہیں نکالنی چاہئے کہ تم میرے بیٹے کی منسوب ہو۔ وہ ہمیں مل گیا تو اس سے تمہیں بیاہ دیا جائے گا اور اگر وہ نہیں ملتا تو یاد رکھنا تمہیں احسن کے ساتھ زندگی گزارنا ہو گی۔“

نغم السحر کے ان الفاظ سے طوبی کا رنگ غصے میں سرخ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ سوچتی رہی۔ ضبط کرتی رہی۔ پھر بول پڑی۔ ”آنٹی! اچھا ہوا آپ نے اس موضوع پر مجھ سے کھل کر بات کر لی۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ آپ کا بیٹا کہاں ہے؟ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ نریشہ چوتھائی صدی سے آپ نے اس کا چہرہ کیوں نہیں دیکھا؟ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ چوتھائی صدی سے آپ نے اسے اپنی مامتا سے کیوں محروم رکھا؟ آنٹی! خوابوں اور سرائوں میں بھاگتا ترک کر دیں۔ کھلے حقائق کو سراپ مت سمجھیں۔ سوچوں اور دوسو سوں کے جزیروں سے باہر نکلیں۔ میں آپ کی طرح ریت کے گولوں کے پیچھے بھاگنے والی لڑکی نہیں ہوں۔ کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کے گمشدہ بیٹے کو پتھر کا خود ساختہ بت سمجھ کر اپنے جسم کے پھول اس پر چڑھاتی رہوں اور روح کی تشنگی کا شکار ہوتی رہوں؟ نہیں! ہرگز نہیں! آپ خود تو یہ پتہ نہیں کہ آپ کا بیٹا کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ حسد کے اس نگار خانے میں بے غبار موسموں میں وہ کہاں ہے؟ دھکے کھاتا پھر رہا ہو گا آندھیوں میں جلتے چراغ کی طرح۔ کہاں زندگی کی بقا کے لئے ٹھنڈا پھر رہا ہو گا۔ جائیں! اپنے بیٹے کو پکڑ کر لائیں۔ اسے میرے سامنے لا کر کھڑا کریں۔ اگر وہ میرے معیار پر پورا اترتا تو میں اس سے نکال کر با

چہ گاتو کیا وہ ہمیں ہمارے اس کام پر شاباش دیں گی؟ پسندیدگی کا اظہار کریں گی؟ ہرگز نہیں۔“

ڈاکٹر رحمان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور نجم السحر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”نجم! تمہارے اور ہم سب کے لئے بہتر یہی ہے کہ کوئی بھی فیصلہ طوبیٰ پر ٹھونسنے کی کوشش مت کرو۔ اپنی زندگی کا ساتھی چننے کے لئے اسے آزادی ہے اور ہونی چاہئے۔ تم ایک ایسی لڑکی کو اپنی روایات اور اپنی خواہشوں کا امیدوار بنانا چاہتی ہو جس نے زندگی کا ایک بڑا حصہ ہمیکہ میں گزارا ہے۔ وہاں کے کلچر سے تم آشنا ہو۔ پھر ایک ایسی لڑکی پر جبر کا بوجھ لادنا چاہتی ہو جس کی ماں امریکن تھی۔ کیا وہ تمہاری ان روایات کو قبول کرے گی؟ تمہارے اس جبر کے بوجھ کو برداشت کرے گی؟ بہتر یہی ہے کہ اس کے کسی کام میں مداخلت مت کرو۔ اسے مت مجبور کرو کہ وہ تمہارے اس گم شدہ بیٹے کا انتظار کرتی پھرے جس کے متعلق تمہیں خود کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ اب میں اس موضوع پر نہ زیادہ سننا چاہتا ہوں اور نہ کہنا چاہتا ہوں۔ میں جا کر سونے لگا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی رحمان وہاں سے چلا گیا تھا۔

☆

طارق پریس پر بری طرح مصروف تھا کہ کہین کے اندر سے شیراز نے اسے آواز دی۔ ”طارق! بھاگ کر آؤ۔ جلدی کرو کوئی تم سے ملنا چاہتا ہے۔“

طارق نے پریس پر کام کرنے کا لباس پہنا ہوا تھا جگہ جگہ سے کالا ہو رہا تھا۔ مشین اس نے بند کر دی۔ جب وہ شیراز کے کہین میں داخل ہوا تو دنگ رہ گیا۔ اندر ایک کرسی پر نجم السحر بیٹھی ہوئی تھی۔ شیراز اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور طارق کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”ان خاتون نے اپنا تعارف مجھ سے کر لیا ہے۔ یہ تم سے کچھ کہنا چاہتی ہیں۔ یہاں بیٹھو جو کچھ یہ کہتی ہیں سنو۔“ اس کے ساتھ ہی شیراز نکل کر باہر چلا گیا تھا۔

شیراز کے جانے کے بعد نجم السحر کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی۔ پھر طارق کو مخاطب کیا۔ ”تم نے مجھے پہچانا؟“

طارق نے بھی نور سے نجم السحر کی طرف دیکھا۔ ”جی! پہچان چکا ہوں۔ اس سے پہلے دو بار آپ سے معرکہ آرائی ہو چکی ہے۔ ایک بار سڑک کے کنارے، دوسری بار آپ کے

اس کے ساتھ ہی طوبیٰ اپنی جگہ سے اٹھی اور غصے میں پاؤں پیختی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔

اس گفتگو سے نجم السحر کی سٹی گم ہو گئی تھی۔ کچھ دیر خاموش بیٹھی سوچتی رہی۔ رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”یہ طوبیٰ کیا باغی پن کا اظہار نہیں کر رہی؟ بھلا پر نہیں اتر رہی؟“

رحمان کچھ دیر دھیرے دھیرے مسکراتا رہا۔ پھر نجم السحر کو مخاطب کیا۔ ”وہ بھلا نہیں کر رہی۔ بلکہ تم اسے بغاوت کرنے پر اکسار ہی ہو۔“

نجم السحر کی بجائے احسن بول پڑا۔ ”ابو! آپ اس کی غلط طرف داری کرتے ہیں۔ نے جو کچھ کہا ہے وہ درست ہے۔ اسے خاندان سے باہر نہیں جانے دیا جائے گا۔“

اس بار ثانیہ بول پڑی۔ ”تم غلط کہتے ہو۔ وہ ہماری بہن ہے قیدی نہیں ہے کہ ہم۔ خاندان سے باہر نہیں نکلنے دے رہے۔ اس پر کسی طرح کی پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔“

آزادی ہے وہ جسے چاہے اپنی پسند بنائے اور جس کو چاہے اپنی زندگی کا ساتھی بنائے۔ اگر اس کو صدیوں پہلے کی جاہل لڑکی سمجھ کر ناروا سلوک نہ کریں ورنہ یاد رکھئے گا وہ ایسی بغاوت پر اترے گی کہ سب کو بدنام کر کے رکھ دے گی۔ بہتر یہی ہے کہ اس کے کسی کام میں مداخلت نہ کریں۔ اسی میں ہماری بہتری ہے اور پھر وہ ہماری بہن ہے۔ اس کا خیال رکھنا،

فرض ہے۔ اس کی خواہش کا احترام کرنا ہم پر لازم ہے۔“

جب تک ثانیہ بولتی رہی نجم السحر اور احسن کھا جانے والے انداز میں اس کو گھورتے رہے۔ رحمان مسکراتا رہا۔ ثمرہ بھی مسکراتی رہی۔ اس کے خاموش ہونے پر نجم السحر بڑی۔

پڑی۔ ”ایک تو تم دونوں بہنیں بھی ناجائز اس کی طرف داری کرتی ہو۔ تم دونوں نے اس کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔“

اس بار ثمرہ نے اپنی ماں کو جواب دیتے ہوئے کہا شرع کیا۔ ”ماما! آپ غلط کہتی ہیں۔ ہم نے اس کا دماغ خراب نہیں کیا بلکہ آپ اس پر اپنا فیصلہ مسلط کر کے اس کا دماغ خراب کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ماما! وہ آپ کو صاف دھمکی دے گئی ہے کہ اگر کوئی فیصلہ اسے مسلط کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ یہاں سے چلی جائے گی۔ اس کا یہاں سے جانا کیا ہمارے لئے بدنامی کا باعث نہ ہو گا؟ جب وہ یہاں سے ان حالات میں جائے گی اور نانی ماں کو

ہسپتال میں۔ آج یہ تیسرا موقع ہے۔ کہنے کیا کہنا چاہتی ہیں؟“

نجم السحر فوراً بغیر کسی تمہید کے اپنے موضوع پر اتر آئی۔ ”میں تم سے یہ کہنے آئی کہ طوبیٰ سے ملنا ترک کر دو۔“

طارق کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر ایک دم سنجیدگی چھا گئی اور لگا۔ ”خاتون! آپ کس قسم کی گفتگو کر رہی ہیں؟ کیا آپ ایسا موقع بنا سکتی ہیں کہ میں نے ملنے کے لئے کہیں گیا ہوں۔ میں نے تو آپ کی وہ رہائش گاہ بھی دیکھی جہاں رہتی ہے۔ پھر آپ کیسے کہتی ہیں کہ میں اس سے ملنے جاتا ہوں۔ کیا آپ نے مجھے کبھی ملنے کو بلتے دیکھا ہے؟“

طارق کے ان الفاظ پر نجم السحر کو کچھ ندامت تو ہوئی لیکن بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بول پڑی۔ ”لیکن وہ تو تمہیں ملنے آتی ہے۔“

”اگر وہ ملنے کے لئے آتی ہے تو یہ میرا قصور ہے یا میں اسے بلاتا ہوں کہ مجھے ملنے لے آؤ؟ یا کبھی آپ نے دیکھا ہو کہ میں نے اسے فون کیا ہو اور بلایا ہو کہ میرے ہاں آؤ؟ پھر آپ کس طرح مجھے کہہ سکتی ہیں کہ میں اس سے ملنا چھوڑ دوں۔“

نجم السحر نے ندامت بھرے انداز میں کہنا شروع کیا۔ ”جب وہ تم سے ملنے کے لئے آئے تو اسے ملنے سے انکار کر دو۔“

طارق نے اس بار زور دیتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”خاتون! آپ کس قسم کی گفتگو کر رہی ہیں؟ آپ ہاتھ گھما کر ناک کو کیوں پکڑنا چاہتی ہیں؟ سیدھا راستہ اختیار کیوں نہیں کرتیں؟ آپ طوبیٰ کو سمجھا دیں کہ وہ مجھ سے نہ ملا کرے۔ اسے منع کر دیں کہ مجھ سے نہ ملے۔ اسے منع کر دیں کہ وہ مجھ سے نہ ملے۔ اس میں اس کا نقصان ہے۔ اس طرح سارے کام سیدھے ہو جائیں گے۔ آپ کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔ ہاں اگر میں کبھی اسے ملنے گیا ہوں تو پھر آپ مجھ سے کہہ سکتی ہیں کہ میں اس سے ملنا ترک کر دوں۔ اگر میں نے ایسا کیا ہو تو تو قسم نہ دے کہ میں آپ سے وعدہ کر لیتا کہ میں اسے ملنے نہیں جاؤں گا۔ جب وہ خود ملنے آتی ہے تو یہ آپ کا کام ہے کہ اسے روکیں کہ وہ مجھ سے ملنے نہ آیا کرے۔ اگر آپ روک دیں تو میں اسے وعدہ کرتا ہوں کہ میں کبھی اسے نہ کہوں گا کہ وہ مجھے ملے، نہ ہی میں اس سے ملنے کی کوشش کروں گا۔ اب آپ مجھ سے کیا کہلوانا چاہتی ہیں؟ اگر آپ اسے نہیں روک سکتے

میں منع نہیں کر سکتیں تو پھر آپ مجھ سے تو نہ کہیں کہ اس سے ملنا چھوڑ دوں۔ وہ میری کون فیوری ہے۔ اگر وہ یہاں آتی ہے تو میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ یہاں سے چلی ہے۔ اگر وہ میرے ہاں آتی ہے تو میں کس منہ سے اسے کہوں کہ وہ میرے گھر سے چلی ہے۔ کیا میں ایسا کہہ سکتا ہوں؟ آپ یہاں آفس میں آئی ہیں کیا میں آپ سے کہہ سکتا ہوں کہ یہاں سے چلی جائیں؟“

نجم السحر نے اس بار خفگی اور غصے میں کہنا شروع کیا۔ ”ہاں! تم ایسا کہہ سکتے ہو۔ تمہیں ایسا کہنا چاہئے۔ میں تمہیں تنبیہ کرتی ہوں بلکہ وارننگ دیتی ہوں کہ اگر تم اور طوبیٰ مزید آپس میں ملتے رہے تو یہ بات طوبیٰ کے لئے کم اور تمہارے لئے زیادہ نقصان کا باعث ثابت ہو گی۔ تم شاید ہم لوگوں کے مزاج سے آشنا نہیں ہو۔ تمہاری ایک معذور ماں ہے۔ چھوٹا بھائی ہے۔ ان کے لئے بھی مصیبتیں کھڑی کرنے کی کوشش مت کرو۔ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو یاد رکھنا اپنے آپ کو تو تم مصیبتوں میں ڈالو گے ساتھ میں اپنے چھوٹے بھائی اور ماں کو بھی لے ڈوبو گے۔“

اس کے ساتھ ہی نجم السحر اٹھ کھڑی ہوئی۔ طارق بھی کھڑا ہو گیا۔ کسی قدر غصے میں مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”خاتون! آپ حد سے بڑھ کر گفتگو کر رہی ہیں۔ مجھے سمجھانے کی بجائے جا کر اپنی بیٹی کو سمجھائیں کہ وہ مجھ سے ملنا ترک کر دے۔ رہا سوال میرے یا میرے ماں بھائی کے نقصان اٹھانے کا تو آپ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو دوسروں پر ڈالنے کی کوشش مت کریں۔ جب آپ اپنے گھر کو نہیں سنوار سکتیں، اپنے صحن کو صاف نہیں رکھ سکتیں تو دوسروں کے صحن کی طرف اشارہ کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے۔“

نجم السحر نے طارق کی ان باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ بس غصے میں پاؤں بٹختی ہوئی وہ باہر نکل گئی۔ گاڑی میں بیٹھی اور وہاں سے چلی گئی تھی۔

☆

سہ پہر کے وقت طوبیٰ پریس میں داخل ہوئی۔ اندر کیبن میں شیراز اور کاشف بیٹھے تھے۔ طوبیٰ جب کیبن میں داخل ہوئی تو دونوں اس کے احترام میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

طوبیٰ نے شیراز کو مخاطب کیا۔ ”آپ دونوں بیٹھے ہیں۔ کیا طارق چھٹی کر کے جا چکا

طارق بچارہ ہار مانتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ طوبی نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ سرکلر روڈ سے نکل کر وہ لوہڑ مال پر چڑھے۔ ناصر باغ کے قریب آکر طوبی کو طارق نے مخاطب کیا۔ ”طوبی! یہاں گاڑی روکو ذرا مجھے کام ہے۔“

طوبی نے فوراً گاڑی روک دی۔ طارق نے اس موقع پر طوبی کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔ ”طوبی! میرا خیال ہے جو کچھ آج ہوا یا جو کچھ حادثہ پیش آیا ہے اس کی تفصیل شہر ازیا کاشف میں سے کسی ایک نے تمہیں بتا دی ہے۔ اب جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں غور کرو۔ سنو۔ اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔ طوبی! آج سے یہ سمجھنا کہ ہم دونوں سپنوں کے شہر کی دلکش گلی میں تھوڑی دیر کے لئے اکٹھے رہے۔ اس لئے کہ تمہارے گھر والے یعنی تمہاری آنٹی تمہیں کسی اور گھر کی شمع فروزاں بنانا چاہتی ہے۔ ہم کتنی ہی ایک دوسرے سے محبت کریں۔ کتنے ہی ایک دوسرے کو چاہیں۔ جب رکاوٹیں سچ میں آتی ہیں، مخالفت کی قیامت خیز آندھیاں چلتی ہیں تو یاد رکھنا بڑے جابر، بڑے بڑے سرکش لوگ اپنے ارادوں کو تبدیل کر دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ میں تو تمہارے مقابلے میں خالی جھولی کا انسان ہوں اور مجھے اپنی تہی دامانی کا احساس بھی ہے۔ جب اپنوں کی مخالفت اٹھ کھڑی ہوتی ہے تو بڑے بڑوں کو ستارے بھی لہو رنگ دکھائی دینے لگتے ہیں کہ زہر کا جام پینے پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں۔ طوبی! تم صبح کے ستارے کی مانند ہو۔ میں تمہیں قیامت کی سحر جیسا نہیں بنانا چاہتا۔“

یہاں تک کہتے کہتے طارق رک گیا۔ طوبی نے دیکھا اس کے زرد چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔ لگتا تھا اس کے سینے میں غموں کی برفانی آندھیاں چل رہی ہوں۔ اس کی حالت دیکھتے ہوئے طوبی دکھ اور غم میں پگھل اور شپٹا کر رہ گئی۔ طوبی کچھ کہنا چاہتی تھی کہ طارق بھرپور پڑا۔ ”طوبی! جو حالات آج سامنے آئے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ اب تمہارے اور میرے لئے ہر سمت دام ہی دام بچھے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میں اور تم دونوں عمر بھر غمناک چوب کی طرح سلگتے رہیں۔ طوبی! میں یہ تو برداشت کر لوں گا چاہے معاشرے کے فرعون میرے لہو کی حرارت کو بھاپ بنا دیں، میرے بدن کی ہڈیاں پٹخا کر رکھ دیں اور میری صدیوں کی مسافتوں کو خراشوں میں تبدیل کر دیں۔ میں اپنے لئے ہر لذت کو برداشت کر لوں گا لیکن میں تمہارے ماتھے پر اداسی کی لہریں نہیں دیکھ سکتا۔ میں

ہے؟“

شیراز اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر طوبی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”بیٹی! وہ گلیاں نہیں بیٹھو وہ پریس کے بائیں طرف جو چھوٹا کمرہ ہے وہاں لباس تبدیل کر رہا ہے۔ اس جگہ والا ہے۔“ اس کے ساتھ ہی طارق کو آواز دیتے ہوئے شیراز زور زور سے پکارا۔ اس کے بعد اس نے اختصار کے ساتھ طوبی کو نجم السحر کے آنے اور اس کی گفتگو کی خبر بھی کہہ دی تھی۔

چھوٹے کمرے کی طرف سے طارق کا کوئی جواب نہ ملا تب شیراز نے کاشف کی طرف دیکھا۔ ”کاشف! ذرا جا کر دیکھو طارق کیا کر رہا ہے۔ ابھی تک اسے لباس تبدیل کرنے کا وقت نہیں چاہئے تھا۔“

کاشف کیمن سے اٹھ کر باہر نکلا۔ چھوٹے کمرے کی طرف گیا۔ پھر جلدی لوٹ آیا۔ طوبی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”وہ پچھلے دروازے کی طرف سے نکل گیا ہے۔ خیال ہے وہ آپ سے ناراض ہے۔ آپ کو اس نے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔“

طوبی فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بھاگتی ہوئی باہر نکلی۔ کار میں بیٹھی۔ تیزی سے کار کو سرکلر روڈ پر لائی تھی۔ تھوڑا سا آگے وگیں سینڈ کی طرف طارق جا رہا تھا۔ لوگوں کا کافی ہجوم تھا۔ طوبی نے اس کے قریب گاڑی کھڑی کی اور اسے آواز دے کر پکارا۔

لوگوں کے اس ہجوم میں شاید طارق بحث میں نہ پڑنا چاہتا تھا۔ رک گیا۔ گاڑی کے دروازے کے قریب آیا اور طوبی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”طوبی! پلیز! چلی جاؤ۔ یوں ہمارا امیر الملائیک قیامت کھڑی کر دے گا جو تمہارے لئے ہی نہیں میرے لئے بھی نقصان دہ ہے۔ جاؤ! میں تمہارا شکر گزار اور ممنون ہوں کہ مجھ پر اتنی مہربانیاں کیں۔ اب جاننا تمہیں تمہارے رشتہ داروں کی نگاہوں میں گرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔“

طوبی نے طارق کی بات سنی ان سنی کر دی۔ کار کا دروازہ کھولا اور دھمکی آمیز لہجہ کہنے لگی۔ ”چپ چاپ میرے ساتھ بیٹھیں۔ جو کچھ آنٹی نے آپ کے دفتر میں تماشا کیا اس کی مجھے خبر ہو چکی ہے۔ میرے ساتھ بیٹھو! میں اسی موضوع پر تمہارے ساتھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ یہاں بحث نہ کیجئے گا۔ دیکھیں کتنے لوگ جمع ہیں۔ سب کی نگاہیں ہم پر جمی ہوئی ہیں۔ گاڑی میں بیٹھیں کسی مناسب جگہ جا کر بات کرتے ہیں۔“

تمہارے گھر کے حیات بخش سکون، اور ستر کی تشہیر نہیں بنانا چاہتا۔ تمہاری زندگی یہاں تک کہتے کہتے طوبیٰ رو پڑی تھی۔ آنسو بہاتے ہوئے وہ پھر طارق کو مخاطب کر کے کے عنوان کو اس رتوں کا شکار نہیں بنانا چاہتا۔ میں نے تمہیں پایا ہے۔ تم سے محبت رہے گی۔ ”اس معاشرے میں، میں تمہیں پھر میں جی ہوئی کائی، دکھ کا بادل اور بو جھل ہے۔ لہذا تمہاری خوشی، تمہارے سکون، تمہاری شادی کی خاطر میں تم سے، اور بھی رہے ہوں۔ اور یہاں تک کہ میں تمہیں سیاح تقدیر، اندھی ظلمت کی المناک کہانی کا ہوں۔“

لحہ بھر کے لئے طارق کو خوب نے دیکھا۔ اس کے سوختے لبوں پر بے رنگ، ہلکا سا چپ جیسا کر دیں۔ اگر وہ ایسا کرنے کی کوشش کریں گے تو یاد رکھنا میں تمہارے جان ہی مسکراہٹ تھی۔ پھر جلد ہی وہ دوبارہ طوبیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے بول پڑا۔ ”طوبیٰ! اپنے تحفظ کی دیوار بن جاؤں گی۔ طارق! اپنے دل پر یہ بھی لکھ رکھو کہ تم میرے لئے سب سے میرے تمہارے درمیان ایک بہت بڑا فرق اور تفاوت ہے۔ تم روشن راستوں کی جگہاں ایک لہر ہو۔ معاشرے کے خونخوار کتوں سے میں تمہاری حفاظت کروں گی۔ تمہارے اور شاد ماں منزلوں کی مسافر ہو۔ میں اندیشوں کی دھول اور خوف و ہراس سناٹا ہوں۔ تم میرے اداسی کی تمہیں اتار پھینکوں گی۔ تمہاری قربت کا احساس ہی میری زندگی اور میرا بیٹے کل کی دلکشی اور آنے والے کل کی خوش خبری ہو، میں تو اپنے ہمزاد تک کا نا آشاہد ہوں۔ میں تمہیں اداسی کی تھکن، نارسائی کے دکھ سے نکالوں گی۔ میں یادوں کی بھٹکتی اپنے دکھ اور سکھ سے بھی بیگانہ ہوں۔ میں گزرے کل کی تخی، آنے والے کل کی بے رٹ پانہ میں ماہ و سال کی آشنائی، گلابوں کی تازہ مہک کی طرح تمہاری نگہبانی اور حفاظت ہوں۔ طوبیٰ! تم پھولوں کی پیاس بجھاتی شبنم، شاداب شکوفوں کی اڑان ہو جب کہ میں اڑوں گی۔“ اس سے آگے طوبیٰ کچھ نہ کہہ سکی۔ بس زار و قطار رونے لگی تھی۔

تمہارے مقابلے میں اشکوں کا بھجا ہوا دیا ہوں جس کے مقدر میں خوشیوں کی کوئی آہٹ۔ طارق نے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ ”اب رونے سے کیا فائدہ؟ تم اپنی جگہ مجبور جس کی قسمت میں روشنی کی کوئی کرن نہیں۔ تمہیں اپنے ساتھ گھسیٹے ہوئے میں تمہیں ہو۔ میں اپنے حالات کے اندر پھنسا ایک بے بس انسان ہوں۔ میں تمہارے رشتہ داروں کا گلیوں کی ویرانی، شگستگی کا خواب نہیں بنانا چاہتا۔ میں یہ بھی پسند نہیں کروں گا کہ تم میں معاشرے کے اندھیر کا شکار ہو جاؤ۔ میں اس بات کو بھی پسند نہیں کروں گا کہ میری محبت اور چاہت غذا یوں کا قصہ، سزاؤں کی داستان اور خطاؤں کی کہانی بن کر لوگوں کی زبان پر آئے۔“

طارق کی اس گفتگو سے طوبیٰ کی آنکھوں میں آنسو اُڑ آئے تھے۔ وہ رونے والی ہو گئی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے طارق کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”طارق! تم بھول رہے ہو۔ میں کسی بھی صورت تمہیں نہ بھول سکتی ہوں، فراموش کر سکتی ہوں نہ تمہیں چھوڑ سکتی ہوں۔ اس لئے کہ میری رگوں میں تم لہو کی گردش ہو۔ تم میرے پاؤں کی زنجیر، میری چلتی نبض کی جنبش ہو۔ طارق! تو میری صداقت کا تراشا ستارہ اور بے غم انسانوں کے گرد وہ میں محبت کی لذت کا حرم ہو۔ یوں جانو تم ہی میری آواز کی شیرینی، میری سانسوں کی مہک اور میرے دل کی صداقت ہو۔ اس اندھے معاشرے کے ماحول میں تم ہی میری چاہت کے گلابوں کی خوشبو ہو۔“

طوبیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے طارق نے پھر اسے مخاطب کیا۔ ”طوبیٰ تم زبردستی کر رہی ہو۔ ہٹ دھرمی چھوڑ دو۔ ورنہ یاد رکھنا تمہارے سارے رشتہ دار تمہارے خلاف ہو جائیں گے۔ میں تمہاری آغوش کی حالت دیکھ چکا ہوں۔ اگر اس نے پھر مجھے اور تمہیں اکٹھا دیکھ لیا تو پھر کھانا دو دونوں کے لئے مصیبت کے بادل اٹھ کھڑے ہوں گے۔“

طارق کی طرف دیکھتے ہوئے طوبیٰ کہنے لگی۔ ”میں کسی سے ڈرتی نہیں ہوں۔ میں کسی

طارق کے ساتھ ملنا ترک نہ کیا تو وہ زبردستی تمہارا نکاح احسن کے ساتھ پڑھا دے گی۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ہے لیکن وہ میری بات ماننے پر آمادہ نہیں ہے۔“

اس انکشاف پر طوبی کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ پھر اس نے رحمان کو مخاطب کیا۔ ”انکل! اگر یہ بات ہے تو میں آج ہی دادی اماں کے ہاں شفٹ ہو جاؤں گی۔ میں آپ لوگوں کے ہاں نہیں رہوں گی۔ جو سامان میرا وہاں ہے وہیں رہنے دیں۔ میں وہاں رہ سکتی ہوں اس لئے کہ وہاں خانا ماں ہے۔ اس کی بیوی ہے۔ ان کے ساتھ میں اکیلی رہ سکتی ہوں اور مجھے امید ہے دادی اماں بھی جلد آجائیں گی۔ اس کے بعد میرے بڑے دنوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔“

رحمان کچھ دیر خاموش رہا۔ شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کے بعد طوبی کو پھر اس کی آواز سنائی دی۔ ”بیٹی! اس طرح مسئلہ حل تو نہیں ہوگا۔ دادی اماں کے گھر رہنے سے بھی تم اپنی آنٹی کے ظلم و ستم کا شکار ہو سکتی ہو۔ اس سارے ڈرامے سے بچنے کے لئے تمہاری آنٹی کے سارے ارادوں کے سامنے بند باندھنے کے لئے میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے بشرطیکہ تم اسے قبول کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔“

طوبی چونک سی پڑی۔ ”انکل! کیسی ترکیب؟“

رحمان کی آواز پھر سنائی دی۔ ”بیٹی! اگر تم نے میری بیوی نجم السحر کے ارادوں سے بچنا ہے تو پھر میرے ذہن میں بس ایک ہی فیصلہ ہے کہ تم طارق سے شادی کر لو۔ فی الحال اس شادی کو خفیہ رکھا جائے گا۔ رخصتی نہیں ہوگی۔ یوں جانو صرف نکاح ہوگا۔ تم دونوں ملتے جلتے رہو گے لیکن میاں بیوی کی زندگی بسر نہیں کرو گے۔ اور تم دادی اماں کے گھر بھی شفٹ مت ہونا ہمارے ہاں ہی رہنا۔ تم جس طرح طارق سے مل رہی ہو اسی طرح اس سے ملتی رہنا۔ اگر نجم السحر نے حد سے بڑھنے کی کوشش کی تو موقع جان کر اس پر انکشاف کر دینا کہ تم کسی ایرے غیرے سے شادی کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو اس لئے کہ تم نے پہلے ہی طارق سے شادی کر رکھی ہے۔ نکاح ہو چکا ہے رخصتی ہو نا باقی ہے۔ میرے خیال میں نجم السحر پر جب یہ انکشاف ہو گا تو اپنے آپ جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گی۔ کوئی انتقامی کارروائی کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ وہ اس بات سے نفی دیتی اور خوفزدہ ہوتی ہے کہ کہیں اس کی ماں واپس آکر تمہارے سلسلے میں اس سے ناراض نہ ہو۔ لہذا جو تجویز میرے ذہن میں آئی ہے میری بیٹی! وہ میں نے تم سے کہہ دی

کی لونڈی نہیں ہوں۔ میں اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی لڑکی ہوں۔ اپنی زندگی کا ہر فیصلہ کرنے کی مجاز ہوں۔ اگر میرے ماں باپ زندہ ہوتے تو مجھے اس صورت حال کا سامنا پڑتا جس کا اب میں شکار ہوں۔ میں آپ سے قسمیہ کہتی ہوں کہ اگر میرے ماں باپ زندہ ہوتے اور انہیں خبر ہوتی کہ میں آپ کو پسند کرتی ہوں تو وہ بخوشی مجھے آپ کے حوالے دیتے۔ بہر حال میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں ان رشتہ داروں سے ڈرنے والی نہیں ہوں۔ نہ میں ان کی بات مانوں گی۔ زمانہ ادھر کا ادھر ہو جائے میں تمہیں چھوڑوں گی پھر اور اگر کسی نے تمہارے ساتھ زیادتی کی تو یاد رکھنا وہ میرے ہاتھوں اپنی جان سے ہاتھ بیٹھے گا۔ میرے رشتہ دار ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس لئے میری تم سے التماس ہے کہ میرا ساتھ دو اس لئے کہ طوبی، طارق کے بغیر نہیں رہ سکتی۔“

طارق نے طوبی کی اس گفتگو کا کوئی جواب نہ دیا۔ خاموش رہا۔ طوبی بھی خاموشی گاڑی چلاتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ پاکستان کو ارنٹز میں داخل ہوئے۔ طوبی نے گاڑی اب طرف کھڑی کر دی۔ طارق والی سائینڈ کا دروازہ کھولا اور طارق کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”تم چل کر اماں کے پاس بیٹھو میں جو حادثہ پیش آیا ہے اس کے متعلق موبائل پر انکل رحمان سے گفتگو کر کے آتی ہوں۔“

طارق چپ چاپ گاڑی سے اتر اور اپنے کمروں کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جانے بعد طوبی نے نمبر ملائے۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”ڈاکٹر رحمان!“

”انکل! میں طوبی بول رہی ہوں۔“

دوسری طرف سے پھر آواز سنائی دی۔ ”بیٹی! کیسی ہو؟ کہاں سے بول رہی ہو؟“

”انکل! میں طارق کے ہاں سے بول رہی ہوں۔ آج ایک بہت بڑا حادثہ پیش آیا۔ میں اس کی تفصیل آپ سے کہتی ہوں پھر آپ فیصلہ کریں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟“

اس کے بعد نجم السحر نے پریس میں آکر جس طرح سے طارق سے گفتگو کی تھی، ان بے عزتی کی تھی وہ ساری باتیں تفصیل کے ساتھ طوبی نے رحمان سے کہہ دی تھیں۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر فون پر ڈاکٹر رحمان کی آواز سنائی دی۔ ”اس میں نجم السحر نے میرے ساتھ بھی تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ تمہارے بارے میں بڑی برہم اور سخت پاد کھائی دے رہی تھی۔ وہ تو یہاں تک مجھے کہہ رہی تھی کہ اگر تم

ی چھنی ہے۔ جس موسیقار کے ساتھ میں کام کرتا ہوں اس کے تحت ایک میوزیکل شو ہے۔ یوں جانیں وہ ٹی وی کی ریکارڈنگ ہے۔ اس نے آپ کو ایک دوبارٹی وی پر دیکھ رکھا ہے۔ میں نے اس پر انکشاف کیا کہ آپ میرے بھائی ہیں تو وہ براخوش ہوا۔ اس نے آپ کو بلایا ہے۔ کل ویسے بھی اتوار ہے۔ آپ کی چھنی ہے۔ میرے ساتھ چلے گا۔ وہ آپ سے دوہن کام لینا چاہتا ہے۔ ایک تو آپ ایک گانے والے کے ساتھ طلبے پر سنگت دیں گے دوسرے وہ خود آپ کا گانا بھی ریکارڈ کرائے گا۔ ساتھ ہی وہ اس گانے کو شہنائی اور وائلن پر ریکارڈ کروانا چاہے گا۔ میرے خیال میں آپ کا یہ پروگرام جب ٹی وی پر آئے گا تو میری بات یاد رکھئے آپ کو شہرت ملے گی اور ہو سکتا ہے کسی اور کے ساتھ بھی آپ کو کام مل جائے۔ اس طرح ہو سکتا ہے اسی بہانے ہمارے دن پھر جائیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد خلیل تھوڑی دیر کے لئے رکا۔ اس کے بعد اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے پھر کہہ رہا تھا۔ ”گانے کے جس بول کے ساتھ آپ نے طلبے کی سنگت دی ہے اس کی دھن بھی میں لے کر آیا ہوں۔ وہ دھن میں آپ کو طلبے پر بجا کر بھی سناتا ہوں۔ ایک بار سننے کے بعد آپ مجھ سے بھی بہتر بجائے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

اس کے ساتھ ہی وہ دوسرے کمرے میں جا کر طلبوں کی جوڑی اٹھالایا۔ فرش پر بیٹھا۔ طلبوں کو گھنٹوں میں سنبھالا۔ اس کے بعد عجیب سے انداز میں دھن کے کاغذ پر دیکھتے ہوئے اس کی انگلیاں طلبے پر کھینا شروع ہو گئی تھیں۔ جب تک انگلیاں کھیتی رہیں طارق مسکراتا رہا۔ طوبی اور سعدیہ بھی خوش ہوتے رہے۔

پھر خلیل اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور طارق کو مخاطب کیا۔ ”بھائی آپ ذرا میدان میں آئیں۔“

طارق اپنی جگہ سے اٹھا اور اس جگہ بیٹھ گیا جہاں پہلے خلیل بیٹھا ہوا تھا۔ طلبوں کو اس نے انگوٹھ کی گرفت میں لے لیا۔ کاغذ گھٹنے پر رکھا۔ تھوڑی دیر کاغذ کا مطالعہ کیا۔ پھر بڑے انداز میں اس کی انگلیاں، اس کے انگوٹھے دونوں طلبوں پر کھینے لگے تھے۔ اس نے طلبے بجائے میں خلیل سے بھی کہیں زیادہ مہارت کا ثبوت دیا تھا۔ اس کو اس حالت میں دیکھتے ہوئے طوبی بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ سعدیہ کے چہرے پر بھی دور دور تک مسکراہٹ تھی۔

ہے۔ اگر تم اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو تو میں ابھی ہسپتال سے نکل کر پاکستان کو جانے کی طرف آتا ہوں۔ تم وہیں رک کر حیرا انتظار کرو۔ آج ہی طارق سے تمہارے خیال کا اہتمام کرتے ہیں اس کے بعد میرے خیال میں تمہاری آنٹی کی وجہ سے جو طوفان اٹھنے لگا اس کے سامنے اپنے آپ ایک بند بندہ جائے گا۔ اب تم بولو طارق سے نکاح کروانے پر تیار ہو؟“

جواب میں طوبی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہنے لگی۔ ”انکل! آپ کیا بات کرتے ہیں۔ تیاری کے لئے مجھے کولہو میں نیل جو تاپڑے گا؟ طارق کو اپنانے کا میں پہلے ہی فیصلہ کر چکی ہوں۔ جو تجویز آپ نے پیش کی ہے وہ مجھے بخوشی قبول ہے۔ میں اس کے لئے تیار ہوں۔ دوسری جانب سے رحمان کی خوشیاں برساتی آواز سنائی دی۔ ”تو پھر وہیں رک کر رہیں۔ ہسپتال سے نکل کر تمہاری طرف آ رہا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر رحمان نے فون کا سلسلہ بند کر دیا تھا۔

طوبی نے بھی موبائل بند کیا۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر آئی۔ جب طارق کے کوارٹر میں داخل ہوئی تو اندر طارق، خلیل اور ان کی ماں بیٹھی ہوئی تھیں۔ طوبی نے اندر داخل ہو کر سعدیہ کو سلام کیا۔ طوبی جب آگے بڑھی تو سعدیہ نے اسے اپنے بازو میں لپیٹا کر اس کی پیشانی، اس کے گال چوم لئے۔ پھر اپنے قریب ہی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کے بعد سعدیہ نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”بیٹے! میں تم سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ بہت اچھی بات ہے۔“

نے آتے ہی کہا تھا کہ تمہارے ساتھ طوبی بھی آئی ہے لہذا وہ بات میں طوبی کی موجودگی میں کہنا چاہتی تھی۔“

اس موقع پر طارق اور طوبی نے چونکنے کے انداز میں سعدیہ کی طرف دیکھا۔ پھر ہی چاہتے تھے کہ سعدیہ پھر بول پڑی۔ ”بیٹے! آج تمہارا بھائی خلیل تمہارے لئے اچھی بات لے کر آیا ہے۔“

طارق نے خوشی کے اظہار میں اپنی ماں اور خلیل کی طرف دیکھا اور پوچھ لیا۔ ”کیسی خوشخبری؟“

سعدیہ نے خلیل کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ ”خلیل! تم ہی بتاؤ۔“

اس پر خلیل، طارق کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”بھائی! کل اتوار ہے۔ پریس سے

اپر اپنے قریب ہی سلطان کو بٹھالیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر رحمان نے کہنا شروع کیا۔ ”سلطان صاحب! میں نے آج ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے آپ کو بلایا ہے۔ یہ گفتگو میں اپنی بہن سعدیہ، طارق اور خلیل کے علاوہ طوبی کی موجودگی کرنا چاہتا ہوں۔ طوبی کے حالات کا آپ کو علم ہے۔ اس کے ماں باپ بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ ایک ایکسڈنٹ ہوا جس میں دونوں مارے گئے۔ میں نے اور میری بیوی نے اس کی پرورش کی۔ بد قسمتی سے اس بچی کی سگائی اس کے ماں باپ نے میری بیوی کے بیٹے سے کر دی تھی۔ وہ بیٹا میری بیوی کے پہلے شوہر سے تھا۔ اب وہ کہیں گم ہو چکا ہے۔ میری بیوی کی مرضی ہے کہ طوبی اس کے اس بیٹے کے انتظار میں بیٹھی رہے۔ اور اگر میں بیٹھ سکتی تو پھر طوبی میرے اپنے بیٹے احسن سے شادی کرے۔ لیکن میں ان دونوں رقیوں کو ناپسند کرتا ہوں۔ طوبی کو خود بھی یہ بات پسند نہیں کیونکہ طوبی طارق کو پسند کرتی ہے اور اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتی ہے۔ میری بیوی بڑی ہٹ دھرم اور ضدی ہے۔ اتنی سخت دل نہیں۔ جب نرم ہونے پر آتی ہے تو موم کی طرح پگھل کر رہ جاتی ہے۔ لہذا جب کوئی بات اس کی مرضی اور طبع کے خلاف ہوتی ہے تو پتھر اور لوہا بن کر رہ جاتی ہے۔ اس نے چونکہ تہیہ کر رہا ہے کہ طوبی کی شادی ہر صورت اس کے بیٹے کے ساتھ ہو جائے۔ لہذا اس سلسلے میں وہ طوبی پر سختی اور جبر بھی کر سکتی ہے۔ یعنی زبردستی اس کا نکاح بھی پڑھا دیتا ہے۔ میں ایسا نہیں ہونے دینا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ آج ہی آپ سب لوگوں کی موجودگی میں طوبی اور طارق کا نکاح پڑھا دیا جائے۔ اس طرح میری بیوی کے سامنے ایک بار کھڑی ہو جائے گی۔ ایک بند بندھ جائے گا۔ اگر اسے طوبی کے طارق سے ملنے پر تراض ہو گا تو کوئی مناسب موقع جان کر میں یا طوبی خود اس پر انکشاف کر دیں گے کہ وہاں کا نکاح طارق سے ہو چکا ہے لہذا اب اس کی کسی خواہش کا احترام نہیں کیا جاسکتا۔ میرے خیال میں اس طرح ہم دو چاہنے والوں کو نہ صرف یہ کہ آپس میں ملا سکتے ہیں بلکہ نکل جدائی اور ہجر کے دکھ کی قبرمانیت سے بھی بچانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اب بولیں آپس سے کسی کو اعتراض ہے؟“

کچھ دیر تک کمرے میں خاموشی رہی۔ پھر سلطان نے کہنا شروع کیا۔ ”رحمان صاحب! بات تو عیاں ہے کہ طوبی اور طارق ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ

پھر طارق نے طلبہ بجانا بند کر دیا۔ خلیل کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ”کیا شام تک مجھ سے طلبہ ہی بجواتے رہو گے کہ کھانے پینے کا بندوبست بھی کرو گے۔ شام ہونے والی ہے طوبی بھی آئی ہوئی ہے۔ کھانا کھا کر جائے گی۔“

طوبی خود ہی بول پڑی۔ ”کھانا تو میں یقیناً کھا کر جاؤں گی۔“

خلیل نے طوبی کی طرف دیکھا اور بڑی سعادت مندی سے پوچھ لیا۔ ”آپ کیا کھانا پندہ کریں گی؟“

طوبی کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور کہنے لگی۔ ”مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو درویش صفت لڑکی ہوں جو ملتا ہے کھا لیتی ہوں۔ میں نے کبھی اپنی پسند کا اظہار نہیں کیا۔“

خلیل نے اس بار طارق کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ”بھائی! آپ کیا کھانا پسند کریں گے؟“

طارق نے سعدیہ کی طرف اشارہ کیا۔ ”اماں سے پوچھ لو۔ جو اماں کہتی ہیں لے آؤ۔“

اتنی دیر میں باہر گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی جس پر سعدیہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ تھوڑی دیر بعد کمرے میں ڈاکٹر رحمان داخل ہوا۔ خلیل اور طارق دونوں نے اپنی جگہ اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ پھر رحمان، طوبی کے پیلو میں بیٹھ گیا اور خلیل کی طرف دیکھا۔ ”خلیل میرے بیٹے! میں آج انتہائی اہم کام کے سلسلے میں آ ہوں۔ جو گفتگو میں کرنا چاہتا ہوں اس گفتگو سے پہلے ایک کام کرو۔ ذرا سلطان صاحب کو بلا کر لاؤ۔“

خلیل چپ چاپ باہر نکل گیا۔ اس کے باہر جانے کے بعد سعدیہ نے تفکر بھرے انداز میں رحمان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ”بھائی صاحب! خیریت تو ہے؟“

دھیرے دھیرے مسکراتے ہوئے رحمان کہہ اٹھا۔ ”میری بہن! فکر مند ہونا ضرورت نہیں ہے۔ سب خیریت ہی ہے۔ یوں جانیں ہم سب مل کر ایک اچھے موضوع پر گفتگو کریں گے۔ ایسا موضوع جو میرے خیال میں سب کا پسندیدہ بھی ہو گا اور جس سے سب کی بہتری بھی پنہاں ہو گی۔“

عین اسی موقع پر سلطان کمرے میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر رحمان نے اٹھ کر اس سے مصافحہ

وکیل ہیں۔“

سلطان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگا۔ ”میں ابھی آتا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی سلطان دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر اچانک رک گیا۔ دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھا اور ڈاکٹر رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”رحمان صاحب اصل موضوع پر تو ہم نے گفتگو کی ہی نہیں۔ جو معاملہ آپ نے چھیڑا ہے، جس موضوع کا آپ نے آغاز کیا ہے میں تو اس سے پوری طرح متفق ہوں۔ سعدیہ اور خلیل بھی اس سے اتفاق کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن نکاح تو طوبیٰ اور طارق کا ہے۔ کیا اس سلسلے میں آپ نے ان سے مشورہ کیا ہے؟ ان کی رضامندی جانی ہے؟“

ڈاکٹر رحمان کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”سلطان میاں! جہاں تک طوبیٰ کا خیال ہے میرے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ یہاں آنے سے پہلے میں اس سے تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کر چکا ہوں۔ جو ارادہ میں نے کیا ہے اس ارادے سے یہ مکمل طور پر اتفاق کرتی ہے۔ جہاں تک میرے بیٹے طارق کا تعلق ہے تو میں جانتا ہوں یہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ میرے خیال میں طارق کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اگر اسے کوئی اعتراض ہے تو اس وقت یہ سامنے بیٹھا ہے۔ بول سکتا ہے۔“

اس بار سلطان نے طارق کی طرف دیکھا۔ ”طارق میرے بیٹے! یہ سارا معاملہ تمہاری ذات کے ارد گرد گھومتا ہے اور تم بالکل خاموش بیٹھے ہو۔ میں تمہارے منہ سے کچھ سننا پسند کرتا ہوں۔“

طارق تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر ایک گہری نگاہ اس نے اپنے سامنے بیٹھی طوبیٰ پر ڈالی۔ طوبیٰ کی آنکھوں میں ایک عجیب سی عاجزی اور خواستگاری تھی۔ پھر طارق بول پڑا۔ ”سلطان انکل! میں نے کیا بولنا ہے؟ جو فیصلہ رحمان صاحب کر رہے ہیں مجھے اس سے اختلاف نہیں ہے۔ اگر طوبیٰ اس پر رضامند ہے تو میں بھی رضامند ہوں لیکن مجھے ایک خطرہ اور خدشہ ضرور محسوس ہوتا ہے وہ یہ کہ رحمان صاحب کی جو اہلیہ ہے وہ ان سے مختلف مزاج کی ہے۔ اسے جب خبر ہوگی کہ اس سے پوچھے بغیر اس سے بالا ہی بالا اس سے چوری

یہ آپ کی بڑی مہربانی ہے، آپ کی بڑی نوازش ہے کہ آپ طارق کا اس قدر خیال رکھ رہے ہیں اور یہ آپ کی بڑی فراخ دلی ہے کہ اپنی بیوی کی مرضی کے خلاف آپ طوبیٰ اور طارق کے نکاح کے خواہاں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں یہ بہت بڑی بات ہے۔ میرے خیال میں ہم میں سے کسی کو اس پر اعتراض نہیں۔ اگر آج یہ نکاح ہوتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میری خوشی کی کوئی انتہاء ہوگی۔ میں طارق کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ سعدیہ میری بہن ہے۔ اس لحاظ سے طارق میری بہن کا بیٹا ہے۔“

سلطان تھوڑی دیر کا۔ پھر سعدیہ کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ”سعدیہ میری بہن! آپ کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض ہے؟“

سعدیہ کے لبوں پر ہلکی سی خوشگوار سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر کہنے لگی۔ ”میں تو یہ جانتی ہوں کہ طارق اور طوبیٰ ایک عرصے سے ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ یہ ان دونوں کی بات ہے جب یہ اکٹھے پڑھتے تھے۔ بہر حال اگر ڈاکٹر رحمان دونوں کے نکاح پر بخوشی آمادہ ہیں تو میں سمجھوں گی کہ یہ میری اور میرے بیٹے طارق کی خوش قسمتی ہے۔ جہاں تک میری ذمہ داریوں کا تعلق ہے تو خلیل کی ذمہ داری سے آپ لوگ سب مل کر پہلے ہی نمٹ چکے ہیں۔ اگر طوبیٰ اور طارق کا نکاح ہو جاتا ہے تو میری ساری ذمہ داریاں میرے کندھوں سے اتر جاتی ہیں۔ مجھے اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں بلکہ میں خوش ہوں۔“

سلطان نے جواب طلب سے انداز میں خلیل کی طرف دیکھا۔ خلیل فوراً بول پڑا۔ ”انکل سلطان! آپ یوں گھور کر میری طرف کیوں دیکھتے ہیں۔ اگر میرے بھائی کا نکاح آنا ہی ہو جائے تو مجھ سے بڑھ کر کس کو خوشی ہو سکتی ہے۔“ خلیل کے اس انداز پر سب مسکرائے۔

پھر رحمان نے سلطان کو مخاطب کیا۔ ”سلطان صاحب! آپ اٹھ کر ایک کام کریں۔ اس عمارت کے سب رہنے والوں سے اس موضوع پر بات کریں۔ ان کا عندیہ، ان کا ارادہ لیں۔ اس لئے کہ یہاں کے سب کینوں کی موجودگی میں اس نکاح کا اہتمام کیا جائے گا۔ ساتھ ہی آپ کے اس محلے کا جو نکاح خواہ ہے اسے بھی بلالائیں۔ طوبیٰ کی طرف سے اور آپ وکیل ہو جائیں گے۔ طارق کی طرف سے اس عمارت کے رہنے والے ان گنت

جہاں آراء اٹھی۔ پہلے اس نے طارق کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اپنے پرس سے پانچ پانچ سو کے پھونٹ اس نے نکالے اور طارق کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہنے لگی۔ ”میرے بیٹے میرے بچے! تمہیں اس شادی پر مبارک ہو۔“ پھر ایسا ہی اس نے طوبی کے ساتھ کیا تھا۔ اس موقع پر طارق اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور بڑی عقیدت اور سعادت مندی سے جہاں آراء کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہنے لگا۔ ”میا! مجھے آپ کی طرف سے کچھ نہیں چاہئے۔ بس آپ جیسی ماں کی دعائیں اگر ہمیں مل جائیں تو میں سمجھتا ہوں یہ ہماری سب سے بڑی سعادت اور کامیابی ہے۔“

جہاں آراء نے پھر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ اسے اس کی کرسی پر بٹھادیا۔ اس کے بعد باقی سب لوگ بھی اٹھ کر دونوں کو مبارک باد دینے گئے تھے اور ساتھ ہی ساتھ انہیں کچھ دینا بھی شروع ہو گئے تھے۔

جب یہ سلسلہ ختم ہوا تو تب ہاتھ کے اشارے سے رحمان نے خلیل کو اپنے پاس بلایا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”بیٹے! نیچے جاؤ۔ گاڑی کے دروازے میں نے لاک نہیں لگے۔ کھلے ہوئے ہیں۔ پچھلا دروازہ کھولنا۔ نشست پر مٹھائی کے کچھ ڈبے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ سب اٹھا کر اوپر لے آؤ۔“

خلیل بھاگا بھاگا نیچے گیا۔ گاڑی کے اندر سے مٹھائی کے ڈبے اٹھا کر لے آیا اور رحمان کے کہنے پر اس نے کمرے کے اندر جو بڑا میز رکھا ہوا تھا اس پر مٹھائی کے ڈبے رکھ دیئے۔ رحمان نے اٹھ کر سارے ڈبے کھولے اور وہاں موجود سب لوگوں کو کہنے لگا۔ ”طارق اور طوبی کے نکاح کی خوشی میں یہ مٹھائی ہے۔ میرے خیال میں آئیں سب مل کر کھائیں۔“

رحمان کے کہنے پر سب اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ قہقہے لگاتے ہوئے اور بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے وہ مٹھائی کھانے لگے تھے۔ اس موقع پر ثروت کو نہ جانے کیا سوچ ایک لڈو اس نے اٹھایا طارق کے قریب آئی اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”میرے بھائی! یہ لڈو پکڑو اور اپنے ہاتھ سے ہم سب کی موجودگی میں طوبی کے منہ میں ڈالو۔“

مکراتے ہوئے، ہچکچاتے ہوئے طارق نے لڈو سنبھال لیا۔ طوبی بھی شرمالجا رہی تھی۔ تاہم جب طارق نے لڈو سنبھالا اس نے از خود منہ طارق کی طرف کر دیا۔ آدھا لڈو طوبی

ہی چوری طوبی کا نکاح میرے ساتھ پڑھا دیا گیا ہے تو میرا اندازہ ہے کہ وہ بہت بڑا طوفان کھڑا کر دے گی۔ طوبی اور میرے دونوں کے خلاف ایک طرح سے وہ ایسی مہم شروع کر دے گی جو ہم دونوں کو نالال اور بیزار کر کے رکھ دے گی۔“

طارق مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ رحمان بول پڑا۔ ”بیٹے! اپنی بیوی کے متعلق سوچنا تمہارا نہیں میرا کام ہے۔ میں اگر تمہارے اور طوبی کے نکاح کا اہتمام کر رہا ہوں تو اپنی بیوی کی غضب ناکی، اس کے انتقام کے سامنے بند باندھنا بھی میرا ہی کام ہے۔ وہ میری بیوی ہے۔ میں اس کا شوہر ہوں۔ اس کا محکوم اور ذلیل نہیں ہوں۔ اگر اس نے حد سے بڑھنے کی کوشش کی تو پھر طارق میرے بیٹے! تم دیکھنا تمہاری اور طوبی کی حفاظت پر میں بھی حد سے بڑھ جاؤں گا اور اس کو اپنے سامنے مجبور اور بے بس کر دوں گا۔ ہر حال میں میری بیوی کی طرف سے تم مطمئن رہو۔ اسے سمجھانا میرا کام ہے۔“

رحمان کی اس گفتگو کے جواب میں اپنے سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے طارق کہنے لگا۔ ”ٹھیک ہے۔ جیسا آپ چاہتے ہیں آپ کی مرضی ہے۔ ویسا ہی کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

طارق کے ان الفاظ کے ساتھ سب کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔ پھر سلطان اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ ”اب میں عمارت کے سارے لوگوں سے مشورہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد آتا ہوں۔“

سلطان باہر نکل گیا۔ کمرے میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ تاہم کبھی کبھی رحمان اور طارق آپس میں گفتگو کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ سلطان لوٹ آیا اور رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”ڈاکٹر صاحب! اٹھ کھڑے ہوں۔ عمارت کے سارے مکین اس وقت اس کمرے میں جمع ہیں جہاں ہم رات کا کھانا کھانے کے بعد ٹی وی دیکھتے ہیں۔ وہیں طوبی اور طارق کے نکاح کا اہتمام کیا جائے گا۔“

رحمان اور طوبی دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور طارق بھی کھڑا ہو گیا۔ خلیل نے سعدیہ کی وہیل چیئر سنبھالی۔ پھر سارے اوپر ٹی وی روم میں گئے۔ عمارت کے سارے مکین وہاں موجود تھے۔ سب کی موجودگی میں وہاں محلے کے نکاح خواں نے طارق اور طوبی کا نکاح پڑھایا۔ پھر سب مبارکباد دینے لگے۔ مبارکباد دینے کے لئے سب سے پہلے

خلیل لوٹا اور جب وہ کرسی کھینچ کر بیٹھنے لگا تو جہاں آراء نے اسے مخاطب کیا۔ ”کس کا

نے کھالیا۔ پھر آدھا ثروت نے طارق کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہی آدھا لڈ و ثروت نے

کو دیا اور کہنے لگی۔ ”اب یہ تم طارق کے منہ میں ڈالو۔“

طوبی مسکرا دی۔ تھوڑا سا آگے بڑھی اور جب اس نے لڈو آگے بڑھایا تو طارق نے

کھول دیا اور لڈو اس نے طارق کے منہ میں ڈال دیا تھا۔ اس پر سب لوگوں نے ایک

قبقہہ لگایا۔ خوشی کا ایسا قبقہہ جس سے ساری ہی عمارت شادمانی اور اطمینان میں جھوم

تھی۔

رسم ختم کرنے کے بعد سب لوگ جب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تب رحمان کھڑا ہوا

اور سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”میرے بھائیو! میری بہنو! میرے بچو! میری بیچو! اب

جب کہ طوبی اور طارق کا نکاح ہو چکا ہے۔ آج سے یہ دونوں میاں بیوی ہیں۔ لیکن دونوں

اس وقت تک اکٹھے نہیں رہیں گے جب تک شان دار طریقے سے ہم طوبی کی رخصتی کا اہتمام

نہیں کرتے۔ اور ایسا ایک وقت مقررہ پر کیا جائے گا۔ اس کی دادی اس وقت ملک سے

ہے۔ جو نہیں وہ واپس آئے گی میں طوبی کی رخصتی کا اہتمام اس کی موجودگی میں کروں گا۔

شادی چونکہ طوبی اور طارق کی پسند پر ہوئی ہے اس لئے مجھے پوری اور قوی امید ہے کہ طوبی

کی دادی اس جوڑے ہوئے رشتہ کو پسند کرے گی اور طوبی کی پسند کو اپنی پسند سمجھتے ہوئے

قبول اور منظور کر لے گی۔ تاہم اب جب کہ طوبی، طارق کی بیوی ہے۔ طارق کے ساتھ

اٹھ بیٹھ سکتی ہے۔ گھوم سکتی ہے۔ لیکن دونوں میاں بیوی کے تعلقات قائم نہیں کر سکتے۔

اس لئے کہ فی الحال میری بیوی کی طرف سے واویلا کھڑا کرنے کا خدشہ ہے۔ جب طوبی

دادی یعنی کہ میری بیوی کی ماں لوٹ آئے گی تو پھر میری بیوی نہ کوئی انتقامی کارروائی کر

سکے گی نہ اس شادی کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی کرنے کی کوشش کرے گی۔ اس لئے

کہ اسے اپنی ماں کے فیصلہ کے سامنے سر جھکانا ہوگا۔“

یہاں تک کہتے کہتے رحمان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اچانک جہاں آراء نے خلیل

مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔ ”بیٹے! بھاگ کر میرے کمرے میں جاؤ۔ فون کی گھنٹی بج رہی

ہے۔ دیکھو کون ہے۔“

خلیل فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ قریباً بھاگتا ہوا وہاں سے نکلا۔ اس کے جانے

بعد سارے لوگ ہی خاموش ہو گئے اس انتظار میں کہ دیکھیں کہ کیا ہوا۔ تھوڑی دیر

بعد سارے لوگ ہی خاموش ہو گئے اس انتظار میں کہ دیکھیں کہ کیا ہوا۔ تھوڑی دیر

بعد سارے لوگ ہی خاموش ہو گئے اس انتظار میں کہ دیکھیں کہ کیا ہوا۔ تھوڑی دیر

اس کی سکول کی فیس اور دیگر اخراجات برداشت کرتے ہیں۔“

طوبی مسکرا دی اور کہنے لگی۔ ”انکل سلطان مجھے بتا چکے ہیں کہ اس کی تعلیم کے اور اخراجات کون برداشت کرتے ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی رحمان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور سب لوگوں کو مخاطب کر کے بولا۔

”میرے خیال میں اب چلنا چاہئے۔“

طارق نے منہ سے کوئی جواب نہ دیا۔ تاہم اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ پھر رحمان اور طوبی وہاں سے چلے گئے تھے۔

☆

سب لوگ اپنی اپنی نشست پر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے۔ رحمان اور طوبی، طارق، خلیل اور سعدیہ کے ساتھ آئے۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد ڈاکٹر رحمان اور طوبی دروازے پر ہی رک گئے۔ پھر رحمان نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق میرے بیٹے! جس کام کے لئے میں آیا تھا اسے بڑے احسن طریقہ پر انجام دے دیا گیا ہے۔ اب اجازت دو۔ ہم باپ بیٹی چلتے ہیں۔“

طارق نے خلیل کی طرف دیکھا۔ ”بھائی! تم ماں کی چیخِ اندر لے جاؤ میں انہیں الوداع کہتا ہوں۔“

خلیل چیخِ کو اندر لے گیا تھا۔ طارق، رحمان اور طوبی کے ساتھ ان کی گاڑی کی طرف ہولیا۔ طوبی طارق کے قریب آئی اور بڑی رازداری میں اسے مخاطب کر کے پوچھنے لگی۔

”سلام کرائی کے پیسے آپ کو کتنے ہوئے؟“

طارق مسکرا دیا اور کہنے لگا۔ ”جتنے تمہیں ہوئے ہیں اتنے ہی مجھے ہوئے ہیں۔ مجھے کوئی اوپر آسمان سے تو نہیں گرے۔“

طوبی نے ہلکا سا ایک قہقہہ لگایا۔ پھر اپنا پرس کھولا۔ سلام کرائی کے جتنے پیسے اسے ہوئے تھے وہ اس نے منٹھی میں لئے پھر وہ سارے پیسے اس نے طارق کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا شروع کیا۔ ”میں نے گئے نہیں مجھے کتنے پیسے ہوئے ہیں بہر حال یہ سارے تم رکھ لو۔“

طوبی یہیں تک کہنے پائی تھی کہ طارق نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا۔ ”یہ کیا کر رہی ہو؟ یہ تمہارے پیسے ہیں تم اپنے پاس رکھو۔“

طوبی نے نوٹ زبردستی اس کی جیب میں ٹھونس دیئے۔ ساتھ ہی خوش کن آواز میں کہنے لگی۔ ”اب میں صرف طوبی نہیں تمہاری بیوی بھی ہوں۔ اور اگر تمہاری بات ماننا میرا فرض ہے تو تمہیں بھی میری بات ماننا پڑے گی۔“

ہاں گی۔“

طارق نے اسے تسلی دی۔ ”اچھا کہو۔ کیا کہنا چاہتی ہوں؟ نہیں برامانا۔“
طوبی نے غور اور پیار بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ پھر بول پڑی۔ ”آپ کی
اہمیت کے بغیر میں حرا کے سکول گئی تھی۔ اس کی پرنسپل سے ملی۔ اپنا تعارف اسے تفصیل
ہے کرایا۔ حرا سے بھی میں نے ملاقات کی۔ آپ سے اجازت لئے بغیر میں نے اس کے
کچھ سامان خریدا ہے۔ پہلے سکول جاتے ہیں۔ وہ ہوٹل ہی میں ہوگی۔ اس کا سامان اسے
پکارتے ہیں پھر وہاں جاتے ہیں جہاں ہمیں جانا ہے۔“

طارق تھوڑی دیر تک اسے غور سے دیکھتا رہا اور پوچھنے لگا۔ ”کہنا جانا ہے ہمیں؟ جہاں
نہ حرا کا تعلق ہے تم نے اس کے لئے کچھ سامان خریدا ہے تو خیر یہ تمہاری مہربانی ہے۔
پہلے اس کے پاس چلتے ہیں مجھے بھی اسے ملے ہوئے کئی دن ہو گئے ہیں۔“

طوبی خوش ہو گئی۔ گاڑی اس نے اشارت کر دی۔ سکول کے باہر اس نے گاڑی روکی۔
”اؤں باہر نکلے۔ چوکیدار کو انہوں نے حرا کو بلانے کے لئے کہا۔ چوکیدار نے چھوٹا دروازہ
کھولا۔ انہیں مہمان خانے میں بٹھادیا اور خود وہ ہوٹل کی طرف چلا گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر
بہر ایک انتہائی خوبصورت اور پیاری بچی گیٹ روم کی طرف آئی۔ اس کے ساتھ ہوٹل
کا وارڈن بھی تھی۔ وارڈن نے جب طوبی کے ساتھ طارق کو دیکھا تب وہ مسکراتے ہوئے
کہنے لگی۔ ”آپ براندہ مانے گا میں احتیاط کے تحت حرا کے ساتھ آئی تھی۔ بہر حال آپ خود
اُتے ہیں تو آپ بچی سے مل سکتے ہیں۔“ اس کے ساتھ ہی وہ واپس چلی گئی تھی۔

طارق کو دیکھتے ہی حرا بھاگی۔ پھر پوری طاقت اور قوت کے ساتھ وہ طارق سے لپٹ گئی
تھی۔ طارق نے اس کا منہ، اس کی پیشانی، اس کے گال چومے۔ حرا بڑے پیارے انداز میں
اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے جاتے ہوئے کہنے لگی۔ ”پاپا! آپ کیسے ہیں؟“
طارق نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔ پھر کہنے لگا۔ ”میں ٹھیک ہوں۔ تم کہو تمہاری پڑھائی
کئی جارہی ہے؟“

طارق کی اس بات کا جواب دینے کی بجائے حرا تھوڑی دیر تک بڑے غور سے طوبی کی
طرف دیکھتی رہی۔ پھر اپنا منہ دوبارہ وہ طارق کے کان کے قریب لے جا کر کہنے لگی۔ ”پاپا!
یہ تو لڑکی آپ کے ساتھ ہے یہ دن کے وقت بھی میرے پاس آئی تھی۔ پہلے وہ میری

پر لیں میں اپنا کام ختم کرنے کے بعد چھٹی کے وقت طارق جب باہر نکلا تو طوبی کار میں
بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ طارق جب قریب آیا تو طوبی نے دروازہ کھولا اور طارق کی
طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”تشریف لائیں جناب!“

طارق نے گھورنے کے انداز میں طوبی کی طرف دیکھا۔ گاڑی میں نہیں بیٹھا۔ جھکا اور
طوبی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”تم میرے لئے گاڑی کچھ اس طرح لے آتی ہو جیسے میں
کسی بہت بڑی پوسٹ پر کام کر رہا ہوں۔ ایک معمولی درکر کی حیثیت سے پریس میں کام کرنا
اور آنا جانا گاڑی میں، بڑا معیوب سا لگتا ہے۔“

طوبی مسکرا دی اور کہنے لگی۔ ”کوئی معیوب نہیں لگتا۔ کام کرنے والے کی ہر کوئی عزت
کرتا ہے۔ نیکے کو کون پوچھتا ہے؟ آپ باہر کھڑے ہو کر زیادہ باتیں نہ بنائیں۔ اندر
بیٹھیں۔“

طوبی نے چونکہ گاڑی کا دروازہ پہلے ہی کھول رکھا تھا۔ لہذا طارق جھکا۔ اس کے پہلو میں
بیٹھ گیا۔ دروازہ اس نے بند کیا۔ طوبی نے گاڑی اشارت کر دی تھی۔

سرگھر روپا سے نکل کر وہ لوہڑ مال آئے۔ دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ گاڑی جب سڑک
چوک کے قریب ہی سڑک کے کنارے طوبی نے گاڑی روک دی اور طارق کو مخاطب

کر کے کہنے لگی۔ ”میں آپ سے ایک بات کہنے لگی ہوں بشرطیکہ آپ براندہ مانیں۔ اگر آپ
نے برامانا ہے تو پھر میں نہیں کہوں گی۔“ طارق ہلکا سا مسکرا دیا اور کہنے لگا۔ ”اگر برامانا
والی بات ہے تو مت کہو۔“

ساتھ ہی طوبی نے اپنا ہاتھ طارق کے شانے پر رکھا اور کہنے لگی۔ ”لیکن وہ بات کہنی
بھی ضرورت ہے۔ بہر حال میں کہتی ہوں۔ برامت ماننا۔ اگر برامانا ہے تو میں ناراض ہو

پرنسپل سے ملی۔ پرنسپل کے دفتر ہی میں اس نے مجھے بلایا۔ میں اسے پہچانتی نہیں تھی۔ اسے ملتے ہوئے پہچان رہی تھی۔ پھر اس نے مجھے بتایا کہ میں تمہاری ماما ہوں۔ اس کی عمر چھوٹی ہے۔ یہ میری ماما کیسے ہو سکتی ہے؟“

حرا کے ان الفاظ پر طارق نے ایک بھر پور قبضہ لگایا۔ اس موقع پر طوبی بڑی جبر سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ طارق کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ پوچھ بیٹھی۔ ”آپ سے کیا کہا ہے جو آپ قبضہ لگا رہے ہیں؟“

اس پر طارق نے طوبی کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ ”حرا کہہ رہی تھی کہ یہ جو لڑکی مجھ کے ساتھ ہے یہ دن کے وقت بھی مجھ سے ملنے آئی تھی۔ جب ملاقات ہوئی تو یہ مجھے یہی بتا رہی تھی کہ میں تمہاری ماما ہوں۔ حرا کہہ رہی ہے یہ اتنی چھوٹی عمر کی ہے۔ یہ میری ماما کیسے ہو سکتی ہے؟“

اس پر طوبی بھی کھلکھلا کر ہنس دی۔ حرا کا اس نے بازو پکڑا۔ اپنی گود میں سمیٹا لی۔ ”حرا! میں واقعی تمہاری ماما ہوں۔ اگر بغیر کسی شے کے میری ساری چیزوں کو دیکھتے ہوئے حرا خوش ہوتی رہی۔ پلاسٹک لٹا تھا اس نے رکھ دی پھر پوری قوت کے ساتھ وہ طوبی سے لپٹ گئی۔ اس کے گالوں پر

حرا نے جواب میں خاموش نگاہوں مگر استغناء سے انداز میں طارق کی طرف دیکھا۔ طارق نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ اس پر حرا تھوڑی دیر تک بڑے پیار، بڑے غور سے طوبی کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اپنے دونوں بازو پھیلائے اور طوبی سے لپٹے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلی جاؤ اور سنو۔ میں اور تمہارے پاپا دونوں سنڈے کو آئیں گے۔ تم اپنی بانہیں اس کے گلے میں ڈال دیں۔ طوبی بھی تھوڑی دیر تک اسے پیار کرتی رہی۔ پھر ہار ہوا۔ ہم گاڑی میں تمہیں خوب گھمائیں گے۔“

علیحدہ ہوئی اور جو دو بنڈل اس نے اپنے قریب ہی رکھے ہوئے تھے وہ اس نے حرا کو دکھائے اور کہنے لگی۔ ”حرا! میری بیٹی! یہ میں تمہارے لئے سامان لے کر آئی ہوں۔ دیکھو یہ تمہیں پسند ہے کہ نہیں؟“

حرا علیحدہ ہو کر بیٹھ گئی۔ دونوں بنڈلوں کا اس نے جائزہ لیا۔ اس کے لئے مختلف ڈیزائن کے گرم کپڑے تھے اور چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی کتابیں تھیں۔ حرا کچھ دیر تک ان ساری چیزوں کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر طارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”پاپا! اس سے پہلے

آپ نے مجھے ایسی چیزیں نہیں لے کر دیں۔ اس لحاظ سے ماما اچھی ہیں جو میرا خیال رکھتی ہیں۔“

طارق ہنس دیا۔ ”حرا میری بیٹی! تمہارا اندازہ درست ہے۔ بس یوں جانو تمہارا پاپا ایک

بہت انسان ہے جبکہ تمہاری ماما بہت امیر اور صاحب ثروت ہے۔“

حرا کچھ دیر مسکراتے ہوئے باری باری ان کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر دوبارہ اس نے

طارق کو مخاطب کیا۔ ”پاپا! یہ کیسے ممکن ہے کہ پاپا غریب ہو اور ماما امیر ہو؟“

جواب میں طوبی اور طارق دونوں ہنس دیئے۔ پھر طارق نے حرا کو گلے لگا لیا۔ ”میری

”بہت اچھی گاڑی ہے۔ میں سنڈے کو بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کروں گی۔“

طوبی نے طارق کی طرف دیکھا۔ ”طارق! تم گاڑی میں بیٹھو میں حرا کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر آتی ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی طوبی نے جو حرا کے لئے سامان لیا تھا وہ اٹھالیا۔ حرا کو لے کر وہ ہوسٹل کی طرف چل دی۔ طارق گاڑی میں آکر بیٹھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد طوبی لوٹ آئی۔ گاڑی اس نے اشارت کر دی۔ اچھرہ کی طرف جانے کی بجائے جب وہ گلیبرگ کی طرف جانے لگی تب طارق نے پوچھ لیا۔ ”اب کدھر کارخا کرنے لگی ہو؟“

گاڑی چلاتے ہوئے طوبی نے طارق کی طرف دیکھے بغیر ہی کہہ دیا۔ ”لبرٹی کی طرف جائیں گے۔ وہاں میں نے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔“

طارق خاموش رہا۔ طوبی گاڑی چلاتی رہی۔ یہاں تک کہ لبرٹی مارکیٹ میں داخل ہو کر کار طوبی نے پارک کی۔ دونوں نیچے اترے۔ مارکیٹ میں داخل ہوئے۔ طوبی نے تین چار دکانوں میں کپڑے دیکھے لیکن اسے پسند نہ آئے۔ چوتھی دکان سے جب وہ باہر نکلی تو طارق نے اسے مخاطب کیا۔ ”یہ تم نے کیا چکر چلا رکھا ہے؟ دکان پر دکان گھومتی جا رہی ہو۔ شام ہونے والی ہے گھر بھی جانا ہے۔“

طوبی رک گئی۔ گھورنے کے انداز میں اس نے طارق کی طرف دیکھا۔ پھر بول پڑی۔ ”زیادہ رعب ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شام ہو گئی تو کیا ہوا۔ کھانا باہر کھا کر جائیں گے۔ اور ہاں! میری ایک بات بھی سنیں۔ میں کچھ کپڑے خریدنے لگی ہوں۔ امی، خلیل اور تحریم کے لئے۔ ان کے لئے کپڑے تو میں خود پسند کر لوں گی۔ آپ کے لئے جو کپڑے لینے ہیں وہ میں خود پسند کروں گی۔ میں نے اپنے لئے بھی کچھ کپڑے خریدنے ہیں وہ میں آپ کو پسند کے لوں گی۔“

طارق نے تیز نگاہوں سے طوبی کی طرف دیکھا۔ ”یہ سب کچھ تم کس خوشی میں کر رہی ہو؟“

طوبی ہلکے سے مسکرا دی۔ ”میری شادی جو ہوئی ہے۔ اپنی شادی کے موقع پر خلیل، تحریم اور امی کو کچھ نہ کچھ تو دوں گی نا۔“

طارق نے کچھ سوچا۔ پھر سنجیدہ سے لہجے میں اس نے طوبی کو مخاطب کیا۔ ”تمہاری

شادی نہیں ہوئی صرف نکاح ہی ہوا ہے۔ اور پھر ایسے موقع پر تو لڑکے والے لڑکی کو کچھ دیتے ہیں اور اگر لڑکی کی طرف سے کوئی اہتمام ہونا ہوتا ہے تو لڑکی خود تو نہیں کرتی لڑکی والے کرتے ہیں۔“

طوبی ہنس دی اور کہنے لگی۔ ”یوں جانیں لڑکی بھی میں ہوں، لڑکی والی بھی میں ہوں۔ سب کچھ مجھے ہی کرنا ہے۔ میں جو کچھ کر رہی ہوں آپ خاموشی سے اسے برداشت کیجئے گا۔ کوئی اعتراض نہ کھڑا کر لیجئے گا ورنہ یاد رکھئے گا میں ناراض ہوں گی۔ ایک اور بات بھی سن لیجئے گا بیسویں صدی مردوں کی صدی تھی۔ اب اکیسویں صدی عورتوں کی صدی ہے۔ لہذا مردوں کے لئے عورتوں کی ناراضگی ناقابل برداشت ہو جائے گی۔ چپ چاپ میرے ماتھ آئیں۔ جو میں کرنے لگی ہوں اس کے خلاف ایک لفظ نہ بولئے گا۔“

طوبی پھر چل دی۔ طارق اس کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔ ایک دکان میں گھس کر کچھ کپڑے پسند آئے جو اس نے سعدیہ، تحریم اور خلیل کے لئے خریدے۔ کچھ سوٹ اس نے طارق کے لئے بھی لئے۔ طارق کے لئے اس نے ایک انتہائی قیمتی جرسی سویٹر بھی لیا۔ پھر اپنے لئے کچھ کپڑے دیکھتے ہوئے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق! یہ جو سامنے کپڑے لگے ہوئے ہیں ان میں سے پسند کرو میں کون سے لوں۔ دیکھو! میں نے دکان کے باہر تمہیں کہا تھا اپنے لئے جو کپڑے میں خریدوں گی وہ تمہاری پسند کے ہوں گے۔ اب دکان کے اندر بحث نہیں کرنا۔ جو میں کہتی ہوں وہی کرنا۔“

طارق خاموش رہا۔ تاہم ایک دوبار عجیب سے انداز میں طوبی کی طرف دیکھا تھا۔ پھر اس کا اشارہ پا کر اس نے چند سوٹوں کی طرف اشارہ کیا۔ طوبی کو بھی شاید وہ پسند آئے تھے۔ لہذا اس نے وہ سارے سوٹ اپنے لئے خرید لئے جن کی طرف طارق نے اشارہ کیا تھا۔

سامان کے سارے بنڈل اٹھا کر دونوں دکان سے باہر آئے۔ طوبی نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ پچھلی سیٹ پر انہوں نے سارے بنڈل رکھ دیئے۔ پھر دونوں اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ تب طارق نے کسی قدر ناراضگی اور خفگی کے انداز میں طوبی کو مخاطب کیا۔ ”طوبی! جو کچھ تم کر رہی ہو یہ درست نہیں ہے۔ میں تمہارے ساتھ زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتا۔ میں تمہاری ناراضگی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ اچھا نہیں ہے۔ تم نے ماں، خلیل، تحریم کے لئے کپڑے کھائے۔ خود بڈالے ہیں میرے لئے ان سے بھی زیادہ سوٹ لئے ہیں۔ آخر تمہیں

اتنا خرچ کرنے کی کیا پڑی ہوئی ہے؟“

طارق سوچوں میں ڈوبا رہا۔ منہ سے کچھ نہ بولا۔ طوبی نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر اس پر ہنسنے لگے ہوئے کہنے لگی۔ ”کہاں کھو گئے ہو طارق؟ میرا اور تمہارا ایک رشتہ ہے۔ جو میں کر رہی ہوں یہ رشتے کے تحت کر رہی ہوں۔ میں کسی پر کوئی احسان نہیں کر رہی۔“

طارق چونک کر کہنے لگا۔ ”اچھا چلو گھر چلیں۔“

طوبی نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ ساتھ ہی کہنے لگی۔ ”یہاں سے سیدھا لکشی چلتے ہیں۔ ہاں سے کھانے کی چیزیں لیں گے۔ گھر جائیں گے۔ سب بیٹھ کر کھائیں گے۔“

طارق نے کسی قدر بیزار کی اظہار کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”جوجی میں آئے کرتی ہو۔ میں کچھ نہیں بولوں گا۔ جہاں چلنا ہے چلو۔“ طوبی مسکرا دی۔ گاڑی اس نے چلا دی۔

دونوں لکشی چوک آئے۔ گاڑی انہوں نے کھڑی کی۔ کھانے کی چیزوں میں جوجو نے اس کے لئے اس نے کہا وہ طارق نے خرید لیا۔ سارا سامان انہوں نے کچھلی نشست پر ڈکویا۔ طوبی نے پے منٹ کی۔ پھر دونوں گاڑی کی طرف ہو لئے۔

☆

پاکستان کوارٹرز میں داخل ہونے کے بعد طوبی نے گاڑی ایک طرف کھڑی کی۔ دروازہ کھول کر وہ نیچے اتری۔ اتنی دیر تک طارق بھی نیچے اتر چکا تھا۔ کچھلے دونوں دروازے کھول کر دونوں نے سامان نکالا۔ پھر طارق کے ساتھ طوبی کوارٹر میں داخل ہوئی۔ اندر سعدیہ اور خلیل دونوں بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے۔

طارق کو دیکھتے ہی سعدیہ نے پوچھ لیا۔ ”بیٹے! تم کہاں چلے گئے تھے؟ میں اور خلیل بڑے فرم مند تھے۔ خلیل اوپر گیا۔ میا سے جا کر اس نے فون کروایا۔ پریس سے پتہ چلا کہ چھٹی ہو چکا ہے۔“

طوبی اور طارق دونوں نے وہ سارا سامان جو وہ پکڑے ہوئے تھے ایک طرف رکھ دیا۔ طارق کی بجائے طوبی نے سعدیہ کو مخاطب کیا۔ ”اماں! طارق کے متعلق آپ فکر مند نہ ہوں اگر کسی یہ لیٹ ہو جائے تو یوں جانے گا یہ میرے ساتھ گیا ہوا ہے۔ ہم دونوں فرمائشنگ کے لئے گئے ہوئے تھے اس لئے دیر ہو گئی۔ میں معذرت خواہ ہوں۔“

سعدیہ نے طوبی کو اپنے ساتھ بٹھالیا۔ اسے اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کیا پھر کہنے لگی۔ ”بیٹی!

جب تک طارق بولتا رہا طوبی بڑے پیار، بڑی دل لگی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کے خاموش ہونے پر وہ بول پڑی۔ ”طارق! جو کچھ میں نے کیا ہے یوں جانو اس میں میری خوشی ہے۔ تمہارے ساتھ جو میرا نکاح ہوا ہے اس سے بڑھ کر میرے لئے کوئی خوشی کا موقع زندگی میں آیا ہی نہیں اور پھر تمہارے ساتھ نکاح ہونے سے میری جھولی میں رشتے بھی آن پڑے ہیں جن سے میں محروم تھی۔ میرے ماں باپ میں چھوٹی ہی تھی۔ چکے ہیں۔ تمہارے ساتھ نکاح کے بعد مجھے تمہاری امی کی صورت میں ماں مل گئی ہے۔ خلیل کی صورت میں بھائی، تحریم کی صورت میں ایک محبت کرنے والی بہن مل گئی۔ اب مزید مجھے کیا چاہئے؟ اب میں ان رشتوں کے لئے کچھ نہیں کروں گی تو پھر کس کے لئے کروں گی؟“

طارق خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا۔ اس کے بعد دوبارہ اس نے طوبی کو مخاطب کیا۔ ”تمہارے ساتھ شاپنگ کرتے ہوئے میں یہ محسوس کر رہا تھا جیسے میں تمہاری بیوی ہوں تم میرے شوہر ہو۔“

طارق کے ان الفاظ پر طوبی نے ایک بھر پور تہقہہ لگایا۔ پھر کہنے لگی۔ ”ہاں! اکیسویں صدی میں ایسا ہی ہو گا۔“

اچانک طوبی کو کچھ یاد آیا۔ گاڑی کا دروازہ اس نے کھولا۔ طارق کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”طارق! تم تھوڑی دیر بیٹھو۔ میں ابھی آئی۔ میں ایک کام کرنا بھول گئی ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی تقریباً بھاگتی ہوئی طوبی اسی دکان میں داخل ہوئی جس سے وہ سامان خریدا تھا۔ تھوڑی دیر بعد لوٹی اس کے پاس پلاسٹک کے بیگ میں کچھ کپڑے تھے۔ دوبارہ اسٹیرنگ پر بیٹھ کر جب اس نے دروازہ بند کیا تو طارق نے پوچھ لیا۔ ”اب یہ کیا لے آئی ہو؟“

ہاتھ میں پکڑا ہوا ہینڈل طوبی نے کچھلی نشست پر پھینک دیا اور کہنے لگی۔ ”آپ کو بھی نہیں رہا۔ میں بھی بھول گئی تھی۔ جہاں ہم نے تحریم کے لئے کپڑے لئے ہیں تو وہاں سلطان انکل کے لئے بھی نہیں لینے چاہئیں تھے؟ میں انہی کے لئے سوٹ لے کر آئی ہوں۔ بہت اچھا اور قیمتی سوٹ ہے۔“

وہوں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا ہو گا۔ میں اور طارق کھانے کی ساری چیزیں لے کر
ہیں۔ سارے اکٹھے بیٹھ کر کھاتے ہیں۔“

سعدیہ اور سلطان نے پھر گھر کر طوبی کی طرف دیکھا۔ اس موقع پر سلطان کچھ کہنا
اہٹا کہ طوبی خلیل کو لے کر باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بہن بھائی کھانے کا
درا سامان اٹھائے ہوئے آئے۔ خلیل نے میز لگایا ساری چیزیں اس پر جمائیں۔ سارے
بٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے لگے تھے۔ کھانے کے بعد طوبی وہاں سے چلی گئی تھی۔

☆

احسن نے اپنی کوٹھی میں داخل ہونے کے بعد کارپارک کی۔ وہ انتہائی غصیلی حالت میں
لہٹا۔ دروازہ زوردار انداز میں اس نے بند کیا۔ پھر سٹنگ روم کی طرف ہو لیا۔ کمرے
میں اس وقت اس کی ماں نجم السحر، باپ رحمن اور دونوں بہنیں ثانیہ اور شمرہ بیٹھی ہوئی
نہیں۔ پاؤں پیچھے ہوئے احسن کمرے میں داخل ہوا۔ گرنے کے انداز میں ایک صوفہ پر بیٹھ
بلکہ پھر اپنی ماں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”ماما! اب پانی سر سے گزرتا چلا جا رہا ہے اور آپ
ٹاموشی سے انتظار کرتی جا رہی ہیں۔“

رحمن نے گھورنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ پھر پوچھ لیا۔ ”کہاں سیلاب آگیا
ہے بیٹا! کس پانی کی بات کر رہے ہو؟ لوگ تو بارش کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ بارش نہیں
ہو رہی تم سیلاب کی باتیں کر رہے ہو۔“

احسن اور زیادہ چڑ گیا اور اپنے باپ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ ”ابو! آپ کو تو ہر وقت
مذاق ہی سو جھار ہوتا ہے۔ کبھی سنجیدگی سے بھی اس موضوع پر گفتگو کر لیا کریں جو موضوع
اگل گھر کے لئے اذیت کا باعث بنا ہوا ہے۔“

اس کے بعد احسن نے نجم السحر کی طرف دیکھا۔ ”ماما! آج پھر میں نے طوبی کا تعاقب
کیا۔ اپنے دفتر سے نکل کر وہ اس کمینے کی پریس گئی۔ وہاں سے اس کو ساتھ لیا۔ میں دونوں
کے تعاقب میں تھا۔ آج انہوں نے مجھے دیکھا نہیں۔ اسے لے کر وہ لبرٹی گئی۔ وہاں اس
نے بھرپور شاپنگ کی۔ وہ کمینہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد وہ لکشی گئے۔

”دونوں نے کھانے کا سامان خریدا۔ پھر وہ ان پاکستان کو اتر رو کی طرف چلے گئے جہاں پر وہ
فلک انساں ہوتا ہے جس کو طوبی پسند کرتی ہے۔ ماما! یہ سارا معاملہ اب ہمارے لئے ناقابل

تمہارا طارق کے ساتھ اب رشتہ ہے۔ تمہیں معذرت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“
طوبی مطمئن ہو گئی۔ اس نے خلیل کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ ”خلیل میرے
ذرا سلطان انکل اور تحریم کو بلا کر لاؤ۔“

خلیل اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے
سلطان اور تحریم بھی تھے۔ سلطان نے آگے بڑھ کر طوبی کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ بچہ
تحریم اسے گلے ملی اور اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ طوبی اپنی جگہ سے اٹھی۔ جو سارا سامان
خرید کے لائی تھی وہ اس نے سب کے سامنے پھیلا دیا اور ہر ایک کو وہ اس کے سوٹ کو
کھول کر دکھانے لگی تھی۔

سب طوبی کی اس شاپنگ اور خریداری کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ اس موقع
سلطان نے طوبی کو مخاطب کیا۔ ”میری بیٹی! میری بچی! تم نے ہم سب کے لئے اس قدر
خرچا کیوں کر دیا؟“

طوبی شاید اس موضوع پر زیادہ نہیں سننا چاہتی تھی۔ کہنے لگی۔ ”انکل جی! کوئی خراب
نہیں کیا۔ یہ آپ لوگوں کا مجھ پر حق بنتا تھا جو میں نے ادا کیا ہے۔“ پھر طوبی کو شاید کچھ
بات یاد آئی۔ ایک دم اس نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق! تمہارے ساتھ میں اتنا
تک شاپنگ کرتی رہی لیکن جو اصل موضوع تھا جس پر میں تم سے گفتگو کرنا چاہتی تھی اس
سلسلے میں تم سے بات ہی نہیں کی۔ تمہارے لئے میں نے ایک اور کمرشل بک کیا ہے۔ اس
بار میں تمہارے ساتھ کام نہیں کروں گی بلکہ ایک اور ماڈل تمہارے ساتھ کام کرے گی۔
یہ جو سوٹ تمہارے لئے لائی ہوں ان میں سے ایک گرے لکر کا ہے۔ یہ تم اس کمرشل
لئے پہنو گے۔ یہ ایک ڈیزائننگ کمپنی کا کمرشل ہے۔ جو لڑکی تمہارے ساتھ کام کر رہی ہے
اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ اس کے ساتھ کون کام کرے گا۔ میں نے اسے تمہارا پاپا
کمرشل دکھایا۔ اس نے تمہیں بے حد پسند کیا۔ ساتھ ہی اسے میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ
لڑکا تمہارے ساتھ کام کرے گا اس میں دلچسپی لینے کی کوشش نہ کرنا اس لئے کہ وہ اب
ایسی آسامی ہے جو پہلے ہی بک ہو چکی ہے۔“

طوبی کی اس گفتگو پر سارے کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ طوبی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی
اور خلیل کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”خلیل میرے بھائی! مجھے

”حسن نے بھی جواب میں جھلاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”اپنا! وہ بھائی کی مگتیر ہے۔ لئے اس کا پیچھا کرتا ہوں تاکہ وہ کسی اور کے پاس نہ جائے۔ اگر بھائی نہیں ملتا تو پھر میں اسے اپنا ناجا ہوں گا۔ وہ کہیں باہر نہیں جائے گی۔“

اس بار رحمن نے پہلے سے بھی زیادہ خنگی اور غصے میں کہنا شروع کیا۔ ”تم اس طرح کی رزمہ داری کی گفتگو مت کرو۔ تم کون ہوتے ہو اسے اپنے ساتھ جکڑنے والے اور اپنے ناپید کرنے والے۔ یہ گفتگو جو تم نے ہمارے ساتھ کی ہے اگر طوبی کے ساتھ کرنے کی شش کی تو یاد رکھنا وہ ایسی گفتگو کو ہر گز ہر گز برداشت نہیں کرے گی۔ پھر تم جانتے ہو وہ رائے کی ماہر ہے۔ تم چند لمحے بھی اس کے سامنے نہ ٹھہر سکو گے اور اپنے اعضاء اس کے فوں تروا بیٹھو گے۔ میں تم دونوں ماں بیٹے کو ایک بار پھر وارننگ کرتا ہوں کہ طوبی کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ میں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ وہ طارق نام کے اس لڑکے کو بند کرتی ہے۔ یہ پسند کوئی چند دنوں اور چند لمحوں کی نہیں۔ وہ دونوں اکٹھے پڑھتے رہے ہما۔ ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں۔ ایک دوسرے کو اپنانے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ مجھے مدشہ ہے اگر تم دونوں ماں بیٹے نے زبردستی طوبی کو اپنی راہ بدلنے کے لئے کہا تو وہ بغاوت ہات آئے گی۔ لڑکی جب بغاوت پر اترتی ہے تو یاد رکھنا بڑے بڑے خاندانوں کو تنکوں کی طرح ہما کر لے جاتی ہے۔ اگر میری باتیں تمہاری سمجھ میں نہ آتی ہوں تو پھر یہی مثال احسن ہرے بیٹے! اپنی دونوں بہنوں کو سامنے رکھتے ہوئے سمجھ لیتا۔ جس طرز، جس طریقے پر طوبی چل رہی ہے اگر اسی طرز پر ثانیہ یا ثروت چلیں تو کیا تم دونوں ماں بیٹا ان کی مرضی، ان کا نشاء کے خلاف انہیں اندھے کنوئیں میں دھکیلنا پسند کرو گے؟ مجھے امید ہے تم کبھی ایسا پسند نہیں کرو گے۔ لہذا میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ جو بات تم اپنی بہنوں کے لئے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کی بہنوں کے لئے بھی مت پسند کرو۔ طوبی کے پسند کرتی ہے؟ کس کے ساتھ شاپنگ کرتی ہے؟ کس کو اپناتی ہے؟ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ ہاں وہ ہماری ٹیٹا ہے۔ اس کی نگہداشت، اس کی نگہبانی ہمارا فرض ہے۔ اگر وہ غلط باتوں میں جائے تو میں خود اسے سختی سے منع کروں گا لیکن جس لڑکے کو وہ اپنانے کا عزم کئے ہوئے ہے وہ ایک انتہائی شریف النفس انسان ہے۔ ہمیں یہ نہیں دیکھنا کہ وہ اپنے بھائی اور ماں کے ساتھ

برداشت ہے۔ طوبی آخر اسے کیوں اتنی لفٹ دے رہی ہے؟ کیوں اس کے ساتھ گھوم پھرتی ہے؟ کیوں اس کے ساتھ شاپنگ کرتی ہے اور کیوں اس کے ہاں جا کے کھانا کھا رہے؟“

نجم السحر کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ ثانیہ بول پڑی۔ ”بھائی! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ طوبی کا ذاتی معاملہ ہے۔ اگر وہ کسی کو پسند کرتی ہے تو آپ کو کوئی حق نہیں کہ اس کا تعاقب کرے اس کی پسند میں لات ماریں۔ وہ ہماری بہن ہے۔ ٹھیک ہے اس کے ماں باپ فوت ہو چکے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ ہماری غلام اور محکوم ہے۔ وہ سیلف ارننگ لڑکی ہے۔ اگر اسے زیادہ تنگ کرو گے تو وہ یہاں سے اٹھ کر نانی اماں کے گھر چلی جائے گی۔ پھر آپ اس کا کیا بگاڑ لیں گے؟ وہ پہلے ہی وارننگ دے چکی ہے۔ وہ آپ کو بھی بتا چکی ہے اگر مجھے زیادہ تنگ کیا گیا تو میں نانی اماں کے ہاں شفٹ ہو جاؤں گی۔ بھائی! جب وہ آپ کو پسند نہیں کرتی تو آپ کیوں ہاتھ دھو کے اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں؟“

ثانیہ کی اس گفتگو کو احسن نے بے حد ناپسند کیا تھا۔ وہ ثانیہ پر برس پڑا۔ ”ایک تو تم دونوں بہنیں اس کے حق میں بکواس کرتی رہتی ہو۔ اس سے اس کا دماغ اور زیادہ خراب ہو گیا ہے۔ وہ یہ سمجھتی ہے کہ اس گھر میں میری نسبت اس کے طرف دار زیادہ ہیں۔“

احسن جب خاموش ہو تو رحمن نے ڈانٹ دینے کے انداز میں اسے کہہ دیا۔ ”احسن! تم انتہادرجہ کے بدتمیز ہو چکے ہو۔ اپنی بہنوں سے اس طرح گفتگو کی جاتی ہے جس طرح تم کر رہے ہو۔ ثانیہ نے جو کچھ کہا وہ درست ہے۔ اگر طوبی تمہیں نہیں پسند کرتی تو تم زبردستی مسلط ہونے کی کوشش کیوں کر رہے ہو؟ جس کے لئے وہ خریداری کرتی ہے، جس کے ساتھ وہ شاپنگ کرتی ہے، جس کے ساتھ کھانا کھاتی ہے اسے وہ پسند کرتی ہے اور اس کی پسند کو ٹھکرایا نہیں جاسکتا۔ اگر تم نے اس سلسلے میں کوئی غلط قدم اٹھانے کی کوشش کی تو احسن! یاد رکھنا مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔“

رحمن تھوڑی دیر کے لئے رکا اور دوبارہ کہنا شروع کر دیا۔ ”تمہیں یہ بھی شرم نہیں آتی کہ طوبی تمہارے بڑے بھائی کی مگتیر ہے۔ جب وہ ملتا ہی نہیں ہے کہیں کھو چکا ہے؟ یا نہیں زندہ بھی ہے کہ مر چکا ہے تو طوبی اس کے سوگ اور اس کے انتظار میں کیوں بیٹھی رہے؟ تمہیں یہ بھی حیا نہیں آتی کہ تم اپنے بھائی کی مگتیر پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے

چھوٹے سے کوارٹر میں رہتا ہے۔ ہمیں تو صرف اس بات کو اہمیت دینی ہے کہ طوبی اسے پسند کرتی ہے اور وہ طوبی کا معیار ہے۔ بس یہی بات ہماری نگاہوں میں اس کے قابل عزت اور پروتار ہونے کے لئے کافی ہے۔“

احسن شاید جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ رحمن انتہائی غصے اور غضب ناک کی حالت میں ہے تو وہ چپ چاپ اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے بیڈ روم کی طرف چلا گیا۔



طوبی اپنے آفس میں بیٹھی ہوئی تھی اچانک کاغذ پر چلتے بال پوائنٹ کو اس نے روک دیا۔ بال پوائنٹ اس نے دانتوں میں لیا۔ کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر بال پوائنٹ اس نے اپنے سامنے شیشے پر رکھ دیا۔ ٹیلی فون کا ریسپور اٹھایا۔ کسی کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے جب کسی نے السلام علیکم کہتے ہوئے اپنی موجودگی کا احساس دیا۔ تب طوبی بولی۔ ”کیا شیراز انکل بول رہے ہیں؟“

دوسری طرف سے واقعی شیراز کی آواز تھی۔ ”اس کے جی ہاں کہنے پر طوبی نے پھر اسے مخاطب کیا۔ ”انکل! میں طوبی بول رہی ہوں۔ ذرا طارق سے بات کروائیے۔“ دوسرے ہی لمحے شیراز کی آواز طوبی کے کانوں میں گونج گئی۔ ”بیٹی! طارق تو آج پریس آیا ہی نہیں۔ میں نے دس بجے تک اس کا انتظار کیا کہ شاید آجائے۔ جب وہ نہ آیا تو اس نے مجھے جو فون نمبر دیا تھا میں نے اس پر فون کیا تو پتا چلا کہ اس کا کہیں ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور وہ کام پر نہیں آیا۔ لہذا میں اور کاشف دونوں اس کے گھر گئے۔ وہ واقعی کام پر آنے کے قابل نہیں تھا۔ بہر حال ہم دونوں تھوڑی دیر تک اس کے پاس بیٹھ کر چلے آئے ہیں۔“ یہ خبر سن کر طوبی تھوڑی دیر تک کچھ نہ بول سکی۔ افسردہ اور مغموم ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر کپکپاتی ہوئی آواز میں اس نے پوچھ لیا۔ ”انکل! کیا آپ نے پوچھا اس کا ایکسیڈنٹ کیسے ہوا؟ وہ خیریت سے تو ہے نا؟ کہیں زیادہ چوٹ تو نہیں لگی؟“

”بیٹی! میں نے اسے بڑا کریدالین وہ کچھ ٹال سا گیا ہے۔ چونکہ اس کی پیٹھ پر آئی ہیں۔ میرے خیال میں وہ ایک دو دن کام پر نہیں آسکے گا۔ بہر حال خطرے کی کوئی بات نہیں۔“ طوبی نے ریسپور رکھ دیا۔ تھوڑی دیر تک پھر وہ کچھ سوچتی رہی۔ بیچاری پریشان سی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے بعد دوبارہ ریسپور اٹھایا اور نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے جب کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی تب طوبی فوراً کہہ اٹھی۔ ”میا! میں طوبی بول رہی ہوں۔ کیا طارق سے بات نہیں ہو سکتی؟“

جواب میں میا کی افسردہ سی آواز سنائی دی۔ ”طوبی بیٹی! اس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ بستر پر

طوبی نے قریب پڑی ہوئی ٹرے اٹھائی۔ کپ اس میں رکھے پھر کہنے لگی۔ ”اچھا! جو تم میاں رہنے دیں۔ میں خود آری ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی اس نے ریسور رکھ دیا۔ باہر نکلی گاڑی اشارت کی اور چل دی۔

جواب میں خلیل مسکرا دیا۔

”چلو دونوں بہن بھائی اکٹھے چلتے ہیں۔“ پھر دونوں چائے لے کر دوسرے کمرے میں آئے۔ پہلے خاموشی سے چاروں نے بیٹھ کر چائے پی۔ پھر طوبی نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”مجھے دکھاؤ۔ کہاں کہاں چوٹیں آئی ہیں؟“

طارق نے گھورتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ ”رہنے دیں۔ بس پیٹھ پر معمولی چوٹیں ہیں۔ زیادہ نہیں ہیں۔“

طوبی جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اسی لمحہ سلطان اور تحریم اس کمرے میں داخل ہوئے۔ دوسرے کمرے سے کچھ اور لوگوں کی باتیں کرنے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد زرگونہ، گل سانگا، ثروت، اس کی ماں، میاسب اس کمرے میں داخل ہوئے اور سعدیہ کے قریب بیٹھ گئے۔ سلطان باہر نکلا۔ دوسرے کمرے میں گیا اور ہاتھ کے اشارے سے اس نے طوبی اور خلیل کو دوسرے کمرے کی طرف بلایا۔

طوبی اور خلیل جب اس کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا وہاں پہلے سے علی خان، مراد خان، اللہ بخش اور بھار خان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب کو وہاں دیکھتے ہوئے طوبی کی قدر فکر مند ہو گئی تھی۔ سلطان نے جب ہاتھ کے اشارے سے کرسی کی طرف اشارہ کیا تب طوبی وہاں بیٹھ گئی۔ اس کے قریب ہی خلیل ہو بیٹھا۔

پھر دھیمی سی آواز میں سلطان نے طوبی کو مخاطب کیا۔ ”طوبی! میری بیٹی! جو کچھ میں کہنے لگا ہوں ذرا صبر سے سننا۔ سب سے پہلے تو طارق کے اس حادثے کے سلسلے میں، میں تمہارے ساتھ افسوس اور دکھ کا اظہار کرتا ہوں۔ بیٹی! طارق ہمیں کہتا ہے کہ پیچھے سے موٹر سائیکل والے نے ٹکر ماری ہے وہ فٹ پاتھ پر گر گیا اور اس کی پیٹھ پر چوٹیں آئیں لیکن میں اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میری بیٹی! میری بیٹی! میں نے بھی ایک عرصہ پولیس میں گزارا ہے۔ کچھ تجربہ رکھتا ہوں۔ زندگی کا اتار چڑھاؤ اور زندگی کا گرم سرد بھی دیکھ رکھا ہے۔ طارق کی پیٹھ پر جو چوٹیں آئی ہیں ان کا میں نے گہری نگاہ سے جائزہ

پڑا ہوا ہے۔“ اب طوبی واقعی زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔ فوراً میاں کو اس نے مخاطب کیا۔ ”اچھا میاں! رہنے دیں۔ میں خود آری ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی اس نے ریسور رکھ دیا۔ باہر نکلی گاڑی اشارت کی اور چل دی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ پاکستان کوارٹرز میں داخل ہوئی۔ جلدی جلدی گاڑی اس نے پارک کی۔ باہر نکلی اور تقریباً بھاگتی ہوئی طارق کے کوارٹر میں داخل ہوئی۔ بائیں طرف والے کمرے میں کوئی نہ تھا خالی پڑا ہوا تھا۔ اس میں داخل ہونے کے بعد درمیانی دروازے سے وہ دوسرے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہاں ایک مسمری پر طارق آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ اس کے قریب ہی ویل چیئر پر سعدیہ بیٹھی ہوئی تھی۔ خلیل نہیں تھا۔

طوبی لرزتی، کانپتی آگے بڑھی۔ طارق کا جائزہ لیا۔ وہ آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ اشارے سے طوبی نے سعدیہ سے معاملے کی نوعیت جانتا چاہی۔ سعدیہ بول پڑی۔ ”بیٹے! کہیں ایکسٹنٹ ہوا ہے۔ بیچارے کی پیٹھ پر چوٹیں آئی ہیں۔“

سعدیہ کی آوازیں سن کر طارق نے آنکھیں کھول دیں۔ طوبی کو اپنے سامنے دیکھتے ہوئے اس نے لبوں پر زبردستی مسکراہٹ بکھیر لی۔ طوبی کرسی کھینچ کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور پوچھنے لگی۔ ”کیا ہوا؟“

طارق نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ کہنے لگا۔ ”کچھ نہیں۔ بس سر کلر روڈ پر جا رہا تھا پیچھے سے تیز رفتار موٹر سائیکل آیا۔ اس نے مجھے بچانے کی بڑی کوشش کی لیکن نہ بچا۔ سیدھا مجھ سے ٹکرایا۔ میں فٹ پاتھ پر گر گیا اور پیٹھ پر چوٹیں آئی ہیں۔“

طوبی نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر کہنے لگی۔ ”خلیل کہاں ہے؟“

سعدیہ کہنے لگی۔ ”خلیل باورچی خانے میں ہے۔ ہم دونوں ماں بیٹے کے لئے چائے بنا رہے۔“

طوبی اٹھی۔ ساتھ والے کمرے کے پیچھے جو باورچی خانہ تھا ادھر گئی۔ وہاں خلیل چائے بنا چکا تھا اور کیتلی سے چائے کپوں میں ڈال رہا تھا۔ طوبی جب باورچی خانے میں داخل ہوئی تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے تقریباً مسکراتے ہوئے خلیل کہنے لگا۔ ”طوبی! میری بہن! میں آپ کو دیکھ چکا ہوں۔ تین کی بجائے میں چار کپوں میں چائے ڈال رہا ہوں۔ میں بس چائے لے کر ہی آپ سے ملنا چاہتا تھا۔“

لیا ہے۔ وہ چوٹیں فٹ پاتھ پر گرنے کی نہیں ہے۔ جہاں تک میں اندازہ لگا سکا ہوں طارق فٹ پاتھ پر نہیں گرا بلکہ جو چوٹیں اس کی پیٹھ پر آئی ہیں وہ صاف اور واضح ہیں اور نشانہ دہی کرتی ہیں کہ کسی نے ہاکی سے اسے خوب مارا ہے۔ اب تم بھی اس وقت یہاں موجود ہو۔ سوچو! کون ہے جو اسے مار سکتا ہے۔ بظاہر یہ یہی کہتا ہے کہ ایکسٹنٹ ہوا ہے لیکن اس کے چہرے کے تاثرات، اس کی زبان کی ہکلاہٹ بتاتی ہے کہ وہ کسی معاملہ کو چھپا رہا ہے۔ بہر حال اس سے پہلے میں نے بجا خان، اللہ بخش، علی خان اور مراد خان کے ساتھ طویل گفتگو کی ہے اور ہم نے باہم یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ کس نے اس پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ اس سلسلے میں ہماری خلیل سے بھی بات ہوئی تھی۔ اس نے ہمیں بتایا کہ پہلے بھی کسی نے طارق کو مارا تھا۔ یہ تمہارے آنے جانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ہم سے بھی چھپایا گیا تھا۔ نہ طارق نے ہم سے ذکر کیا اور نہ خلیل نے۔ اب جب کہ دوبارہ کی نے اسے مارا ہے اب خلیل نے بتایا ہے کہ پہلے بھی جو حادثہ پیش آیا تھا تب بھی بھائی کی پیٹھ پر جو چوٹیں آئی تھیں وہ بھی ایسی ہی تھیں۔ اب ہم نے سوچنا یہ ہے کہ وہ کون ہے جو طارق پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ اس نے اسے ہاکی سے مارا۔ مارنے والا ایک نہیں ہے۔ میں نے اس سے پوچھنے کی بہت کوشش کی۔ جب سے وہ مار کھا کر آیا ہے میں کئی بار اس سے مل چکا ہوں۔ پیار سے تسلی دیتے ہوئے پوچھ چکا ہوں لیکن نہیں بتاتا۔ یہی کہتا ہے کہ ایکسٹنٹ ہوا ہے۔ میری بیٹی! میری بچی! تم اس کی زندگی کی ساتھی ہو۔ ٹھیک ہے تم دونوں میاں بیوی کی زندگی بسر نہیں کر رہے لیکن بہر حال تم اس کی بیوی ہو۔ اس کے پاس بیٹھو۔ پیار سے اسے مخاطب کر کے پوچھو کہ اصل معاملہ کیا ہے تاکہ ہم یہ تو جان سکیں کہ کون اس کا دشمن ہے؟ کون اس پر ہاتھ اٹھاتا ہے؟

سلطان جب خاموش ہوا تو طوبی بیچاری رو دینے والی آواز اور پھٹ پڑنے والے انداز میں بول پڑی۔ ”انکل! جب آپ نے مجھ پر یہ انکشاف کیا کہ ایکسٹنٹ نہیں ہوا طارق کو کسی نے مارا ہے تو میرا ذہن فوراً اپنی آئی اور اپنے کزن احسن کی طرف گیا تھا۔ مجھے یہ شک ہوا کہ انہوں نے کسی سے کہہ کر یہ کام کر دیا ہو گا۔ اب جبکہ آپ کہہ رہے ہیں کہ میرے آنے جانے سے پہلے بھی اس قسم کا حادثہ پیش آیا تھا تو میرا شک رفع ہو گیا۔ اب میں طارق سے پوچھنے کی کوشش کرتی ہوں کہ کون لوگ ہیں جو اس کے دشمن ہیں اور کیوں انہوں نے اس پر ہاتھ اٹھایا۔ آپ پہلے ایسا کریں سب کو اس کمرے میں بلوالیں۔ دوسرے لوگوں کو موجودگی میں وہ مجھے کچھ نہیں بتائے گا۔“

سلطان اپنی جگہ سے اٹھا۔ دونوں کمرے کے بیچ میں جو دروازہ تھا اس پر آن کھڑا ہوا۔ ہر بول پڑا۔ ”میا! گل سانگا، تحریم، زرگونہ! میری بہنو! میری بچیو! سب اس کمرے میں آؤ۔ سعدیہ کی کرسی بھی ادھر ہی لے آؤ۔“

سلطان کی اس پکار پر جہاں آراء، گل سانگا، ثروت، اس کی ماں، تحریم، زرگونہ سب اٹھ کڑی ہوئیں۔ زرگونہ نے سعدیہ کی ویل چیئر سنبھال لی۔ اس طرح سب دوسرے کمرے میں آ گئیں۔ دوسرے کمرے میں جو دو چار پائیاں لگی ہوئی تھیں وہ سب ان پر بیٹھ گئیں پھر سلطان نے طوبی کو مخصوص اشارہ کیا۔ اشارہ پا کر طوبی دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی۔

طارق کے قریب ہی جو خالی کرسی پڑی ہوئی تھی طوبی اس پر بیٹھ گئی۔ طارق نے ایک ٹکڑا بھر کے اس کی طرف دیکھا۔ طوبی کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ وہ ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ پھر دونوں ہاتھ اس نے آگے بڑھائے۔ طارق کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ ہاتھ کو اس نے طویل بوسہ دیا۔ پھر طارق کو اس نے مخاطب کیا۔ ”طارق! ایک بات پوچھتی ہوں بڑے ٹھیکہ تم وعدہ کر جو میں پوچھوں گی اس کا جواب سچ سچ دو گے اور یہ کہ وہ بات چھپانے کی کوشش نہیں کرو گے۔“

طارق نے گھورنے کے انداز میں طوبی کی طرف دیکھا۔ اس نے یہ بھی اندازہ لگایا کہ طوبی کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ ہونٹ کاٹتے ہوئے وہ ضبط کر رہی تھی۔ رونے کے ارپے تھی۔ طارق نے ایک لمبا سانس کھینچا۔ آنکھیں بند کر لیں اور کہنے لگا۔ ”پوچھو کیا پوچھتی ہو؟“

”یہ جو تمہاری پیٹھ پر چوٹیں آئی ہیں اصل معاملہ کیا ہے؟ بات کو چھپانے کی کوشش مت کرنا نہ مجھے یہ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کرنا کہ موٹر سائیکل سے تمہارا ایکسٹنٹ ہوا تھا اور تم فٹ پاتھ پر گر گئے تھے۔“ طوبی رکی۔ اپنے آپ کو سنبھالا پھر دوبارہ کپکپاتی ہوئی آواز نکال کر کہہ رہی تھی۔ ”طارق! دوسروں کو تم بے شک ٹالتے رہو لیکن میرے ساتھ یہ معاملہ مت کرنا۔ میں تمہاری بیوی ہوں۔ اس سلسلے میں میری سلطان انکل سے تفصیل سے

میں بول پڑی۔ ”انکل! جب آپ نے مجھ پر یہ انکشاف کیا کہ ایکسٹنٹ نہیں ہوا طارق کو کسی نے مارا ہے تو میرا ذہن فوراً اپنی آئی اور اپنے کزن احسن کی طرف گیا تھا۔ مجھے یہ شک ہوا کہ انہوں نے کسی سے کہہ کر یہ کام کر دیا ہو گا۔ اب جبکہ آپ کہہ رہے ہیں کہ میرے آنے جانے سے پہلے بھی اس قسم کا حادثہ پیش آیا تھا تو میرا شک رفع ہو گیا۔ اب میں طارق سے پوچھنے کی کوشش کرتی ہوں کہ کون لوگ ہیں جو اس کے دشمن ہیں اور کیوں انہوں نے اس پر ہاتھ اٹھایا۔ آپ پہلے ایسا کریں سب کو اس کمرے میں بلوالیں۔ دوسرے لوگوں کو موجودگی میں وہ مجھے کچھ نہیں بتائے گا۔“

بات ہو چکی ہے۔ ان کا بھی کہنا ہے کہ یہ چوٹیں فٹ پاتھ پر گرنے کی نہیں۔ جو چوٹیں چو
پر ہیں وہ ہاکی کے نشانات ہیں۔ پہلے اٹے لیٹو میں تمہاری پیٹھ خود دیکھوں گی۔“
طارق مسکرا دیا۔ طوبیٰ کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ نکالا۔ ہلکی سی چپٹ طوبیٰ کے گال پر لگائی
پھر کہنے لگا۔ ”دل دکھانے والی باتیں نہیں کرتے۔ تمہیں میری پیٹھ دیکھنے کی ضرورت
نہیں ہے۔ چوٹیں آئی ہیں لیکن اتنی خطرناک بھی نہیں کہ میں اٹھ نہ سکوں۔ بس لیٹا ہوا
ہوں۔ پیٹھ میں درد ہے۔ اگر زیادہ چوٹیں ہوتیں تو میں پیٹھ کے بل لیٹ ہی نہ سکتا۔ دو ایک
روز سکاکی کرائیں گے ٹھیک ہو جائیں گے۔ خلیل مجھے ہسپتال لے گیا تھا۔ میڈیسن بھی میں
نے لی ہے۔ پہلے سے مجھے افاتہ ہے۔ ایک دور روز تک میں کام پر جانا بھی شروع کر دوں گا۔
تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ چپ چاپ بیٹھو۔ تمہارا میرے پاس بیٹھنا ہی
میرے لئے بہت بڑے سکون کا باعث ہے۔“

☆

طوبیٰ نے سوالیہ سے انداز میں طارق کی طرف دیکھا۔ ”طارق! اس طرح مجھے ٹالنے اور
بھلانے کی کوشش مت کرو۔ میں نے جو کچھ پوچھا ہے مجھے اس کا جواب چاہئے۔“
مسکراتے ہوئے طارق نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔ ”تم نے سوال ہی غلط کیا ہے۔ تم
اس طرح مجھ سے تحقیق کر رہی ہو جیسے کوئی میرے قتل کے درپے ہے۔“
طارق یہیں تک کہنے پایا تھا کہ طوبیٰ نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔ پھر خفگی کے
انداز میں کہنے لگی۔ ”دوبارہ ایسی بات مت کرنا۔“

طارق خاموش رہا۔ کچھ دیر تک طوبیٰ بھی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ طوبیٰ کی آواز بھر
سنائی دی۔ ”میں نے جو کچھ پوچھا ہے تم نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔“

”اس کا جواب میرے پاس ہے ہی نہیں۔ تم خواہ مخواہ میں ضد کر رہی ہو۔ میں نے کہا
ہے بس ایک ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ سلطان صاحب نے تمہیں کچھ اور ہی پتی پڑھائی ہو گی۔ ذہن
خلیل سے بھی کہہ رہے تھے کہ یہ فٹ پاتھ پر گرنے کے نشانات نہیں ہیں ہاکیوں کے نشان
ہیں۔ طوبیٰ! اگر تمہیں میری خوشی، میرا سکون درکار ہے تو پھر اس معاملے کو مت کریدو۔

جو ہو چکا ہے اس پر مٹی ڈال دو۔ بس یوں جانو یہ میری تم سے استدعا ہے۔“

طارق کے الفاظ پر طوبیٰ پیچاری پگھل کر رہ گئی تھی۔ کچھ بھی نہ بولی۔ اپنی جگہ سے
اٹھی۔ دوسرے کمرے میں گئی۔ جو بات چیت ہوئی اس سے سب کو آگاہ کر دیا۔

طوبی پھر پہلے جیسی منتظر آواز میں بولی۔ ”نہیں انکل! آپ کے آنے کی ضرورت نہیں۔ میرے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی وہ ڈاکٹر کو دکھا کر دوائی لے چکے ہیں۔ میں نے آفس طارق کو پہلے پولیس میں فون کیا وہاں سے پتا چلا کہ وہ کام پر نہیں گیا۔ وہیں سے مجھے پتہ کہ اس کا کہیں ایکسیڈنٹ ہوا ہے، وہ زخمی ہے لہذا میں نے میا کو فون کیا تو اس نے بتایا کہ وہ ہکمرے میں پڑا ہوا ہے۔ لہذا میں آفس سے نکل کر ادھر چلی آئی ہوں۔ انکل! میں نے اپنے آفس میں فون کیا ہے اور آفس والوں کو ہدایت کر دی کہ وہ آفس بند کر کے چلے جائیں۔ میں نہیں آؤں گی۔ دوسری بات جو میں آپ سے کہنا چاہتی ہوں وہ یہ کہ کیا میں رات رہ سکتی ہوں؟“

رحمان نے کچھ سوچا پھر نگاہ اپنے سامنے بیٹھی اپنی بیٹی ثانیہ پر ڈالی پھر بول پڑا۔ ”میری رحمان نے ریسور اٹھایا۔ اپنا تعارف کروایا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”انکل! طوبی بول رہی ہوں۔“

دوسری طرف سے زوردار آواز میں طوبی بول پڑی۔ ”انکل جی! عجیب سا کیوں لگے گا؟ ڈاکٹر رحمان چونکا اور پوچھ لیا۔ ”طوبی! میری بیٹی! اس وقت تم کہاں سے بول رہی ہو؟“

طوبی کی پریشان اور منتشر سی آواز سنائی دی۔ ”انکل! میں طارق کے ہاں سے بول رہی ہوں۔ اس وقت سب لوگ طارق کے کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں باہر کار میں آئی ہوں اور موبائل سے آپ سے رابطہ کیا ہے۔ انکل! بات یہ ہے کہ طارق کے سخت چوٹ پر آئی ہیں۔ اور وہ اس وقت بستر پر پڑا ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کا ایک موٹر سائیکل والے سے ایکسیڈنٹ ہوا ہے جس کے نتیجے میں وہ فٹ پاتھ پر گر گیا تھا لہذا اس کی پیٹھ پر چوٹیں آئی ہیں۔ لیکن سلطان انکل نہیں مانتے۔ انکل سلطان کا کہنا ہے کہ طارق کی پیٹھ پر چوٹیں نہیں آئی ہیں وہ انہوں نے بغور دیکھی ہیں۔ وہ فٹ پاتھ پر گرنے کی چوٹیں نہیں بلکہ ایسی چوٹیں ہیں جیسے کسی نے ہاکی سے مارا ہو۔ انکل! میں نے علیحدگی میں بھی طارق کو کریدنے کی کوشش کی لیکن فی الحال وہ نہیں بتاتا۔ میں اس کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے چپ ہو رہی ہوں۔ جب وہ ٹھیک ہو جائے گا پھر اس سے جاننے کی کوشش کروں گی انکل۔“

یہاں تک کہتے کہتے طوبی کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ رحمان بول پڑا تھا۔ ”بیٹے! اگرچہ“

چوٹیں آئی ہیں وہ زخمی ہے تو کیا میں پہنچ جاؤں؟“

رحمان کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ پھر پوچھنے لگا۔ ”بیٹے! کیا ہو گیا؟ طوبی! بتا رہی تھی کہ تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ پیٹھ پر چوٹیں آئی ہیں۔ کیا معاملہ ہے؟ اگر تم کہو تو میں پہنچ

جاؤں؟“

”نہیں انکل! آپ کے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہسپتال سے میں دوائی لے رہی ہوں۔ فکر مندی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بس فٹ پاتھ پر گر گیا تھا اس کی وجہ سے۔“
 پر چونٹیں آئی ہیں۔ دو ایک روز تک ٹھیک ہو جاؤں گا اور کام پر جانا شروع کر دوں گا۔“
 رحمان نے پھر اسے مخاطب کیا۔ ”بیٹے! کسی چیز کی ضرورت ہو تو کہو۔“
 جواب میں طارق نے شکریہ ادا کر دیا اور موبائل اپنے قریب بیٹھی طوبیٰ کو تھمادیا۔ طوبیٰ نے پھر رحمان کو مخاطب کیا۔ ”پھر انکل! میں کیا کروں؟“

”نہیں بیٹے! اس سلسلے میں طوبیٰ نے کوئی قدم نہیں اٹھایا بلکہ اپنے گھر کے ماحول کو رحمان کی آواز سنائی دی۔ جس میں سنجیدگی اور گہرا اپن تھا۔ ”میری بیٹی! تم کچھ مزے ہوئے یہ مشورہ میں نے ہی اسے دیا تھا۔ میری بیٹی! تو جانتی ہے تیری ماں دن بدن کرو۔ تھوڑی دیر مزید طارق کے پاس بیٹھو۔ اس کی دلجوئی کرو۔ اس کے بعد گھر آ جاؤ۔“
 اس کے ساتھ ہی فون کا سلسلہ بند ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر رحمان نے جب ریسور رکھا تو سامنے بیٹھی ثانیہ متفکر انداز میں اپنے باپ کی بات یاد دہانی سے دہرائی۔ ”پاپا! کیا بات ہے؟ طوبیٰ اس وقت کہاں ہے؟ اس کی باتوں سے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں اور پسند کرتے ہیں جب وہ اکٹھے پڑھتے تھے۔ دونوں سے مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ فکر مند اور پریشان ہے۔ کیا طارق کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟“
 رحمان منہ سے کچھ نہ بولا۔ اثبات میں گردن ہلا دی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ کچھ سوچتا رہا۔ ”اگلی کے سخت رویے سے بچنا چاہتی ہے تو پھر آخری راستہ اس کے لئے یہی ہے کہ وہ تھوڑی دیر بعد اس نے ثانیہ کو مخاطب کیا۔ ”ثنیہ! میری بیٹی! اگر تم ایک راز کو راز ہی رکھو گے تو اس کے ساتھ نکاح پڑھو الے۔ اگر کسی موقع پر نجم السحر زبردستی کسی سے اس کا نکاح کا عہد کر دو تو میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔“

ثنیہ نے جواب طلب سے انداز میں اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگی۔ ”پاپا! کیا بات ہو سکتی ہے۔ بس یہ سارا کام میں نے اس کے بچاؤ کے لئے کیا ہے۔ اس میں طوبیٰ نے میں نے پہلے کبھی آپ کے اعتماد کو دھوکہ دیا جواب آپ مجھ سے رازداری کا عہد لے رہے ہیں۔“

رحمان مسکرا دیا اور دوبارہ بولا۔ ”نہیں بیٹی! یہ بات نہیں۔ جس موضوع پر میں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں وہ بڑا اہم اور خطرناک موضوع ہے۔ میں تم دونوں بیٹیوں پر برے حالات میں بھی اعتماد کر سکتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم دونوں میرے راز کو راز رکھنے کی ہمت اور جرات رکھتی ہو۔ بیٹی! بات یہ ہے کہ طوبیٰ کا نکاح طارق سے ہو چکا ہے۔ اب وہ قانوناً اس کی بیوی ہے۔ مجھے فون کر رہی تھی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں طارق کی تیار داری کے لئے رات وہیں رہ لوں۔ لیکن میں نے اجازت نہیں دی۔ میں نے اسے

ہے۔ پاپا! اگر وہ کسی کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا چکی ہے تو اس چناؤ کا اسے پورا پورا حق ہے۔ اس معاملے میں نہ ماما، نہ احسن کو دخل اندازی کرنی چاہئے۔ ماما اگر اسے اپنے گم شدہ بیٹے کے لئے وقف رکھنا چاہتی ہے تو یہ بھی زیادتی ہے۔ گم شدہ بیٹا ہمارا بھائی ہے۔ ہماری فائش، ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں مل جائے اس طرح ہمارے دو بھائی ہو جائیں گے لیکن ارادہ نہیں ملتے تو پاپا! اس کے لئے طوبیٰ کو تو نہیں بٹھایا جاسکتا۔ نہ اسے اتنی کڑی سزا دی جا سکتی ہے نہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر بڑا بھائی نہیں ملتا تو پھر طوبیٰ کو زبردستی احسن کے پلے باندھ دیا جائے۔ میں کئی بار تفصیل کے ساتھ طوبیٰ سے گفتگو کر چکی ہوں۔ وہ احسن کو ناپسند کرتی ہے۔ بہر حال پاپا اچھا ہو گیا کہ جسے وہ پسند کرتی ہے اس کے ساتھ آپ نے اس کے ہاتھ کا اہتمام کر دیا۔ اس طرح اب ایک بند بندھ گیا ہے۔ اب ماما اس کی شادی کے سلسلے میں اس کے ساتھ کوئی زیادتی، کوئی جبر نہ کر سکیں گی۔

یہاں تک کہتے کہتے ثانیہ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ عین اس وقت کچھ لوگ ایک مریض کو لے کر آگئے تھے۔ اس طرح دونوں باپ بیٹی مل کر اس مریض کا معائنہ کرنے لگے تھے۔

☆

رحمان کے کمرے کے ساتھ ہی احسن کا کمرہ تھا اور اس کے آگے نجم السحر کا جس کے باہر مزر رحمان لکھا ہوا تھا۔ اچانک احسن اپنے کمرے سے نکلا۔ نجم السحر کے کمرے کے باہر ٹاٹ مریض عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہیں دیکھ کر احسن پھر اپنے کمرے میں واپس چلا گیا۔ اس کی حالت سے لگتا تھا کہ وہ اپنی ماں سے کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن مریض عورتوں کا جلال کرتے ہوئے وہ اندر نہیں جا رہا تھا۔

اس طرح احسن تین چار مرتبہ وقفہ وقفہ سے باہر نکلا۔ جب بیچ پر ایک ہی عورت رہ گئی تو وہ دروازے پر آن کھڑا ہوا۔ مریض عورت اندر گئی۔ جب وہ باہر نکلی تو وہ نور اپنی ماں کے کمرے میں داخل ہوا۔ سامنے جو کرسی رکھی ہوئی تھی اس پر بیٹھ گیا۔ پھر اپنی ماں کو قاطب کر کے کہنے لگا۔ ”ماما! آج ایک بہت بڑا حادثہ رونما ہوا ہے۔ ایسا حادثہ جس کی ہم انوں ہی توقع نہیں کر سکتے تھے۔“

نجم السحر نے گھورنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ”کھل کر کہو بیٹا! کیا کہنا چاہتے

نجم السحر کا مزاج ایسا نہیں تھا۔ موم کی طرح نرم تھی۔ اپنے بیٹے کو بھی اس نے خود ہی پالا ہے۔ اگر وہ شروع ہی میں مجھے بتا دیتی کہ میرے ساتھ شادی سے پہلے اس کا ایک بیٹا تھا تو قسمیہ بات ہے میں اس کی تربیت احسن کی طرح کرتا۔ لیکن نجم السحر نے بڑی حماقت اس نے اس وقت مجھے بیٹے کے متعلق بتایا جب وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ وہ اسے تلاش کرنے پر وہ نہیں ملتا۔ وہ اس بیٹے سے پیار بھی بہت کرتی ہے۔ جب اسٹینک اسٹیشن میں رہتی ہوں تو اسے یاد کرتی تھی۔ روز مجھ سے کہتی تھی اتنا بڑا ہو چکا ہو گا۔ ایسی شکل و شباہت کا مالک ہو گا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ احسن سے بھی خوبصورت اور قد آور ہوا ہو گا۔ میری بیٹی! اب وہ طوبیٰ اپنے گمشدہ بیٹے کے لئے ریز رو رکھنا چاہتی ہے۔ کیا پتہ وہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ زندہ بھی ہے کہ نہیں۔ طوبیٰ آخر کب تک اس کے انتظار میں بیٹھی رہے گی۔ اور پھر طوبیٰ اس کے لئے اور وہ خود طوبیٰ کے لئے اجنبی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے مزاج سے واقف نہیں ہیں اور پھر نجانے وہ کس شخصیت کا مالک ہے؟ کچھ پڑھا لکھا بھی ہے کہ نہیں۔ کیا کام دھندہ کرتا ہے؟ ایسی صورت میں کیسے طوبیٰ آنکھیں بند کر کے اس کا انتظار کرے۔ اور پھر تمہاری ماں کا یہ بھی ارادہ ہے کہ اگر اس کا بڑا بیٹا احتشام نہیں ملتا تو وہ طوبیٰ کا نکاح احسن سے کروادے گی۔ تم جانتی ہو۔ احسن کو طوبیٰ ناپسند کرتی ہے۔ بس انہی حالات کی وجہ سے میں نے طوبیٰ کو یہ مشورہ دیا اور میرے مشورے کو قبول کرتے ہوئے طوبیٰ نے طارق سے نکاح پڑھوایا۔ اب وہ قانونی طور پر طارق کی بیوی ہے۔ اس کے پاس رہ سکتی ہے۔ رات بسر کر سکتی ہے۔ نکاح کے وقت میں نے بتا دیا تھا کہ نکاح صرف پیش بندی کے لئے کیا جاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ زوجیت کا حق ادا نہیں کر سکتے اور نہ ہی ایک دوسرے کے پاس رات بسر کر سکتے ہیں۔ اس لئے میں نے اسے وہاں رہنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ اسے کہا ہے کہ تھوڑی دیر بعد گھر آجائے۔ بس یہی معاملہ ہے جو میں تم سے کہنا چاہتا تھا۔ رحمان نے بڑی نرمی، بڑی آہستگی سے یہ سارا معاملہ اپنی بیٹی ثانیہ کو سمجھا دیا تھا۔

رحمان کے خاموش ہونے پر ثانیہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر بول پڑی۔ ”پاپا! طوبیٰ آج ساتھ ماما کو سختی سے پیش نہیں آنا چاہئے۔ وہ ہماری ماموں زاد ہے۔ ہماری بہن ہے۔ اس کے ماں باپ نہیں ہیں۔ ماما کی نگاہوں میں اس کی قدر ہم دونوں بہنوں سے بھی زیادہ ہونی چاہئے۔ اگر وہ کسی کو پسند کرتی ہے تو اس کی پسند کو ہمیں اپنی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنا

ہو؟ پہیلیاں نہ بجاؤ۔ مجھے پریشانی میں مت ڈالو۔“

نجم الحرج جب خاموش ہوئی تو احسن تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے اپنی ماں کو

ب کیا۔ ”ماما! آپ بتائیں آپ اس سلسلے میں کیا کرنا چاہتی ہیں؟“

نجم الحرج بھی اب تک سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ احسن کے سوال کرنے پر وہ چوگی۔

اس کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگی۔ ”بیٹے! طوبیٰ نے طارق سے خفیہ شادی کر کے ایک طرح

ہمارے خلاف بغاوت کھڑی کی ہے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ میں اسے پوری

تجارت چکی تھی، واضح کر چکی تھی کہ وہ میرے گم ہو جانے والے بیٹے کی امانت ہے۔ اگر وہ

اپنے پھر اس کی شادی تمہارے ساتھ کی جائے گی لیکن اس نے میرے سارے مشوروں

دکرتے ہوئے جو طارق سے شادی کی ہے وہ ایک طرح سے ہمارے ساتھ رشتوں کو

ان کے مترادف ہے۔ احسن میرے بیٹے اب ہم نے جو سب سے پہلے کام کرنا ہے وہ یہ

کہ کسی طریقہ سے طارق اور طوبیٰ کے رشتے کو ختم کیا جائے۔ اگر یہ کام طارق پر سختی

بغیر نکل آئے تو اس میں میری خوشی، میری آسودگی ہوگی۔ میں چاہتی ہوں کہ اس پر

زیادہ سختی یا جبر ظلم نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ وہ بھی کسی کا بیٹا ہے۔ تمہارے پاپا ایک دفعہ

ارہے تھے کہ اس کی ماں مفلوج ہے۔ وہیل چیز میں ادھر ادھر آتی ہے۔ گھر کے

نہایت یہی چلانے والا ہے۔ لہذا میں نہیں چاہوں گی کہ اس کو کوئی ایسا نقصان پہنچے کہ

لکے اہل خانہ بھوکوں مریں۔ اگر کسی اچھے طریقے سے طارق طوبیٰ کو طلاق دینے پر رضا

دے دے تو میرے خیال میں طارق کو اس سے بڑی سزا نہیں دینی چاہئے اور اگر وہ پیار

کرنے سے نہ مانے تب بھی اس پر سختی کر کے ہر صورت میں اس سے طلاق لی جائے۔ اگر وہ

لان دینے پر رضامند نہ ہو تب میرے بیٹے! میرے بچے! اسٹامپ پر طارق کی طرف سے

الٹی کے لئے طلاق نامہ لکھوایا جائے۔ چنانچہ اسے اٹھوایا جائے، کسی محفوظ سنانا جگہ

سٹامپ پر سختی کی جائے اور اس سے اسٹامپ پر دستخط کروائے جائیں۔ اگر وہ دستخط

کرنے پر رضامند ہو جائے تو چھوڑ دیا جائے۔ اگر نہ کرے اور اس پر زیادہ سے زیادہ سختی کرنی

پڑے تب بھی کی جائے جب تک وہ دستخط نہیں کر دیتا۔ اس کے بعد اس سے کوئی سروکار نہ

لکھا جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو میرے خیال میں اس میں ہماری کامیابی ہے۔ ایک دفعہ

طارق کی طرف سے طوبیٰ کو طلاق ہو گئی تو پھر ان دونوں کے ملنے کے جو مواقع ہیں وہ آپ

آپ ختم ہو کر رہ جائیں گے۔“

احسن نے اپنے دونوں بازو میز پر لگے شیشے پر جمادیے۔ پھر کہنے لگا۔ ”ماما! طوبیٰ نے

طارق سے نکاح کر لیا ہے اور اس نکاح کا اہتمام خود پاپا نے کیا ہے۔ یہ اس لئے کیا گیا ہے

تاکہ اس کی شادی کے سلسلے میں آپ اس پر جبر نہ کر سکیں۔“

احسن کے اس انکشاف پر غصے اور ناراضگی میں نجم الحرج کارنگ سرخ ہو کر رہ گیا تھا۔

اس نے احسن کو مخاطب کیا۔ ”تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ طوبیٰ نے اس دو ٹکے کے طارق سے

نکاح پڑھوایا ہے؟“

”ماما! تھوڑی دیر پہلے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ آپ جانتی ہیں پاپا کے کمرے میں جو ایک

فون ہے اس کی ایکسٹینشن میرے کمرے میں ہے۔ میں نے ریسپور اٹھایا۔ اس وقت پاپا نے

بھی ریسپور اٹھایا۔ دوسری طرف سے طوبیٰ بات کر رہی تھی۔ اس نے پاپا کو بتایا کہ طارق

ایکسٹنٹ ہوا ہے۔ پیٹھ پر چوٹیں آئی ہیں۔ ساتھ ہی وہ اس خدشے کا بھی اظہار کر رہی تھی

کہ ایکسٹنٹ نہیں ہوا کسی نے اسے ہاکی سے مارا ہے۔ اس ایکسٹنٹ کی وجہ سے طوبیٰ پاپا

اجازت لے رہی تھی کہ اسے طارق کے پاس رات رہنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہاں

کی تیمارداری کرے لیکن پاپا نے اسے رات رہنے سے منع کر دیا جواب میں طوبیٰ کہنے لگی کہ

اب جب کہ اس کا نکاح طارق سے ہو چکا ہے اور وہ طارق کی بیوی ہے تو اس کے پاس رات

رہنے میں کوئی حرج تو نہیں۔ اس کے باوجود پاپا نے اسے رات رہنے کی اجازت نہ دی۔“ اس کے

بعد احسن نے وہ ساری باتیں تفصیل سے سنا ڈالیں جو طوبیٰ اور رحمان کے درمیان ہوئی

تھیں۔

احسن کے سارے انکشاف پر نجم الحرج کارنگ غصے اور غضب ناکی میں الال سرخ ہو کر رہ

گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے بال پوائنٹ سے کھیلتی رہی۔ اسے توڑنے کی

کوشش کرتی رہی۔ آہستہ آہستہ اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ پھر اپنے سامنے بیٹھے اپنے

بیٹے احسن کو اس نے مخاطب کیا۔ ”احسن! اب انتہا ہو چکی ہے۔ گو تمہارے پاپا بھی سائنس

میں شریک ہیں لیکن میں ان سے اس موضوع پر بات نہیں کر سکتی اس لئے کہ وہ ہر صورت

میں طوبیٰ کی طرف داری کریں گے۔ بیٹے! اب اس بات کا کوئی بندوبست ہونا چاہئے لیکن

کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔“

جواب میں احسن تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر اپنی ماں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ ”ماما! جو کچھ آپ نے کہا ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اس موقع پر میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔ ماما! یہ جانتی ہیں انکل شہزاد کے دراز دست لوگوں کے ساتھ بہترین تعلقات ہیں۔ ایسے لوگ برے وقت کام آسکتے ہیں ان کے نہ صرف انکل شہزاد کے ساتھ بہترین تعلقات ہیں بلکہ ان کے دونوں بیٹے آصف، عامر جو ہمارے فسٹ کزن ہیں ان کے بھی بڑے عمدہ تعلقات ہیں۔ اس سلسلے میں عامر ہمارے لئے زیادہ سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ آصف قدرے نرم مزاج ہے۔ عامر تیز اور انتہائی غصیلہ انسان ہے۔ جو نہی یہ سارا معاملہ اس کے سامنے پیش کروں گا مجھے امید ہے کہ وہ اس سلسلے میں ہماری مدد کرنے پر فوراً آمادہ ہو جائے گا۔ میرے خیال میں، میں اسے ابھی تھوڑی سی تفصیل بتاتا ہوں۔ پھر دیکھتا ہوں اس کا رد عمل کیا ہے۔“

اس کے ساتھ ہی احسن نے فون سیٹ اپنی طرف کھینچا، نمبر گھمائے۔ دوسری طرف سے ڈاکٹر رحمان کے چھوٹے بھائی اور احسن کے چچا شہزاد کی آواز سنائی دی تھی۔ ”احسن نے اسے سلام کیا پھر عامر کا پوچھا۔ شہزاد نے ہولڈ کرنے کے لئے کہا۔ تھوڑی دیر بعد عامر کی آواز فون پر گونجی تھی۔ عامر سے سلسلہ قائم ہوتے ہی احسن اپنے مطلب کی طرف آیا۔ ”عامر بھائی! آپ سے ایک کام لینا ہے۔ امید ہے کہ آپ مایوس نہیں کریں گے۔“

دوسری طرف سے عامر کی انتہائی خوشگوار سی آواز سنائی دی۔ ”احسن! ایسی کون سی بات آن پڑی ہے؟ تم کوئی کام کہو اور ہم نہ کریں میرے خیال میں ایسا ناممکن ہے۔“

کہنا چاہتے ہو؟“

احسن نے طوبی والا سارا معاملہ فون پر تفصیل کے ساتھ عامر سے کہہ دیا اور طارق سے طوبی کی جان چھڑانے کے لئے اپنا مدعا بھی بیان کر دیا۔

ٹیلی فون پر تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ شاید عامر کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس کی آواز سنائی دی۔ ”احسن میرے بھائی! یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس انکشاف پر مجھے بے حد دکھ ہے۔ صدمہ ہوا ہے۔ طوبی کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ پھر تمہارا یہ کہنا ہے کہ ہمارے تاجدار رحمان بھی اس سلسلے میں شامل ہیں اس سے ہمیں زیادہ دکھ اور افسوس ہوا ہے۔ بہر حال تم

رمت کرو۔ جہاں تک طارق سے طوبی کی طلاق لینے کا معاملہ ہے تو یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ جب تم کہو گے ہم ایسا کر گزریں گے۔“

عامر کا جواب سن کر احسن خوش ہو گیا۔ پھر بول پڑا۔ ”عامر بھائی! اس سلسلے میں تاخیر نہیں کرنی۔ یہ کام جس قدر جلد ہو سکے کرنا ہے۔“

عامر نے پھر کچھ سوچا۔ اس کے بعد اس کی آواز سنائی دی۔ ”احسن میرے بھائی! یہ کام جلد ہی ہو گا۔ اس سلسلے میں نہ تم ملوث ہو گے اور نہ ہی آئی کا نام آئے گا۔ میں خود بھی براہ راست ملوث ہونے کی کوشش نہیں کروں گا۔ میں اپنے کچھ آدمی اس کے پیچھے لگا دوں اور وہ سارے کھیل کو بڑے احسن طریقے سے کھیلنے کے بعد انجام تک پہنچا دیں گے۔ اگر ان کو تو طارق کا خاتمہ بھی کیا جاسکتا ہے۔“

ان الفاظ پر احسن تھوڑی دیر کے لئے کانپ گیا۔ رنگ پیلا ہو گیا۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے نجم السحر فکر مند سی ہوئی۔ اسے مخاطب کر کے پوچھا۔ ”کیا معاملہ ہے؟ عامر کیا کہتا ہے؟“

احسن نے ریسیور پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگا۔ ”عامر کہتا ہے اگر تم پسند کرو تو طارق کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔“

اس پر نجم السحر نے چھٹ کر ریسیور لے لیا۔ پھر اس نے خود عامر کو مخاطب کیا۔ ”عامر! یہ ایسا کام نہیں کرنا۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح طارق سے طوبی کی طلاق حاصل کی جائے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچانا۔ نہ جسمانی نہ فزائی۔ بیٹے! وہ بھی کسی کا سہارا ہے۔ کسی کا بیٹا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ اس کی ماں ساری عمر تک بددعا میں مبتلا رہے۔ بہر حال تم نے صرف طارق سے طوبی کی طلاق لینے ہے۔ اگر تم نے طلاق ملنے کے بعد وقتی طور پر طوبی کو صدمہ ہو گا لیکن آہستہ آہستہ وہ اس صدمہ کو فراموش کر دے گی۔ چند ماہ تک اگر طارق غائب رہا تو ہو سکتا ہے وہ اسے بھول جائے اور ہم اپنی مرضی کے مطابق طوبی کا نکاح پڑھا دیں۔“

عامر نے نجم السحر کو تسلی دی۔ ”آئی! آپ مطمئن رہیں۔ کچھ بھی نہیں ہو گا۔ آپ فائدہ اٹھاؤ احسن کو دیں۔“

نجم السحر نے ریسور احسن کو تھما دیا۔ عامر کی آواز سنائی دی۔ ”احسن! تم ایک کام کرو۔ تم مجھے اس کے گھر کا ایڈریس لکھواؤ۔“

احسن فوراً بول پڑا۔ ”عامر بھائی! اس کو گھر سے اٹھانا مناسب نہیں۔ میرے خیال میں جب وہ کام پہ جائے یا کام سے لوٹ رہا ہو تو اس کام کی ابتداء کرنی چاہئے۔ یہ زیادہ مناسب ہے۔“

”وہ کس جگہ کام کرتا ہے؟“

احسن پھر بول پڑا۔ ”عامر بھائی! میں اس کا ایڈریس لکھوا دیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ کے لئے کارروائی کرنا آسان ہو گا۔“

عامر نے اس سے اتفاق کیا۔ احسن نے پریس کا ایڈریس عامر کو لکھوا دیا جس میں وہ کام کرتا تھا۔ اس کے بعد احسن نے تھوڑی دیر تک رسمی سی گفتگو کی پھر اس نے ٹیلی فون کا سلسلہ بند کر دیا تھا۔

ریسور رکھنے کے بعد احسن تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ پھر اپنی ماں نجم السحر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”ماما! یہ شہزاد ہیں تو ہمارے سگے بچا لیکن ان کی ذات کچھ مشکوک لگتی ہے۔ جب بھی میں ان کے گھر گیا میں نے ان کے ہاں کئی مشتبه مرد عورتوں کو دیکھا۔ اور وہ لوگ انکل کے ہاں اس طرح قیام کرتے ہیں جیسے وہ ان کا اپنا گھر ہو۔ آصف اور عامر کے ساتھ بھی وہ بڑے فری انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔ ماما! کبھی کبھی میرے ذہن میں بات اٹھتی ہے کہ ہمارے بچا شہزاد کوئی غلط کام کرتے ہیں۔“

نجم السحر نے کچھ سوچا۔ پھر کہنے لگی۔ ”بیٹے! بڑوں کے متعلق ایسی سوچ نہیں رکھئے۔ اور پھر میں تمہارے بچا شہزاد سے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتی۔ مجھے یہاں آئے ہوئے چند ہی بیٹے ہوئے ہیں۔ اب میں کیا جانوں ان کی آمدنی کے کیا ذرائع ہیں۔ اگر غیر ملکیوں اور مشتبه لوگوں کے ساتھ ان کے مراسم ہیں تو یہ کوئی بری بات نہیں اس لئے کہ میں نے سنا رکھا ہے ان کا ایکسپورٹ کا کام ہے۔ ہو سکتا ہے اس سلسلے میں ایسے لوگوں کے ساتھ ان کے مراسم ہوں۔ بہر حال تمہیں اس موضوع پر زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں۔“

احسن تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر دوبارہ بول پڑا۔ ”ماما! ایک اور بات مجھے کھلتی ہے۔ شہزاد بچا کے دو بیٹے ہیں آصف اور عامر۔ دونوں سے بڑی ان کی بیٹی ہے جو ہماری کزن

ہے۔ اس کا نام سروش ہے۔ آپ جانتی ہیں کہ سروش شادی کے بعد کبھی اپنے باپ اور ہائوں سے ملنے نہیں آئی۔ نہ ہی شہزاد انکل، آصف اور عامر اس کے ہاں جاتے ہیں۔ میں نے پاپا سے یہ بھی سن رکھا ہے کہ سروش کے ساتھ ان کے زبردست قسم کے اختلافات ہیں۔ یوں جاتے سروش نے ان کے ساتھ اپنا رشتہ منقطع کر رکھا ہے۔ اس کی بھی آخر کوئی وجہ ہو گی۔“

نجم السحر شاید اس موضوع پر مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتی تھی لہذا فوراً بول پڑی۔ ”اب جوڑو اس موضوع کو۔ تم کیا ٹاپک لے کر بیٹھ گئے ہو؟ ہمیں شہزاد، آصف، عامر اور سروش سے کیا لینا اور کیا دینا ہے۔ جو کام ہم نے لینا ہے اس کی تفصیل تم نے عامر سے کہہ دی ہے۔ اگر عامر یہ کام کر دیتا ہے تو اس کی مہربانی۔ اس کا شکریہ۔ اس سے زیادہ نہ ہم ان سے تعلقات رکھتے ہیں نہ ان کے آپس کے تعلقات کا کھوج لگانے کی ضرورت ہے۔ اب ہوا اپنے کمرے میں۔ میرے خیال میں کچھ مریض آئے ہیں میں انہیں دیکھتی ہوں۔“

احسن اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ نجم السحر پھر پہلے کی طرح مریض عورتوں کو دیکھنے لگی تھی۔



نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”بیٹے! مجھے کوئی اعتراض تو نہیں پر تم بڑے بھائی ہو۔ پہلے نہاری شادی ہونی چاہئے۔ اس سلسلے میں طوبی سے مشورہ کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔ نہارا اس سے نکاح ہو چکا ہے وہ اب تمہاری قانونی بیوی ہے۔ اگر اس کی رخصتی پہلے ہو تو بڑے خیال میں یہ زیادہ بہتر ہے۔“

طارق کے لبوں پر تلخ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر سلطان کو اس نے مخاطب کیا۔ ”اٹکل! طوبی کی رخصتی وقت طلب ہے۔ ٹھیک ہے پیش بندی کے طور پر رحمان صاحب نے بڑے اور طوبی کے نکاح کا اہتمام کر دیا ہے لیکن طوبی کی رخصتی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے مناسب وقت کا انتظار کرنا ہو گا اور یہ مناسب وقت کئی ماہ، کئی سال بھی لے لے۔ لہذا آپ میری شادی کو ذہن میں مت رکھیں۔ یوں جانیں میری شادی طوبی سے ہو چکی ہے۔ جب مناسب موقع آگئے گا طوبی کی رخصتی ہو جائے گی۔ آپ پہلے خلیل اور نریم کی شادی کی بات کریں۔“

وہاں بیٹھے سب لوگوں نے طارق کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اس پر سلطان بھی مان لیا۔ اس موقع پر طوبی جھٹ سے بول پڑی۔ ”سلطان اٹکل! میرے خیال میں ایک دو روز کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے۔ طارق ٹھیک کہتا ہے تحریم اگر اس گھر میں آجاتی ہے تو اماں نافذ مت بھی بہترین انداز میں ہونے لگے گی۔ جہاں تک میرا معاملہ ہے تو آپ جانتے ہیں میری رخصتی کوئی آسان کام نہیں۔ اگر اس وقت میں رخصت ہو کر طارق کے پاس آ جائی ہوں تو میری آنٹی ایک طوفان کھڑا کر دے گی۔ میرا جینا حرام کر دے گی اور میں اپنی رخصتی کو ایک مسئلہ نہیں بنانا چاہتی۔ اس لئے کہ مجھے اور طارق کو مناسب وقت کا انتظار کرنا ہو گا۔ فی الحال میں بغاوت نہیں کر سکتی۔ ہاں! اگر یہ مناسب وقت آنے میں تاخیر لگی تو طارق کے پاس آنے کے لئے میں بغاوت بھی کر سکتی ہوں۔ بہر حال فی الوقت خلیل اور نریم کی شادی انتہائی اہم ہے۔“

سلطان نے طوبی کی پیشکش کو قبول کر لیا۔ کچھ دیر سوچا۔ پھر بول اٹھا۔ ”اچھا بچو! میں نہاری بات کو تسلیم کرتا ہوں۔ کل اسی وقت تحریم اور خلیل کے نکاح کا اہتمام کیا جائے اس کے بعد تحریم رخصت ہو کر یہاں آجائے گی۔“

سلطان کے ان الفاظ پر طوبی اٹھ کھڑی ہوئی۔ بھاگتی ہوئی دوسرے کمرے میں لے گئی۔

ڈاکٹر رحمان سے گفتگو کرنے کے بعد طوبی پھر طارق کی مسہری کے پاس اس کرسی پر آ بیٹھی جس سے اٹھ کر وہ اپنی گاڑی میں رحمان سے موبائل پر بات کرنے کے لئے گئی تھی۔ کچھ دیر تک کمرے میں خاموشی رہی۔ اس موقع پر طوبی، طارق کو مخاطب کر کے کسی موضوع پر گفتگو کا آغاز کرنا چاہتی تھی کہ طارق نے اپنے سامنے بیٹھے سلطان کی طرف تھوڑی دیر تک دیکھا۔ پھر اس کی نگاہیں طوبی پر گر گئیں پھر اس نے تحریم کو مخاطب کیا۔ ”تحریم میری بہن! اگر تم برا نہ مانو تو تھوڑی دیر کے لئے ساتھ و لے کمرے میں چلی جاؤ۔“ تحریم نے تھوڑی دیر کے لئے گھورنے کے انداز میں طارق کی طرف دیکھا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھی اور دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد دھیمے سے لہجے اور سرگوشی میں طارق نے اپنے قریب بیٹھے سلطان کو مخاطب کیا۔ ”اٹکل! کیا ایسا ممکن نہیں کہ ایک دو دن میں خلیل اور تحریم کی شادی کر دی جائے۔ اٹکل! یہ رشتہ طے تو ہو چکا ہے۔ اب میرے خیال میں ان کی شادی میں تاخیر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ آج مجھے چوٹیں آئی ہیں تو مجھے کچھ بے بسی کا احساس ہوا ہے کہ ہماری ماں کی خدمت اب احسن طریقے سے نہیں ہو سکے گی۔ جب تک یہ معاملہ طے نہیں ہوا تھا ہمارے گھر کا نظام چل رہا تھا۔ مجبوری تھی۔ اب جب کہ خلیل اور تحریم کا رشتہ طے ہو چکا ہے میری آپ سے گزارش ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو خلیل اور تحریم کی شادی کر دی جائے۔ اس طرح ہمارے گھر کا ماحول بہتر ہو جائے گا اور ہماری ماں کی خدمت بھی بہتر انداز میں ہونے لگے گی۔ مجھے امید ہے آپ انکار نہیں کریں گے۔“

سلطان کے لبوں پر لہجہ بھر کے لئے مسکراہٹ پھیلی۔ کچھ دیر وہ سب کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر

یہ سامان کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ سامان پورا جہیز تھا۔ ذیل بیڈ، شوکیس، ڈریسنگ بل، اس کے علاوہ ایک فرنیچر، ٹی وی، واشنگ مشین اور گھریلو استعمال کی بہت سی چیزیں اور الیکٹرانکس کا سامان تھا۔ جب تک سامان اترتا رہا سب خاموش رہے۔ طارق، خلیل بھی بیٹھا رہا۔ گاہ کے سامنے جو برآمدہ تھا اس میں آن کھڑے ہوئے تھے۔ خلیل، سعدیہ کی ہل چیر بھی باہر لے آیا تھا۔ جب سارا سامان اتر چکا تب آہستہ آہستہ سلطان گردن ہٹائے رحمان کے قریب ہوا اور دھیمے لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”ڈاکٹر صاحب! یہ کیا ہے؟“

رحمان نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ خاموش ہو گیا اس لئے کہ اتنی دیر میں طارق بھی ان کے پاس آن کھڑا ہوا تھا۔ طوبی رحمان کے پیچھے کڑی تھی۔ شاید وہ ایسے موقع پر طارق کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ طارق کا تھوڑی دیر تک جائزہ لینے کے بعد رحمان بول پڑا۔ ”سلطان بھائی! آپ جانتے ہیں تحریم کو میں نے اپنی بیٹی اور طوبی نے اپنی بہن کہا تھا۔ آج اس کی شادی ہے۔ میں اور طوبی یوں جانیں دونوں باپ بیٹی ایک بیٹی اور ایک بہن کے لئے یہ جہیز لے کر آئے ہیں۔ میرے خیال میں اس مسئلے میں آپ میں سے کسی کو بھی اعتراض نہیں ہو گا۔“

سلطان عجیب سے شش و پنج میں کھو گیا تھا۔ ایک استفہامیہ سی نگاہ اس نے طارق پر ڈالی۔ اپنے کسی رد عمل کا اظہار کرنا ہی چاہتا تھا کہ طارق بول پڑا۔ ”ڈاکٹر صاحب! آپ نے ہم پر اتنا بوجھ ڈال دیا ہے کہ ہم زندگی بھر اس بوجھ تلے سے نکلنے کے قابل نہیں رہے۔ یہ جو طوبی آپ کے پیچھے چھپی ہوئی ہے یہ ساری اسی کی کارروائی ہے۔ طوبی ذرا سامنے آؤ۔“

طوبی مسکراتی ہوئی رحمان کے پیچھے سے نکلی اور طارق کے پہلو میں آن کھڑی ہوئی۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ”کہیں! کیا کہنا ہے؟“

”یہ اتنا اہتمام اور تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے طارق نے پوچھا تھا۔

طوبی کو کچھ حوصلہ ہوا۔ اس نے دیکھا طارق کے چہرے پر خفگی کے آثار نہیں تھے تاہم اس کی شرمندگی کا ایک احساس ضرور تھا۔ اس نے تھوڑا سا بے تکلف ہوتے ہوئے ایک بار طارق کا شانہ تھپتھپایا اور کہنے لگی۔ ”طارق! تمہیں پریشان اور شرمندہ ہونے کی

وہاں تحریم کی بیٹی ہوئی تھی۔ آگے بڑھ کر طوبی نے اسے گلے سے لگایا اور اس کا منہ پر اور کہنے لگی۔ ”محترمہ! کل اس وقت تمہاری شادی ہے۔ تیار رہنا۔“

تحریم بھی کی رہ گئی۔ طوبی اس کا ہاتھ پکڑ کر دوسرے کمرے میں گئی۔ جس نشست پر اٹھی تھی اسی نشست پر بٹھادیا۔ پھر اس نے سلطان کو مخاطب کیا۔ ”انکل! آپ نے وقت طے کر دیا ہے کہ کل اس وقت تحریم کی شادی کا اہتمام کیا جائے گا اب میری گزارش یہ ہے کہ اس شادی اور نکاح پر جس قدر اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گی۔ اس مسئلے میں آپ نے یا طارق یا کسی اور نے اعتراض کھڑا کرنے کی کوشش کی تو میں اسے تسلیم نہیں کروں گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“

اس کے ساتھ ہی طوبی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر طارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”طارق! میں اب جاتی ہوں۔ میں نے انکل رحمان سے تمہارے حادثے کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کی اور یہاں رہنے کی بھی اجازت مانگی لیکن انہوں نے مجھے یہاں رہنے کی اجازت نہیں دی۔ لہذا مجھے واپس جانا ہے۔ میں کل اس وقت آؤں گی اور شادی کا سارا اہتمام کر کے آؤں گی۔ میرے ساتھ انکل رحمان بھی ہوں گے۔“

طارق نے ایک میٹھی نگاہ طوبی پر ڈالی۔ پھر کہنے لگا۔ ”نہیں طوبی! تمہیں رات یہاں نہیں رہنا چاہئے۔ اس طرح تم مشکوک ہو جاؤ گی اور تمہاری آنٹی خواہ مخواہ شک کرنے لگے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اس کی نگاہ میں مشکوک ہو جاؤ۔ تمہارا گھر جانا بے حد ضروری ہے۔“ طوبی نے آگے بڑھ کر پیار سے طارق کا گال تھپتھپایا، باہر نکلی، گاڑی میں بیٹھی اور گھر چلی گئی تھی۔

☆

دوسرے روز دوپہر کے بعد طوبی اور ڈاکٹر رحمان چار دیواری میں داخل ہوئے۔ گاڑی انہوں نے کھڑی کی۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک ٹرک اچھرہ کی اس چار دیواری میں داخل ہوا۔ ٹرک سامان سے بھرا ہوا تھا۔

ٹرک کو دیکھتے ہوئے عمارت کے سارے مکین بہر نکل آئے تھے۔ ڈاکٹر رحمان کے اشارے پر ٹرک ایک جگہ رک گیا۔ پھر اس میں جو مزدور بیٹھے تھے انہوں نے بڑی تیزی سے سامان نکال کر طارق کی رہائش گاہ کے سامنے رکھنا شروع کر دیا تھا۔ عمارت کے سارے

بن کر دیا۔ آپ ایک آخری نظر ڈالیں۔ اگر کوئی کمی بیشی یا کوئی تبدیلی کرنی ہے تو وہ آپ ہر مضمین، آپ کی خواہش کے مطابق کی جائے گی۔ اس کے بعد سب لوگوں کو اندر بٹھاتے ہیں۔

پھر طوبی نے خلیل کو اشارہ کیا۔ وہ ہیل چیئر کو خلیل حرکت میں لایا اور سعد یہ کو اندر لے جانے لگا۔ اس موقع پر طارق ابھی تک رحمان اور سلطان کے پاس چپ چاپ کھڑا تھا۔ وہاں اس کے قریب آئی اور احتیاط سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہنے لگی۔ ”آپ باہر کیوں کھڑے ہو گئے ہیں؟ آپ بھی چل کر دیکھیں۔ میں نے سارا سامان سیٹ کر لیا ہے۔“ پھر طوبی نے سلطان کو مخاطب کیا۔ ”انکل! آپ بھی آئیں نا۔“

سلطان اور رحمان بھی طوبی اور طارق کے ساتھ ہو لئے تھے۔ سب نے سامان کا جائزہ لیا۔ رحمان اور سلطان دونوں نے اپنے اطمینان اور خوشی کا اظہار کیا۔ سعد یہ بھی سارے سامان کی سینک سے مطمئن اور خوش ہو گئی تھی۔

طوبی سعد یہ کے قریب آئی۔ دھیمے لہجے میں اس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”اماں! اگر آپ کی اجازت ہو تو میں طارق کو اپنے ساتھ لے جاؤں؟ ثروت اور زرگونہ بھی میرے ساتھ ہوں گی۔ ہم سب مل کر عروسی مسہری تیار کرنے کا سامان لائیں گے۔“

سعد یہ نے غور سے طوبی کی طرف دیکھا۔ پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ ”میری بچی! تم کسی قسم کی گفتگو کرتی ہو؟ طارق کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت تو نہیں ہے۔ تو اس کی بیوی ہے۔ وہ تیرا شوہر ہے تو جب، جس وقت چاہے مجھ سے ہاتھ بغیر اسے اپنے ساتھ لے جاسکتی ہے۔“

سعد یہ کا جواب سن کر طوبی خوش ہو گئی تھی۔ وہاں سے ہٹ کر وہ طارق کے پاس آئی اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”آپ میرے ساتھ بازار چلیں۔ مسہری سجانے کا سامان لائیں گے۔ ثروت اور زرگونہ بھی ہمارے ساتھ ہوں گی۔ انکار نہ کیجئے گا۔ میں اماں سے آپ کو ساتھ لے جانے کی اجازت لے چکی ہوں۔“

طارق نے تیز نگاہوں سے طوبی کی طرف دیکھا۔ ”اس قدر اہتمام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ غریب گھرانے ایسا نہیں کرتے۔ جو کچھ تم نے کر دیا ہے اس کو تو ہم نے برداشت کر لیا ہے۔ میرے خیال میں اب مزید کچھ مت کرو۔“

ضرورت نہیں ہے۔ رحمان انکل پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ انہوں نے تحریم کو اپنی بیٹی اور میر نے ہمیشہ اسے اپنی بہن سمجھا۔ پھر یہ تو سوچو میری بہن کی شادی چپکے سے کیسے ہو جاتی؟ یہ جو سامان میں اور انکل لائے ہیں یہ تحریم کا ہم پر حق ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم کوئی اعتراض نہ کریں گے۔“

طارق سے ہٹ کر طوبی، سعد یہ کی طرف گئی۔ اس سے گلے ملی۔ سعد یہ نے پیارے اس کا گال، اس کا منہ، اس کی پیشانی چوم لی۔ پھر سعد یہ نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔ ”بیٹی! طارق ٹھیک کہتا ہے۔ اس قدر اہتمام کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں دیکھتی ہوں تو نے تحریم اور خلیل کی شادی کے لئے اچھی خاصی فضول خرچی کی ہے۔“

طوبی سعد یہ سے لپٹ گئی اور کہنے لگی۔ ”اماں! یہ فضول خرچی نہیں ہے۔ آپ سارے سامان کا جائزہ لیں۔ آپ مجھے کوئی بھی ایسی چیز بتائیں جو ضروریات زندگی میں کام آنے والی نہ ہو۔ سب گھریلو استعمال کی چیزیں ہیں۔ میں نے کوئی فضول خرچی نہیں کی۔“

اس کے بعد طوبی اپنا منہ سعد یہ کے کان کے قریب لے گئی اور کہنے لگی۔ ”اماں! یہ بھی تو سوچو میں آپ کی بیٹی ہوں۔ کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں کہ میں اپنی ماں، اپنے بھائی خلیل کے لئے اس قدر کر سکوں؟ اماں! میں اب طارق کی بیوی ہوں۔ اس گھر کی دیکھ بھال، اس کی ضروریات کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔ اماں! ابھی آپ وہیل چیئر پر باہر ہی رہیں۔ میں پہلے سارا سامان سیٹ کر دوں اس کے بعد آپ کو اندر لے جاؤں گی۔“

اس کے بعد طوبی نے تحریم، زرگونہ، ثروت اور خلیل کو ساتھ لیا اور سارا سامان وہ اندر سیٹ کرنے لگے تھے۔

سامنے والے حصے میں دو بڑے کمرے تھے۔ پہلے ایک کمرے میں ڈبل بیڈ کو جوڑ کر بیٹ کیا گیا۔ اسی کمرے میں شوکیں اور ڈریسنگ ٹیبل بھی جمادیا گیا۔ اس کمرے کی صفائی ستھرائی کر کے ایک طرف ٹی وی رکھ دیا گیا۔ باقی سامان سامنے والے کمرے کے پیچھے جو خاص بنا ستور تھا اس میں جمایا گیا۔ واشنگ مشین دائیں طرف والے کمرے کے پیچھے جو بڑا ہاتھ تھا اس میں رکھ دی گئی تھی۔ سارا سامان ایک قرینے سے رکھنے اور جمانے کے بعد طوبی، ثروت، تحریم، زرگونہ اور خلیل باہر آئے۔ پھر طوبی نے سعد یہ کے پاس آکر اسے مخاطب کیا۔ ”اماں! اب اندر چلیں۔ میں نے اپنی بہنوں، اپنے بھائی خلیل کے ساتھ مل کر سامان

طوبی نے بھی تیز نگاہوں سے طارق کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگی۔ ”ہر بات آپ کی نہیں مانی جائے گی۔ میں آپ کی بیوی ہوں۔ میری بھی چلے گی۔ چپ چاپ میرے ساتھ ہو لیں ورنہ میں اونچا اونچا بولنا شروع کر دوں گی۔ اماں سے آپ کی شکایت کروں گی۔ اماں پہلے ہی مجھے اجازت دے چکی ہیں کہ سامان خریدنے کے لئے آپ کو ساتھ لے جاؤں۔“

طارق ہار مان گیا۔ چپ چاپ طوبی کے ساتھ ہو لیا۔ ثروت اور زرگونہ کو بھی طوبی نے ساتھ لیا پھر چاروں بازار چلے گئے تھے۔

عمارت کی ساری عورتوں نے مل کر شب عروسی کی مسہری تیار کی۔ اسی روز بڑے شاندار انداز میں خلیل اور تحریم کی شادی کا اہتمام کیا گیا۔ کھانے کے سارے اخراجات ڈاکٹر رحمان نے برداشت کئے۔ رات گئے تک عمارت کے مکین خوشی کے گیت گاتے رہے۔ پھر ڈاکٹر رحمان اور طوبی گھر لوٹ گئے تھے۔

☆

طارق شام سے پہلے پریس میں کام سے فارغ ہونے کے بعد باہر نکلا۔ جس وقت وہ ایمن سینڈ کی طرف جانے کے لئے روڈ پر آیا پیچھے سے ایک کار آئی۔ زوردار انداز میں اس سے ٹکرائی۔ طارق پلٹیاں لیتا ہوا فٹ پاتھ پر گر گیا تھا۔ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ وہ بڑی آواز کی کامظاہرہ کرنے لگا تھا۔ جس کار نے ٹکرائی تھی آنا فانا بھاگ گئی تھی۔

لوگ ارد گرد جمع ہو گئے تھے۔ گاڑی والے کو برا بھلا کہنے لگے تھے۔ اتنے میں قریب ہی ماڈرن دیتی ہوئی ایسولینس بھی آکر رکی۔ ایسولینس کے اندر سے کچھ جوان اترے پھر لوگوں کو ہٹاتے ہوئے پوچھنے لگے کیا ہوا۔

لوگوں نے جب بتایا کہ کوئی کار والا ٹکرا مار کر چلا گیا ہے تو انہوں نے جلدی جلدی طارق کو ہسپتال لے جانے کے لئے ایسولینس میں ڈالا اور ایسولینس اشارت کر دی۔

سورج غروب ہو گیا تھا۔ فضا میں تاریکیاں پھیلنے لگی تھیں۔ ہسپتال لے جانے کی بجائے ایسولینس طارق کو شہر سے باہر لے گئی۔ مرید کے اور کاموں کے درمیان ایسولینس نے شاہراہ کو چھوڑ دیا۔ گاڑی جرنیلی سڑک سے نیچے اتری اور ایک فیکٹری روٹ پر چلی گئی تھی۔ پھر ایسولینس رک گئی اس کے اندر طارق بری طرح کراہ رہا تھا۔ اس بیچارے کی ٹانگ ٹوٹ چکی تھی۔ جب ایسولینس رک گئی تب ایسولینس چلانے والا اور ساتھ جو بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی نیچے آ گئے۔ دونوں جوان جو طارق کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے سہارا دے کر طارق کو بٹھایا اور ایک اسٹامپ پیپر اس کے سامنے رکھ دیا۔

دونوں میں سے ایک نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”یہ پڑھو۔ یہ تمہاری طرف سے طوبی کے لئے طلاق نامہ ہے۔ اس پر دستخط کر دو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو یاد رکھنا اپنی حالت بری کرو گے۔“ ساتھ ہی اس نے ایک بال پوائنٹ طارق کی گود میں رکھ دیا تھا۔

ایسولینس کی جلتی روشنی میں طارق نے سب سے پہلے ان جوانوں کا جائزہ لیا پھر جس

بنا چاہتے ہو؟ نجم السحر سے اب اس کا کیا تعلق؟ وہ کہیں اس کی زبردستی شادی کرنا چاہتی ہو طوبی میری قانونی بیوی ہے۔ وہ میری، میں اس کا وارث ہوں۔ میں پھر تم سے التجا ہوں کہ ہم دونوں میاں بیوی کے اعتماد اور اشتیاق کو تلخ و تاریک نہ کرو۔ زندگی کے ہاتھ تلے ہماری چاہت کے طیلان کو اذیت کے شمشان میں تبدیل مت کرو۔ اگر تم بہت کی ذرا سی پہچان رکھتے ہو تو پھر یہ سوچو کہ تم دو چاہنے والے میاں بیوی کو زبردستی مارنے کی کوشش کر رہے ہو۔“

طارق یہاں تک کہنے کے بعد رکا۔ کچھ سوچا پھر دوبارہ اس نے کہنا شروع کیا۔ ”تم میں ایسا کوئی نہیں جس کے دل کے زم زم میں محبت کے چھینٹے اٹھے ہوں؟ تم میں سے کوئی بائیس جس کے دل کے صحرائیں کبھی چاہتوں کے گولے اٹھے ہوں؟“

طارق مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ان میں سے ایک بول پڑا۔ غراتی آواز میں کہنے لگا۔ ”تم میں کن باتوں میں ڈال رہے ہو؟ ہم تو آہنوں کو پگھلا کر خاک کرنے والے لوگ ہیں۔ ہم اے لفظوں کے خنجروں سے لیس ہو کر اوروں کی ذات کا گرد و غبار اڑا دینے والے وحشیانہ دوسروں کی پھولوں کی دہلیز پر اندھی آگ جلاتا، زندگی کو درد و کرب کا باب بناتا، اہل کو خون اور اشکوں میں نہلاتا اور ان کی سلامتی کی کوششوں کو تاریک گھروندوں میں ڈھال کرنا ہمارا پرانا اور پسندیدہ مشغلہ ہے۔ تم ہمارے اس مشغلے سے بچنے کی کوشش کر۔“

ان کی اس گفتگو سے طارق کی آنکھوں میں حقارت اور برہمی اتر آئی تھی لیکن اس کے منظر میں غمی بھی تھی۔ دوبارہ اس نے پہلے کی طرح التجا بھرے انداز میں کہنا شروع کی۔ ”میری ٹانگ توڑ دی چکے ہو۔ تمہارے ساتھ میری کوئی دشمنی نہیں ہے، نہ میں نے تمہارا ہاتھ لگا دیا ہے۔ تم نے خواہ مخواہ مجھے ٹانگ کا روگ لگا دیا ہے۔ میں پھر تم سے گزارش کرتا ہوں کہ میں نے اور طوبی نے تاقیامت ساتھ دینے کا عہد کر رکھا ہے۔ ہمارے قرار اور اہل کی شمعوں کو شب بھر کے زہر اور غم دہری کی تجھٹ میں تبدیل نہ کرو۔ ہم دونوں کی لہجوں کے ساحل اور جذوبوں کے خلوص کی حرارت کو میرے بھائیو! آنسوؤں کی پھوہار نہ بنو۔ جو کچھ تم کر چکے ہو اسی پر اکتفا کرو۔ جہاں سے مجھے اٹھایا ہے وہیں پھینک آؤ۔ میں تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا نہ پولیس تک جاؤں گا بس جو کچھ ہوا ہے اسے

نہ اسے مخاطب کیا تھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”آخر تم مجھ سے طوبی کے ساتھ طلاق حاصل کرنا چاہتے ہو؟ اس نے اپنی خوشی سے میرے ساتھ نکاح پڑھایا ہے۔ میں نے کوئی زبردستی نہیں کی ہے۔ اگر میں اس طلاق نامہ پر دستخط نہ کروں تو؟“

اس بار دوسرے نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”اپنا اور ہمارا وقت برباد مت کرو، نہ ہمارے غصے کو ہوا دو۔ خاموشی سے اس طلاق نامہ پر دستخط کر دو ورنہ یاد رکھنا تمہاری حالت بری ہو گی۔“

طارق نے پھر ان سب کا جائزہ لیا اور فیصلہ کن انداز میں ان کو مخاطب کیا۔ ”گتا ہے جو کار مجھے فکر مار کر بھاگی تھی اس کا تعلق تم لوگوں سے ہی تھا۔“

اس پر ایک نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔ ”کافی عقل مند ہو۔ تمہارا اندازہ درست ہے۔“

کار بھی ہمارے ساتھیوں ہی کی تھی۔ مقصد تمہیں گرانما تھا۔ پھر ایسولینس میں تمہیں بٹھا کر ادھر لانے کا ایک جیلہ تھا اور ہم اس میں کامیاب ہوئے۔ اب زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ طلاق کے اسنامپ پر دستخط کرو۔ اس کے بعد ہمارا اور تمہارا تعلق ختم۔“

طارق نے پھر ان سب کا ایک بار جائزہ لیا اور کہنے لگا۔ ”دیکھو! تم سب لوگ مل کر میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہ شادی یا نکاح طوبی کی مرضی سے ہوا ہے اور زبردستی کسی کی بیوی کی طلاق لینا انتہائی ظلم اور جبر ہے۔ اگر تم یہ کام چاہتے ہو تو پھر میں ایک شرط پر دستخط کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے طوبی کے پاس لے چلو۔ اگر وہ خود اپنی زبان سے کہے کہ مجھے طلاق دو تو میں اسے طلاق دینے میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں کروں گا۔ لہذا مجھے طوبی کے پاس لے چلو۔ سارا معاملہ اس کی موجودگی میں طے پائے گا۔“

اس بار کسی اور نے غراتی ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم سے طلاق مانگی جا رہی ہے۔ طلاق کا یہ مطالبہ طوبی کی آغوشی نجم السحر کر رہی ہے جو اس کی قانونی وارث ہے۔“

گازی کی دھیمی روشنی میں طارق نے ان سب کی طرف باری باری التجا بھری نظروں سے دیکھا۔ پھر اس کی اداس آواز سنائی دی۔ ”طوبی کا میرے ساتھ نکاح ہو چکا ہے۔ اب ہم ایک دوسرے کے منزل شناس، طریق آشنا ہیں۔ تم کیوں ہمارے رابطے کی پرانی زنجیریں

فراموش کر جاؤں گا۔ میرے تمہارے درمیان کدو دھت کی کوئی گرد نہیں ہے۔ پھر تم میرے شعور زندگی کو گرد آلود جذبوں اور مجھے دل گرفتگی اور دکھ کے بادلوں میں گھیر چاہتے ہو؟“

جب تک طارق بولتا رہا وہ ہنستے رہے۔ مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف عجز سے انداز میں دیکھتے رہے۔ جونہی طارق نے ذرا بولنے میں وقفہ دیا۔ ان میں سے ایک نے انداز میں بول پڑا۔ ”تم ہمارا وقت ضائع کر رہے ہو۔ ہمارے پاس تو کسی کے لہو کی حرمت نہیں ہے۔ ہم تو وحشی تماشے کھڑے کرنے والے لوگ ہیں۔ ظلم کی کمین گاہیں، درد کی لذت اور درندگی کا مظاہرہ کرنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔“

طارق نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی کہ وہ کسی طرح ٹل جائیں لیکن اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ ٹلنے والے نہیں ہیں طلاق پر دستخط کرا کے ہی چھوڑیں گے۔ ان خیالات سے اس بیچارے کی حالت گرم تندور، بے شرباعتوں جیسی ہو گئی تھی۔ سینے میں آتش فشاں بھڑک اٹھے تھے لیکن مجبور تھا۔ آخری بار ان کی منت سماجت کرتے ہوئے اس نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑے اور کہنے لگا۔ ”تم جانتے ہو میں تم سب کے لئے بے ضرر ہوں۔ میں حرکت نہیں کر سکتا۔ میری ٹانگ ٹوٹ چکی ہے۔ میں اسے ہلا بھی نہیں سکتا۔ میں آخری بار تم سے کہتا ہوں کہ کورے کاغذ پر بے معنی تحریر نہ رقم کرو۔ ہماری خوشیوں کی نوخیز زمین میں زہر کی پھلوریاں مت بوؤ۔ ہمارے خوابوں کے پرندوں کی پرواز منقطع مت کرو۔ اگر ہم نے خاموشی کے جنگل میں چاہت کے گل کھلائے ہیں تو تم ان گول خزاں رتوں کا شکار کیوں کرنا چاہتے ہو؟ اگر تم مجھے واپس نہیں بھیجنا چاہتے تو یہیں بیٹھ دو۔ میں کسی نے کسی طرح اپنا جسم گھسیٹا ہوا گھر پہنچنے کی کوشش کروں گا۔“

ان سب نے اپنے ایک ایسے ساتھی کی طرف دیکھا جو سب سے زیادہ صحت مند اور تندرست تھا۔ وہی مونا بول پڑا۔ ”لگتا ہے تم انسانوں کی طرح نہیں مانو گے۔ یہ طلاق کا اسامہ تمہارے سامنے رکھا ہے۔ بال پوائنٹ بھی ہم نے تمہیں تھما دیا ہے۔ طلاق پر دستخط کرو۔ اب مزید گفتگو مت کرنا۔“

طارق بیچارہ عجیب سے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ کبھی وہ بال پوائنٹ کی طرف دیکھتا کبھی طلاق نامے کی طرف دیکھتا۔ اس کی اس حرکت کو شاید انہوں نے ناپسند کیا۔ انہوں نے اس کی طرف اشارہ کیا پھر ایک نے کاغذ اور بال پوائنٹ اس سے لے لیا۔ باقی سب نے اسے خوب ہار شروع کیا۔ مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ دوبارہ اسامہ اسے تھمایا اور بال پوائنٹ بھی۔ پھر ان میں سے ایک غرایا۔ ”دستخط کرو۔ ورنہ یہیں رات کی تاریکی میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیو گے۔ اگر تم نے دستخط نہ کئے تو یاد رکھنا تمہاری ایک بوڑھی ماں بھی ہے۔ ایک بھائی اور اس کی بیوی بھی ہے۔ ان کی زندگیوں سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔“

مار کھانے کے بعد طارق بری طرح کراہ رہا تھا۔ اس موقع پر ایک نے اسے اپنے پاؤں کی تخت ٹھوکر ماری اور کہنے لگا۔ ”دستخط کرو۔ کیوں ہمارے ہاتھوں مرنے پر قتل گئے ہو؟“ طارق نے پھر ایک التجا بھری نگاہ سے ان کی طرف دیکھا لیکن جب دو تین نے اسے ہاتھوں کی ٹھوکریں ماریں تب اس نے اسامہ پر دستخط کر دیئے تھے۔

اس کے دستخط کرنے کے بعد انہوں نے اسامہ لے لیا۔ اس کے بعد ان میں سے ایک کہنے لگا۔ ”اسے یہاں نزدیک نہیں پھینکنا چاہئے۔ مین روڈ پر چڑھتے ہیں۔ اسے کہیں دور بٹکتے ہیں تاکہ یہ جلد لاہور نہ پہنچ سکے۔ پھر اس نے طارق کی طرف دیکھا۔ ”اگر تم نے لاہور پہنچ کر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی یا کسی جوانی کا رروائی کا ارادہ کیا تو یاد رکھنا ہم یہیں تمہاری ماں، بھائی اور اس کی بیوی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔“

اتنے میں سے ایک بولا۔ ”چلو مین روڈ پر چلیں۔ میرے خیال میں اسے دور کہیں بالکوث والے راستے میں بھیجتے ہیں۔ اسے کوئی سیالکوٹ کے ہسپتال میں داخل کرا دے گا اور اس کی ٹانگ کا علاج ہو جائے گا۔“ اس پر سب نے اتفاق کیا۔

گاڑی انہوں نے فیکٹری روٹ سے نکالی۔ مین روڈ کے پاس آکر وہ گاڑی موڑ کر بڑی سڑک پر چڑھنا ہی چاہتے تھے کہ اچانک طارق کراہا اور ان میں سے ایک کو کہنے لگا۔ ”بھائی! میرے اتم نے مجھ سے جو حاصل کرنا تھا کر چکے۔ ذرا مجھے بٹھا کے ٹیک لگا دینا۔ میری ٹانگ لمخت درد ہو رہا ہے۔“

ان میں سے ایک آگے بڑھا اور طارق کی گردن کے نیچے ہاتھ رکھ کر ایبو لینس کے انداز سے اس کی ٹیک لگادی تھی۔ ایبو لینس جو نمی مین روڈ پر آئی طارق نے اپنی پوری طاقت اور قوت کو جمع کیا۔ ایک جھپٹنے کے ساتھ اس نے ایبو لینس کا دروازہ کھولا پھر اپنی ٹانگ کو سمیٹا اور باہر سڑک کے کنارے چھلانگ لگادی۔

ایبو لینس کے پچھلے حصے میں بیٹھے نوجوان چلانے لگے۔ ”گھڑی روکو! وہ الو کا پنھا گاڑی سے باہر چھلانگ لگا چکا ہے۔“

ایبو لینس رک گئی۔ پھر طارق کو پکڑ کر لانے کے لئے ایک نیچے اترا۔ طارق سڑک کے کنارے بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ اس کی ٹانگیں اور بازو پھیلے ہوئے تھے۔ نیچے اترنے والے نے اس کی ناک پر ہاتھ رکھا۔ سانس نہیں چل رہی تھی۔ وہ اس کی نبض کا جائزہ لینے لگا تھا کہ اچانک دور سڑک پر روشنی دکھائی دی۔ جس پر وہ فوراً گاڑی میں بیٹھ گیا اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”غضب ہو گیا۔ وہ مر گیا ہے۔ اگر گشت کرنے والی پولیس یہاں پہنچ گئی تو یاد رکھنا ہم سب کی جانوں کے لالے پڑ جائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ اسے یہیں چھوڑیں اور بھاگ چلیں۔“

اتنی دیر تک جس گاڑی کی روشنی دکھائی دی تھی وہ بڑی تیزی سے ان کے پاس سے گزر گئی تھی۔ جو ایبو لینس چلا رہا تھا وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔ ”تم ٹھیک کہتے ہو۔ اگر وہ مر چکا ہے تو ہمیں فوراً بھاگ جانا چاہئے ورنہ سب دھر لئے جائیں گے۔“ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایبو لینس موڑی اور واپس بڑی تیزی سے شہر کا رخ کر لیا۔

☆

تحریم کھانا تیار کرنے کے بعد باورچی خانے سے نکلی۔ دوسرے کمرے میں سدھ یہ اور خلیل بیٹھے ہوئے تھے۔ خلیل بھی اپنے کام سے واپس آ چکا تھا۔ تحریم نے خلیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا شروع کیا۔ ”طارق بھائی اس وقت تک آ جاتے ہیں۔ آج کافی دیر نہیں ہو گئی؟ اگر آپ اجازت دیں تو میں ذرا امیا سے کہوں کہ بھائی کو فون کریں اور پوچھیں وہ ابھی تک کیوں نہیں آئے؟“

تحریم کی اس گفتگو سے خلیل نے خوشی کا اظہار کیا۔ ”میں بھی تم سے یہی کہنے والا تھا۔ جاؤ امیا کے پاس جا کر فون کر کے آؤ۔ بمیا سے کہو کہ اتنی دیر تک کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر جلدی آئیں۔ کھانے پر ان کا انتظار ہو رہا ہے۔“

جواب میں تحریم مسکرا دی۔ پھر وہ باہر نکلی۔ سدھ یہ اور خلیل دونوں ماں بیٹا باہم گفتگو کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد تحریم لوٹی۔ وہ فکر مند تھی۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے سدھ یہ اور خلیل فکر مند ہو گئے تھے۔ پھر خلیل اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا

ہو اور تحریم کو مخاطب کیا۔ ”کیا بات ہے؟ تم پریشان اور فکر مند ہو۔ بھائی کو فون کیا؟ انہوں نے کیا کہا؟“

تحریم بیچاری روڈینے والی تھی۔ پنگ پر وہ سدھ یہ کے قریب بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔ ”اماں! میا نے فون کیا ہے۔ پریس کا دفتر تو بند ہو چکا ہے۔ کھنٹی بجتی ہے کوئی اٹھاتا نہیں ہے۔ میا نے طوبی کو بھی فون کیا۔ بھائی طوبی کی طرف بھی نہیں ہے۔ طوبی خود پریشان تھی۔ بھائی کاسن کر وہ بھی دفتر سے چل پڑی ہے۔ تھوڑی دیر تک وہ بھی یہاں پہنچ جائے گی۔“

☆

ڈاکٹر رجن اپنے آفس میں بیٹھے ہوئے تھے جبکہ نجم السحر ہسپتال میں داخل کچھ مریض ہوتوں کا معائنہ کر رہی تھی۔ ایسے میں طوبی کی گاڑی ہسپتال میں داخل ہوئی۔ جلدی جلدی وہ باہر نکلی، تقریباً بھاگتی ہوئی وہ رجن کے دفتر میں داخل ہوئی۔ اسے اس حالت میں دیکھتے ہوئے رجن فکر مند ہو گیا۔ اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور طوبی کو مخاطب کیا۔ ”طوبی میری بیٹی! خیریت تو ہے۔ تمہارے چہرے پر ہوا یاں اڑ رہی ہیں۔ تم بدحواس ہو۔ بھاگتی ہوئی آ رہی ہو۔ کیا بات ہے؟ پہلے بیٹھو۔ پھر بتاؤ کیا معاملہ ہے؟“

طوبی بیٹھی نہیں۔ کھڑے کھڑے کہنے لگی۔ ”انکل میں بیٹھوں گی نہیں، نہ ہی بیٹھنے والا معاملہ ہے۔ طارق پریس سے گھر نہیں پہنچا۔ اس نے کبھی بھی گھر پہنچنے میں اتنی دیر نہیں لگائی۔ اگر اس نے بازار جانا ہوتا ہے تو میا کو فون کر دیتا ہے۔ میا اماں اور تحریم کو بتا دیتی ہے۔ بن بتائے وہ کبھی بھی اس طرح گھر سے نہیں نکلا۔ اماں، تحریم اور خلیل پریشان تھے۔ میا نے فون کر کے مجھ سے پوچھا کہ طارق میری طرف تو نہیں آیا؟ اس سے پہلے انہوں نے پریس میں بھی فون کیا۔ پریس کا دفتر تو بند ہو چکا ہے۔ فون کی کھنٹی بجتی ہے کوئی اٹھاتا نہیں۔ میں آپ کی طرف آئی ہوں تاکہ کہیں تلاش کریں۔ آپ میرے ساتھ چلیں تو ٹھیک ورنہ میں آپ سے اجازت لینے آئی ہوں کہ میں اکیلی طارق کے ہاں جا رہی ہوں۔“

رجن نیل سے باہر نکل آیا۔ طوبی کے پاس آیا۔ وہ اپنی جگہ پر پریشان اور فکر مند کھڑی تھی۔ اس کے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھا اور کہنے لگا۔ ”طوبی میری بیٹی! کچھ لوگوں نے دو ایضوں کے لئے مجھ سے وقت لیا ہوا ہے میں ان کے لئے ہی بیٹھا ہوا تھا۔ بہر حال تم کہتی

من کی طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگی۔ ”بیٹے! یہ دونوں چیزیں سنبھال لو۔ کہیں ایسا نہ ہو ہمارے پیارے بھائی آجائیں۔ اگر انہوں نے یہ اسٹامپ پیپر دیکھ لیا تو یاد رکھنا ہمارے ہاں وہ قیامت کھڑی کر دیں گے۔“

احسن نے سب سے سبب انداز میں دونوں کاغذ سنبھال لئے تھے۔ کچھ دیر تک وہ چپ اداں ہارہا۔ پھر نجم السحر کو اس نے مخاطب کیا۔ ”ماما! ہمارا کام تو ہو گیا مگر اس کام کے ساتھ بدبری خبر بھی وابستہ ہو گئی ہے۔“

چونکنے کے انداز میں نجم السحر نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔ پھر کسی قدر فکر گیر آواز نکال پڑی۔ ”بری خبر اب تم نے کیا وابستہ کر لی ہے؟ ہمارا جو کام تھا وہ پورا ہو گیا۔ برا کام باہو؟ جلدی بتاؤ۔ مجھے کسی الجھن میں نہ ڈالو۔“

احسن کی گردن جھک گئی۔ کچھ دیر وہ سوچتا رہا۔ پھر نجم السحر پھٹ پڑی۔ ”اب کیا سوچنے لگے ہو؟ لگتا ہے کام کچھ زیادہ ہی خراب ہو گیا ہے۔ اگر اس سارے معاملے کی خبر نکلے باپ یا کسی اور کو ہو گئی تو یاد رکھنا ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ ہم مقدمہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ ہم دونوں ماں بیٹا جیل بھی جاسکتے ہیں۔ بولو کیا ہوا؟ مجھے لڑ پریشانی میں مبتلا نہ کرو۔“

احسن نے آہستہ آہستہ گردن سیدھی کی۔ پھر کہنے لگا۔ ”ماما! جو برا کام ہوا ہے وہ یہ کہ طلاق مر گیا ہے۔“

احسن کے ان الفاظ پر نجم السحر ایسی بدی، ایسی چونکی کہ چھلانگ لگانے کے انداز میں وہ اٹھ سی پڑی۔ پھر کرسی پر بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام لیا۔ کچھ دیر سوچا پھر ہٹ پڑنے والے انداز میں اس نے احسن کو مخاطب کیا۔ ”یہ کیا بکواس ہے؟ میں نے تمہیں لکھا اسے کوئی نقصان نہیں ہونا چاہئے۔ اسے جسمانی طور پر بھی زیادہ اذیت نہیں دینی چاہئے تھی۔ اس کا مطلب ہے جو لوگ تم نے اس کام پر لگائے تھے انہوں نے اسے اتنا مارا کہ وہ مر گیا۔ میں نے تمہیں پہلے ہی سمجھایا تھا کہ وہ اپنی بیوہ ماں کا سہارا ہے۔ اسے اس قدر نقصان نہیں ہونا چاہئے کہ ان کی روزی کا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے۔“

نجم السحر خاموش ہو گئی۔ اس کی گردن جھکی۔ پھر اس کا سر میز پر ٹک گیا تھا۔ کچھ دیر لاکھڑی ایسی ہی حالت رہی۔ لگتا تھا گویا وہ عبرت خیزی کی گھڑیوں، آگہی کے آشوب اور

ہو تو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“

اس پر طوبی نے چونکنے کے انداز میں رحمن کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ ”نہیں انکل! ایسے نہیں ہو سکتا۔ آپ بیٹھیں جو مریض آپ کی طرف آنے والے ہیں آپ انہیں دیکھیں میں طارق کی طرف جاتی ہوں۔ اگر وہ آگیا ہو تو میں فون پر آپ کو اطلاع کر دوں گی۔ آپ میرے ساتھ جانے کی زحمت نہ کریں۔ اگر نہ آیا تب بھی میں آپ کو اطلاع کر دوں گی۔ آپ بیٹھیں۔“

پھر طوبی رحمن کے کسی رد عمل کا انتظار کئے بغیر تقریباً بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ اپنی گاڑی میں بیٹھی اور ہسپتال سے نکل گئی تھی۔

ہسپتال میں داخل مریض عورتوں کا معائنہ کرنے کے بعد نجم السحر جب واپس اپنے دفتر میں آئی تو اس نے دیکھا اس کی میز کے سامنے اس کا بیٹا احسن بیٹھا ہوا تھا۔ جو نبی نجم السحر کرسی پر بیٹھی احسن نے دو کاغذ اس کے سامنے رکھ دیئے اور کہنے لگا۔ ”ماما! جو آپ چاہتی تھیں وہ ہو گیا ہے۔ یہ طلاق کا اسٹامپ پیپر ہے۔ اس پر طارق کے دستخط ہو چکے ہیں۔ دوسرا کاغذ طارق کی طرف سے اس کی ماں کو خط ہے جس میں تفصیل کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے کہ اس نے طوبی کو طلاق دے دی ہے۔ ماما! پہلے میرا ارادہ تھا کہ یہ خط اور طلاق نامہ دینی میں اپنے جاننے والوں کو بھجوا دوں اور وہ وہاں سے طلاق نامہ خط سمیت طارق کی ماں کو رجسٹر کر دیں گے۔ لیکن ایسا کرنے میں کچھ خدشات بھی اٹھ کھڑے ہو سکتے ہیں۔ رجسٹری کرتے وقت دینی کا جو پتہ تحریر کیا جائے گا اس پتے کی مدد سے طارق کو تلاش کرنے والے وہاں بھی پہنچ سکتے ہیں اور جس کا ایڈریس ہو گا اسے شامل تفتیش کر سکتے ہیں لہذا اب یہ طلاق نامہ اور خط دینی نہیں بھیجا جائے گا بلکہ یہیں لفافے میں بند کر کے عامر ذاک کے ذریعے طارق کی ماں کو بھجوا دے گا۔ وہ طلاق نامہ ملے ہی اس کی اطلاع طوبی کو کر دے گی۔ پھر سارے ہی راستے صاف ہو جائیں گے۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ یہ ظاہر کیا جائے کہ طارق دینی چلا گیا ہے۔ لیکن اب نہیں۔“

احسن کی اس گفتگو سے نجم السحر بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ اس نے اسٹامپ اٹھایا۔ تحریر کو پڑھا۔ نیچے اس نے طارق اور گواہوں کے دستخط دیکھے۔ مطمئن ہو کر اس نے اسٹامپ پیپر رکھ لیا۔ پھر اسٹامپ پیپر کے ساتھ جو خط تھا وہ بھی پڑھا پھر دونوں چیزیں

نہاں کندھوں پر کم ظرفیوں کے جال، اندیشوں کی ریت اور دھوپ کے اندر تپتی چھدری بدری چھاؤں سے بھی بدتر ہو کر رہ جائے گی۔ میں تو اس وقت سے ڈر رہی ہوں کہ کل جب طارق کی لاش اس کی ماں کے پاس پہنچے گی تو ماں اور اس کے بھائی کی کیا حالت ہو گی۔ میں تو یہ اندازہ لگا چکی ہوں کہ طوبی اسے چاہتی ہے، اس سے محبت کرتی ہے اور پھر اب اس کی بیوی بھی ہے۔ طوبی کو جب اس کی موت کی خبر ہوگی تو یہ پتہ نہیں زندہ بھی رہ سکے گا کہ نہیں۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو میرے مرنے والے بھائی کی آخری نشانی بھی ختم ہو جائے گی۔ اور جب میری ماں سمندر پار سے لوٹے گی اور اسے ان سارے حالات کی خبر ہو گی تو وہ بھی مجھ سے نفرت کرنے لگے گی۔ اس طرح میں بد بخت اپنے سارے خونی رشتوں کی لگاؤں میں کم تر اور حقیر ہو کر رہ جاؤں گی۔“

نجم السحر جب خاموش ہوئی تو ملامت خیز آواز میں احسن نے کہنا شروع کیا۔ ”ماما! آپ نہیں کریں۔ میں نے طارق کا کام تمام کرنے کے لئے نہیں کہا تھا۔ میں نے تو صرف یہی کہا تھا کہ ہر صورت اس سے طلاق لینی ہے خواہ اس پر کتنا بھی جبر کرنا پڑے۔“

نجم السحر نے پھر کچھ سوچا اور اس نے احسن کو مخاطب کیا۔ ”جن لوگوں نے طارق کو مارا وہ کون لوگ تھے؟“

احسن نے عجب سے انداز میں نجم السحر کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ ”ماما! میں نے یہ کام کرنے کے لئے عامر بھائی سے کہا تھا۔ وہ اس کے آدمی تھے۔“

”تمہیں کس نے اطلاع دی کہ طارق مر چکا ہے؟“

”مجھے تھوڑی دیر پہلے عامر بھائی نے فون کر کے یہ اطلاع دی تھی۔“

نجم السحر نے کچھ سوچا۔ اس کے بعد پھر کہنے لگی۔ ”پھر عامر کو فون کرو۔ جن لوگوں نے طارق کو قتل کیا ہے عامر سے ان کے نام لو۔ ان کے پتے بھی حاصل کرو۔ کل جب طارق کی لاش اس کی ماں کے پاس آتی ہے اور پولیس قاتلوں کی تلاش میں سرگرداں ہوتی ہے۔ پولیس کو قاتل نہیں ملتے تو ہم خود پولیس کو اطلاع دے دیں گے کہ طارق کو قتل کرنے والے یہ لوگ ہیں۔“

نجم السحر کی اس گفتگو سے احسن کا چہرہ پیلا ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر تڑپ اٹھا۔ پھر اس کی قدر سخت لہجہ میں اپنی ماں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”ماما! آپ کس قسم کی گفتگو کر رہی

ندامت کے آنسوؤں میں ڈوب کر رہ گئی ہو۔ آہستہ آہستہ اس نے اپنا سر اٹھایا اور احسن کی طرف دیکھتے ہوئے پر غم آنکھوں میں کہنا شروع کیا۔ ”اس کی موت ہم سب کو پوری زندگی چین سے نہ بیٹھنے دے گی۔ ہم نے اس کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ اس کا قصور تو اتنا تھا کہ اس نے وقت کی تصویر میں اپنے نامکمل غدوخال دیکھنے کی کوشش کی۔ صبح کے چہرے میں شب کی تصویر کو جھانکنا چاہا۔ مہکتے جگمگاتے نور میں اپنی بھلائی تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اس لئے کہ اس میں اور طوبی میں ایک محبت، ایک لگاؤ تھا۔ مجھے اس سے کوئی نفرت، کوئی ہیر نہ تھا۔ میں تو طوبی کو صرف اپنے گم ہو جانے والے بیٹے کی ملکیت سمجھتی تھی۔ اگر میرا کوئی عزیز ترین بھی اس طرح طوبی سے نکاح پڑھا لیتا تو میں اس کے منہ پر بھی تھوک دیتی، اس سے نفرت کا اظہار کرتی۔ میرا اپنا بیٹا نہ جانے کہاں خاموش شجر اور بے کراں موجوں کی طرح امیدوں کے ساحلوں کا منظر ہو گا۔ احسن! طارق کو مار کر ہم نے بڑا ظلم کیا ہے۔ اس کی موت کے میں اور تم دونوں ذمہ دار ہیں۔ میرے بیٹے! وہ بھی کسی کا جگر گوشہ تھا۔ اس کی موت اس کے گھر والوں کے لئے پھولوں کو انگارے اور صدیوں کی دہلیز پر رتوں کو اداس کر کے رکھ دے گی۔ اس بے بس ماں کی مجبور پیشانی پر زخم خوردہ تصورات کی مہریں لگ جائیں گی اور اس کے گھر آنگن میں سوختہ فکر کی راکھ اُٹنے لگے گی۔ وہ ماں ہے۔ میں جانتی ہوں ماں کے کیا تاثرات ہوتے ہیں۔ جب اسے اپنے بیٹے کی موت کی خبر ملے گی تو یاد رکھنا وہ دکھیار یا خاموشی اور دکھ کے ساگر کے نیم تاریک ساحلوں پر کھڑی ہو کر ساری زندگی بین کرتی رہے گی۔ ہم نے کسی کے احساس کے نرم و نازک شجر کو کاٹا ہے۔ کسی کے تاباب موتی کو بحرِ ذخار میں پھینک کر رکھ دیا ہے۔ میرے بیٹے! طارق کی موت میرے لئے وقت کی تاریک کرچیاں اور جبر کے شعلوں کے لرزاں رنگ بن کر تاحیات میرے ضمیر میں بے چینی، بے زاری اور اکتاہٹ پیدا کر رہی ہے گی۔ اگر طوبی کو خبر ہو گئی کہ طارق کے ساتھ یہ معاملہ کرنے میں میرا اور تمہارا ہاتھ ہے تو یاد رکھنا طوبی مجھ سے دوزخ مزاج دھوپ اور کراہت کی چھڑیوں کی طرح نفرت اور بیزاری کا اظہار کرنے لگے گی۔ اور اگر تمہارے پیارے بھی خبر ہو گئی کہ طارق کو راستے سے ہم نے ہٹایا ہے تو یاد رکھنا جس طرح لوگ دشتِ ہجران کے راستوں پر پڑے خالی سیپوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اسی طرح وہ بھی مجھ سے کنارہ کش ہو جائیں گے۔ احسن میرے بیٹے! ایسا ہوا تو یاد رکھنا میری حالت قبر کے کتبے

ہیں۔ آپ پر پاگل پن تو نہیں سوار ہو گیا؟ کیا آپ پولیس کو جا کر خود ہی بتائیں گے کہ ہم طارق کے قاتل ہیں۔“

نجم السحر پر نہ جانے کیا کیفیت طاری تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ کچھ دیر تک وہ کراہتی رہی۔ ہونٹ کاٹتی رہی۔ شاید یہ سب کچھ اپنے گم ہو جانے والے بیٹے کی وجہ سے تھا۔ پھر کسی قدر اپنے آپ کو سنبھالا دیتے ہوئے کہنے لگی۔ ”آخر اسے مارا گیا ہے۔ اس کے قاتل بھی تو ملنے چاہئیں۔“

احسن نے پھر بیزاری کا اظہار کیا۔ ”قاتلوں میں خواہ میں اور آپ بھی کیوں نہ ہوں اور ہم دونوں کو جیل ہی کیوں نہ جانا پڑے؟“

نجم السحر اس بار کہیں دور سے بولی۔ ”اگر ایسا ہوتا ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آخر ہم نے جرم کیا ہے۔ اس جرم کی سزا تو ہمیں ملنی چاہئے۔“

نجم السحر کی اس گفتگو سے احسن لرز، کانپ گیا تھا۔ طلاق کا اسٹامپ اور خط اس نے سنبھال لیا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ نجم السحر کے سامنے جوڑ دیئے اور کہنے لگا۔ ”ماما! خدا کے لئے اس جنون پر مت اتریں۔ بالکل خاموش رہیں۔ چپ سادھ لیں۔ یوں سمجھیں جیسے کچھ

ہو اہی نہیں۔ اب جب کہ طارق مر چکا ہے تو ہمیں بالکل خاموشی اختیار کر لینی چاہئے۔ پہلے تو آپ بڑے غصے، بڑے ولولے میں کہتی تھیں کہ ہر صورت میں اس سے طلاق لینی چاہئے

خود اس پر کتنا بھی جبر اور ظلم کرنا پڑے۔ اب جب کہ طلاق لی جا چکی ہے تو آپ نے ایک اور کروٹ لے لی ہے۔ ماما! اگر ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ طارق کے قاتل ہم ہیں تو یاد رکھیں

جن لوگوں نے یہ کام کیا ہے، جو عامر کے ساتھی ہیں وہ تو جیل جائیں گے۔ عامر ہمارے سنگے چچا شہزاد کا بیٹا ہے اس طرح ہمارا چچا بھی ہم سے چھوٹ جائے گا اور پھر ان حالات کی

خبر جب پاپا اور طوبی کو ہوگی تو یاد رکھنا ہمارا اپنا گھر بھی تباہ اور برباد ہو کر رہ جائے گا۔ میں

آخری بار آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ بالکل خاموش رہیں۔ جو کچھ ہو اس پر مٹی ڈال دیں اور خاموشی اختیار کر لیں۔“

اس کے ساتھ ہی احسن وہاں سے اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا تھا۔



طوبی کی کار بڑی تیزی سے میا کی عمارت کے احاطے میں داخل ہوئی۔ کار کھڑی کر کے باہم گئی ہوئی وہ طارق کی رہائش گاہ میں داخل ہوئی۔ سامنے والے کمرے میں ہی یہ، تحریم اور خلیل سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ طوبی جب کمرے میں داخل ہوئی تو بہار خلیل دونوں چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ طوبی سعدیہ سے گلے ملی اس کے بعد نے تحریم کو گلے لگایا۔ پھر ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی اور خلیل کو مخاطب کیا۔ ”پہلے مجھے یہ پلے کبھی تمہارے بھائی اس طرح کام سے لیٹ ہوئے ہیں؟“

خلیل منہ سے کچھ نہ بولا بس اس نے گردن نفی میں ہلا دی تھی۔ ”میا تمہاری عمارت کے سب لوگوں کو خبر ہو چکی ہے کہ طارق ابھی تک نہیں آیا؟“

اب بار تحریم نے کہنا شروع کیا۔ ”نہیں۔ ابھی تک تو ہم نے کسی کو نہیں بتایا۔ صرف نے پولیس اور آپ کو فون کیا تھا۔۔۔۔۔“

تحریم کہتے کہتے رک گئی اس لئے کہ سلطان کمرے میں داخل ہوا۔ آگے بڑھ کر سب پہلے طوبی کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا۔ ادھر ادھر دیکھا پھر پوچھنے لگا۔ ”طارق اب ہے؟“

سلطان کے یوں ہمدردی سے پوچھنے پر تحریم رودی تھی۔ سعدیہ کی آنکھوں سے بھی وہ بہہ نکلے تھے۔ ان دونوں کی حالت دیکھتے ہوئے طوبی بھی رونے لگی تھی۔ خلیل کی آنکھیں گئی تھیں۔

سلطان پریشان ہو گیا اور تحریم کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔ ”بیٹی! کھل کے کہو۔ تم رو رہے ہو؟“

تحریم نے آنسو پونچھے اور روتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔ ”ابا! طارق بھائی ابھی تک

نہیں آئے۔ میں میا کے پاس گئی تھی۔ پریس میں فون کیا ہے۔ پریس بند ہو چکی ہے۔
نے احتیاطاً طوبی کو فون کیا۔ وہ طوبی کی طرف بھی نہیں گئے۔ رات کتنی جا چکی ہے۔
اتنی دیر رات گئے باہر نہیں رہے۔“

تحریم کے ان الفاظ پر سلطان کا چہرہ بھی فق ہو کر رہ گیا تھا۔ پھر سلطان باہر نکل گیا
تھوڑی دیر بعد عمارت کے سارے لوگ وہاں آ جمع ہوئے تھے اور طارق کے نہ آنے پر
منہ کی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس موقع پر سلطان نے کہنا شروع کیا۔ ”میرے بھائیو! میرے
بچو! میرے بیٹو! یوں جانو ہمارے گھر کا ایک فرد لاپتہ ہو گیا ہے اور ہم سب نے اسے
کرنا ہے۔“ یہاں تک کہنے کے بعد سلطان رکا، دم لیا۔ پھر اللہ بخش کی طرف دیکھتے ہوئے
کہنے لگا۔ ”اللہ بخش! یہ کام میں تمہارے ذمہ لگاتا ہوں۔ بجا خان کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔
کام میں مراد خان، علی خان بھی تمہاری مدد کریں گے۔ شہر کے مختلف ہسپتالوں میں جاؤ۔
خدا نہ کرے اگر طارق کا کہیں ایکسٹنٹ ہو اے تو کسی نہ کسی نے اسے ہسپتال میں داخل کر دیا ہوگا۔“

دیا ہو گا۔ اس کے علاوہ ہمارا بیٹا کہاں جاسکتی ہے۔ اس کی منزل ہی یہی ہے کہ گھر سے پرانی
اور پریس سے گھر آتا ہے۔ راستہ میں کہیں رکتا نہیں ہے۔“
طوبی نے خلیل کو مخاطب کیا۔ ”خلیل میرے بھائی! کیا تمہیں پریس کے مالک شیراز
صاحب کے گھر کا پتہ ہے؟“
خلیل کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ بول نہیں پارہا تھا۔ تاہم اس نے اثبات میں گردن
دی تھی۔

طوبی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”سلطان انکل! آپ آدمی بھیج کر ہسپتالوں میں پتہ کروائیں۔
میں خلیل کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں۔ میں پریس کے مالک شیراز کے ہاں جاتی ہوں۔
ان سے طارق کا پتہ کرتی ہوں۔“
تحریم بھی کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی۔ ”طوبی میری بہن! میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔“

سلطان نے اس سے اتفاق کیا پھر طوبی، تحریم اور خلیل وہاں سے نکل گئے تھے۔
بخش، بجا خان، علی خان اور مراد خان بھی ہسپتالوں میں طارق کو تلاش کرنے کے لئے نکل
کھڑے ہوئے تھے۔ خلیل کے کہنے پر طوبی نے سمن آباد کی ایک کوٹھی کے سامنے کار

افانہ دروازہ کھولتے ہوئے خلیل نے طوبی کو مخاطب کیا۔ ”طوبی میری بہن! آپ اور
ہم اندر ہی بیٹھیں۔ سامنے شیراز صاحب کی قیام گاہ ہے میں بتیل دیتا ہوں اور ان کا پتہ
ہوں۔“

ہر کار دروازہ بند کرنے کے بعد خلیل آگے بڑھا۔ بتیل پر انگلی رکھی۔ تھوڑی دیر بعد
ان کا چھوٹا دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا شیراز ہی تھا۔ جلتی نیوب کی روشنی میں شیراز
خلیل کو دروازے پر کھڑا دیکھا تو وہ کچھ پریشان اور فکر مند سا ہوا۔ باہر نکلا اور
خلیل کو اس نے مخاطب کیا۔ ”خلیل میرے بیٹے! تم اس وقت یہاں؟ خیریت تو ہے؟“
خلیل پہلے ہی پریشان تھا۔ شیراز کی اس ہمدردی نے اسے اور زیادہ پگھلا دیا اور اس کی
انگوں میں نمی اتر آئی تھی۔ تاہم کسی قدر اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بول پڑا۔ ”انکل!
میری بھائی گھر نہیں پہنچے۔ ان کا کچھ پتہ نہیں چل رہا۔ میرے ساتھ میری بیوی ہے اس کا
خدا نہ کرے اگر طارق کا کہیں ایکسٹنٹ ہو اے تو کسی نہ کسی نے اسے ہسپتال میں داخل کر دیا ہوگا۔“

دیا ہو گا۔ اس کے علاوہ ہمارا بیٹا کہاں جاسکتی ہے۔ اس کی منزل ہی یہی ہے کہ گھر سے پرانی
اور پریس سے گھر آتا ہے۔ راستہ میں کہیں رکتا نہیں ہے۔“
طوبی نے خلیل کو مخاطب کیا۔ ”خلیل میرے بھائی! کیا تمہیں پریس کے مالک شیراز
صاحب کے گھر کا پتہ ہے؟“
خلیل کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ بول نہیں پارہا تھا۔ تاہم اس نے اثبات میں گردن
دی تھی۔

طوبی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”سلطان انکل! آپ آدمی بھیج کر ہسپتالوں میں پتہ کروائیں۔
میں خلیل کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں۔ میں پریس کے مالک شیراز کے ہاں جاتی ہوں۔
ان سے طارق کا پتہ کرتی ہوں۔“
تحریم بھی کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی۔ ”طوبی میری بہن! میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔“

سلطان نے اس سے اتفاق کیا پھر طوبی، تحریم اور خلیل وہاں سے نکل گئے تھے۔
بخش، بجا خان، علی خان اور مراد خان بھی ہسپتالوں میں طارق کو تلاش کرنے کے لئے نکل
کھڑے ہوئے تھے۔ خلیل کے کہنے پر طوبی نے سمن آباد کی ایک کوٹھی کے سامنے کار

بیٹھ گئے تو وہ لوگ مزید پریشان اور فکر مند ہوں گے۔ آپ برانہ محسوس کیجئے گا۔ ہمارے جاتے ہیں۔“ اس کے ساتھ ہی طوبی گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی تھی۔ خلیل بھی شیراز سے اجازت لی اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ طوبی نے گاڑی اشارت کر دی۔ جب تک دکھائی دیتے رہے شیراز وہیں کھڑا رہا۔ جب ان کی گاڑی ایک موڑ مڑ گئی تب سر جھکا۔ شیراز اندر چلا گیا تھا۔

طوبی، تحریم اور خلیل جب واپس آئے تو انہوں نے دیکھا سب لوگ پریشان، ہر جھکائے اور فکر مند بیٹھے تھے۔ جس کمرے میں سعدیہ کا پلنگ تھا اسی میں میا، جہاں آرا، سمیعہ، ثروت، اس کا بیٹا خرم، گل ساگ اور زرگونہ بیٹھے ہوئے تھے۔ جب کہ ایک کرسی پر سلطان سر جھکا گہری سوچوں میں کھویا ہوا تھا۔

جو نہی طوبی، خلیل اور تحریم کمرے میں داخل ہوئے سب سے پہلے سلطان نے طوبی کو مخاطب کر لیا۔ ”طوبی میری بیٹی! طارق کا کچھ پتہ چلا؟“

تھکی تھکی، ٹوٹی ٹوٹی سی طوبی آگے بڑھی۔ پھر روتی آواز میں بول پڑی۔ ”نہیں انکل! شیراز صاحب کو بھی نہیں پتہ کہ طارق کہاں ہے۔ نہ وہ انہیں بتا کے گیا ہے۔ ان کا کہنا ہے سورج غروب ہونے سے پہلے حسب معمول طارق چھٹی کر کے گھر چلا گیا تھا۔ انکل! طارق کے اس طرح چلے جانے سے یوں جاننے ہماری تو ایک طرح کی توڑ پھوڑ ہو کر رہ گئی ہے۔ کیا اللہ بخش، بجا خان، علی خان، مراد خان میں سے بھی کسی نے کوئی اطلاع نہیں دی؟“

جواب میں سلطان منہ سے تو کچھ نہ بولا بس فکر مند انداز میں نفی میں گردن ہلا دی تھی۔ تب ان کے قریب ہی ایک خالی کرسی پر طوبی بیٹھ گئی۔ خلیل اور تحریم دونوں میاں بیوی سعدیہ کے قریب اس کے پلنگ پر ہو بیٹھے تھے۔

تھوڑی دیر تک کمرے میں خاموشی رہی۔ پھر سعدیہ نے طوبی کو مخاطب کیا۔ ”گھر جاؤ۔ صبح تک شاید طارق کا کچھ پتہ چل جائے۔ تمہارے گھر والے تمہارے متعلق پریشان ہوں گے۔ تمہارا یوں زیادہ دیر ہمارے پاس بیٹھنا تمہارے لئے اچھا نہیں ہے۔ ہمارے حق میں بھی بہتر نہیں۔ جاؤ میری بیٹی! تم گھر جاؤ۔“

طوبی نے سوچا۔ موبائل نکالا۔ نمبر ملائے۔ دوسری طرف سے آواز سنائی دے۔ ”رحمن سپیکنگ۔“

طوبی فوراً بول پڑی۔ ”انکل! میں طوبی بول رہی ہوں۔“

دوسری طرف سے چونکنے کے انداز میں رحمن بول پڑا۔ ”طوبی میری بیٹی! طارق کا کچھ پتہ چلا؟“

”نہیں انکل! ابھی تک طارق کا کچھ پتہ نہیں چلا۔“ بکھری سی آواز میں طوبی نے کہا تھا۔ دوسری طرف سے رحمن کی کیکپاتی سی آواز سنائی دی۔ ”بیٹے! زیادہ فکر مند نہ ہو۔ ہمارے صبح تک کچھ پتہ چل جائے۔ عمارت کے لوگوں کا اس سلسلے میں کیا رد عمل ہے؟“

طوبی فوراً بول پڑی۔ ”انکل! میں، خلیل اور تحریم پریس کے مالک شیراز کے ہاں گئے۔ انہیں طارق کے متعلق کچھ خبر نہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ طارق سورج غروب دینے سے پہلے حسب معمول پریس سے چھٹی کر کے گھر چلا گیا تھا۔ عمارت کے سب اہل بڑے فکر مند اور پریشان ہیں۔ تاہم اللہ بخش، بجا خان، علی خان اور مراد خان، طارق تلاش کرنے کے لئے مختلف ہسپتالوں کی طرف نکل گئے ہیں۔ اس احتیاط کے تحت کہ اس

اگر کہیں ایکسیڈنٹ ہو گیا ہو تو کسی نے ہسپتال میں داخل کروادیا ہو گا۔“

طوبی پھر تھوڑی دیر کے لئے رکی اور دوبارہ بولی۔ ”انکل! آپ بتائیں میں کیا کروں؟ سعدیہ اماں کہہ رہی ہیں کہ میں گھر چلی جاؤں۔“

رحمن تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ پھر بھاری سی آواز سنائی دی۔ ”میری بیٹی! سعدیہ ٹھیک کہتی ہے۔ تم آ جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ صبح تک طارق کا کچھ پتہ چل جائے۔ اگر نہ چلا تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ اس وقت اس کی ماں کو بڑی تسلی اور ڈھارس کی ضرورت ہے۔ تم آ جاؤ بیٹی! ہسپتال ہی میں آؤ۔ میں تمہارا یہاں انتظار کرتا ہوں۔ تم آؤ گی تو دونوں آپ بیٹا مل کے گھر چلیں گے۔“

طوبی نے موبائل بند کر دیا۔ باری باری ایک حسرت بھری نگاہ اس نے سب پر ڈالی۔ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔ ”اماں! میں اب جاتی ہوں۔ صبح آؤں گی۔“ اس کے ساتھ ہی وہ باہر نکلی اور وہاں سے چلی گئی تھی۔

نزدہ کھول کر کمرے کی طرف بھاگی۔ سعد یہ ابھی تک دیوار کے ساتھ نیم بے ہوشی کی حالت میں گری پڑی تھی۔ اس کا ہاتھ ابھی تک تنکے کے نیچے تھا۔ تحریم آگے بڑھ کر اسے ہانپنے لگی۔ خلیل نے جب تنکے کے نیچے سے اس کا ہاتھ نکالنا چاہا تو اس کے ہاتھ میں وہی اور طلاق کا اسٹامپ آگیا۔ اس نے جلدی جلدی خط پڑھا۔ اسٹامپ کا جائزہ لیا پھر اس کا مافیہ ہو گیا تھا۔ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ اس کی گردن جھک گئی تھی۔

تحریم اور طوبی اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے فکر مند اور پریشان ہو گئی تھیں۔ اسٹامپ خط کو خلیل چھپانے کی کوشش کرنے لگا تھا کہ طوبی کو نہ جانے کیا ہوا آگے بڑھی، چھیننے، انداز میں خلیل کے ہاتھ سے اسٹامپ اور خط لے لیا اور کہنے لگی۔ ”یہ کیا چیز ہے جس نے اہل کوادہ موار کیا ہے اور تم پر بھی پیلاہٹ طاری ہو گئی ہے؟“

ساتھ ہی اس نے خط پڑھا۔ خط پڑھنے کے ساتھ ہی اس پر بھی غشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب اس نے اسٹامپ کو دیکھا تو تندرہال سی ہو کر تحریم کے پاس پلنگ پر گر گئی تھی۔ (میر نے بھی خط اور اسٹامپ اس سے لے کر پڑھ لیا۔)

کمرے میں کچھ دیر تک بالکل خاموشی طاری رہی۔ چاروں گم سم بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی کچھ کہنے کی ہمت ہی نہ ہو رہی تھی۔ سعد یہ بھی ہوش میں آچکی تھی۔ عین اسی لمحے سلطان اسے میں داخل ہوا۔ چاروں کو چپ دیکھتے ہوئے آگے بڑھا، خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر طوبی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔ ”میرے بیٹے! کیا بات ہے؟ تم لوگ مجھے فکر مند، بیٹان اور خوف زدہ سے لگ رہے ہو۔ کیا کوئی دوسری مصیبت آن پڑی ہے؟“

سعد یہ کسی قدر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ طوبی، تحریم اور طوبی بھی رونے والے ہو رہے تھے۔ تحریم منہ سے کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ ظاور طلاق کا اسٹامپ اس نے سلطان کی طرف بڑھا دیا تھا۔ سلطان نے خط پڑھا۔ اسٹامپ کا جائزہ لیا۔ کچھ دیر بیٹھانی پر ہاتھ رکھ کر وہ کچھ سوچتا رہا۔ پھر طوبی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”بیٹے! ابھی نہیں جانتا کہ طارق نے تمہیں طلاق دے دی ہو۔ ذرا پہچانو۔ اس خط کی کڑی کیا اس کی ہے؟“

طوبی نے خط لے لیا۔ کچھ دیر تک غور سے دیکھتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔ ”نہیں! نکل! یہ طلاق کی تحریر نہیں۔ میں اس کی تحریر کو خوب جانتی ہوں۔ ہاں اسٹامپ پیچ پر دستخط اس

چار دن گزر گئے تھے۔ اللہ بخش، بجار خان، علی خان اور مراد خان نے کئی جگہیں چھان ماری تھیں۔ ساتھ ہی بڑے بڑے سرکاری ہسپتالوں کا جائزہ بھی لے لیا تھا لیکن طارق انہیں کہیں نہ ملا تھا۔ سب پریشان اور فکر مند ہو گئے تھے۔ ایک روز سعد یہ چپ چاپ، مغموم اور افسردہ سی پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ قریب ہی اس کی وہیل چیئر رکھی ہوئی تھی۔ طوبی بھی آئی ہوئی تھی اور وہ گاڑی میں بیٹھ کر موبائل پر رحمان سے بات کر رہی تھی۔ تحریم اور خلیل دونوں باورچی خانے میں مصروف تھے کہ سمعیہ کی بیٹی ثروت کا بیٹا خرم بھاگتا ہوا اندر آیا۔ پلنگ پر بیٹھی سعد یہ کو خط تھاتے ہوئے کہنے لگا۔ ”اماں! یہ آپ کا خط ہے۔ ڈاکیہ دے گیا ہے۔“

خط سعد یہ کی گود میں رکھنے کے بعد جس طرح بھاگتا ہوا آیا تھا اسی طرح بھاگتا ہوا باہر نکل گیا اور اوپر اپنی ماں ثروت کے پاس چلا گیا تھا۔

سعد یہ نے الٹ پلٹ کر سفید رنگ کے لمبے لفافے کا جائزہ لیا۔ اس پر اس کا ایڈریس تھا۔ نام بھی اسی کا لکھا ہوا تھا۔ جلدی جلدی لفافہ اس نے کھولا۔ لفافے میں سے طوبی کی طلاق کا اسٹامپ اور ساتھ میں منسلک خط نکلا۔ لرزتے، کانپتے ہاتھوں اور سرسوں چہرے کے ساتھ اس نے خط پڑھا۔ پھر اسٹامپ کا جائزہ لیا۔ اس پر کپکپی طاری ہو گئی تھی۔ سر کو اس نے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تھا۔ پھر اسٹامپ اور خط کو اس نے تہہ کر کے جونہی تنکے کے نیچے رکھنا چاہا اس پر غشی طاری ہو گئی اور پشت پر دیوار سے ٹکرا گئی۔ ہاتھ تنکے کے نیچے ہی رہ گیا تھا۔ عین اسی وقت باورچی خانے کی طرف سے تحریم آئی اور سعد یہ کی حالت دیکھتے ہوئے زور سے چلا پڑی۔ ”اماں! کیا ہوا؟“

پھر وہ سعد یہ کی طرف بھاگی۔ تحریم کے اس طرح چلانے سے باورچی خانے سے خلیل بھاگتا ہوا آگیا تھا۔ باہر گاڑی میں بیٹھ کر موبائل پر رحمان سے باتیں کرتی ہوئی طوبی بھی

کے ہیں۔“

سلطان کچھ دیر تک گہرے تفکرات میں ڈوبا رہا۔ آخر آہستہ آہستہ اس نے گردن سیدھی کی۔ طوبی کی طرف دیکھا۔ پھر شکوک بھرے انداز میں بول پڑا۔ ”طوبی میری جی فکر مند مت ہونا۔ اگر اسٹامپ پر دستخط طارق کے ہیں اور جو ساتھ خط منسلک ہے وہ اس کی تحریر نہیں تو پھر لگتا ہے کوئی دھوکہ، کوئی فریب کیا جا رہا ہے۔ بنی! میرا دل کہتا ہے کہ طارق سے اس اسٹامپ پر زبردستی دستخط کروائے گئے ہیں اور ساتھ میں اپنی طرف سے خط لکھ کر منسلک کر دیا گیا ہے اور تم لوگوں کی طرف روانہ کر دیا گیا ہے۔ طارق کو بھی میرے خیال میں انہیں لوگوں نے غائب کیا ہے جنہوں نے اس سے زبردستی اسٹامپ پر دستخط کروائے ہیں۔ یہ بات میں اپنے تجربے اور اپنے پیشے کو سامنے رکھتے ہوئے کہہ رہا ہوں۔“

طوبی اب کسی قدر اپنے آپ کو سنبھال چکی تھی۔ سلطان کے ان الفاظ سے اسے تقویت ہوئی۔ پھر کہنے لگی۔ ”انکل! میرا بھی دل کہتا ہے۔ کہ طارق مجھے طلاق نہیں دے سکتا۔ ہم ایک دوسرے کے لئے نہ اجنبی رہے ہیں نہ نا آشنا۔ ایک عرصے سے ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ ایک دوسرے کے مزاج، ایک دوسرے کی طبیعت سے خوب واقف ہیں۔ میرا دل کہتا ہے طارق سے زبردستی اس اسٹامپ پر دستخط کروائے گئے ہیں اور جن لوگوں نے دستخط کروائے ہیں انہوں نے یہ خط لکھ کر ہماری طرف روانہ کر دیا ہے۔ اب جن لوگوں نے طلاق لی ہے انہیں تلاش کرنا پڑے گا۔ جو خط ساتھ منسلک ہے اس کی بینڈ رائٹنگ نہ میرے کزن احسن کی ہے نہ میری آنٹی نجم السحر کی اور نہ اس کے گھر کے کسی دوسرے فرد کی۔ کوئی تیسری قوت یہ سارا کام سرانجام دے رہی ہے۔ انکل! مجھے طلاق کے اس اسٹامپ کی پرواہ نہیں۔ اب مجھے طارق کی زیادہ فکر ہو گئی ہے۔ جن لوگوں نے یہ دھوکہ دیا ہے نہ جانے وہ طارق کو کہاں لے گئے ہیں؟ پیچارہ کس حال میں ہو گا؟ کن مصیبتوں میں اسٹامپ الجھا دیا گیا ہو گا؟“

سعدیہ کی آنکھوں سے پہلے ہی آنسو بہہ رہے تھے۔ طوبی کے ان انکشافات سے اسے زیادہ سسک پڑی۔ بچکیوں پر اتر آئی تھی۔ یہ حالت دیکھتے ہوئے سلطان نے ہاتھ کے اشارے سے طوبی کو چپ رہنے کو کہا۔ طوبی چپ ہو گئی۔ پھر تینوں مل کر سعدیہ کو تسلی دینے لگے تھے۔

پاک طوبی نے کچھ سوچا۔ موبائل نکالا نمبر ملائے۔ دوسری طرف سے جب رحمان کی سنائی دی تو طوبی بول پڑی۔ ”انکل! آپ سے باتیں کرتے کرتے میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ انکل! ایک بہت بری خبر ہے۔ میں اس کی تفصیل آپ سے کہتی ہوں۔ پھر بتائیں کیا کرنا چاہئے؟“ اس کے بعد طوبی نے طلاق کے اسٹامپ اور خط کی ساری تفصیل اس سے کہہ دی تھی۔

کچھ دیر تک دوسری جانب بالکل خاموشی طاری رہی۔ پھر رحمان کی آواز سنائی دی۔ ”بنی! تمہارا اندازہ درست ہے۔ یہ واقعی دھوکہ دیا ہے۔ طارق تمہیں طلاق نہیں دے سکتا۔ میرے بیٹے! میں جانتا ہوں وہ تمہارے ساتھ مخلص ہے۔ سب سے اہم بات جو اسے سامنے آئی ہے وہ یہ کہ کس کو خبر ہوئی کہ تمہارا اور طارق کا نکاح ہو چکا ہے۔ اب اس سے بڑا مسئلہ یہی ہمارے سامنے ہے۔ کیا تم نے کسی سے اس کا ذکر کیا ہے؟“

طوبی فوراً بول پڑی۔ ”نہیں انکل! میں نے تو آج تک اس نکاح کا کسی سے ذکر نہیں کیا۔ یہ مسئلہ تو ہمارے خاندان میں میرے اور آپ کے درمیان میں ہی تھا۔“

رحمان کچھ دیر تک مزید سوچتا رہا۔ اس کے بعد اس کی آواز سنائی دی۔ ”نہیں میرے بیٹے! یہ بات اب طے شدہ ہے ہمارے خاندان میں سے کسی کو پتہ چل گیا ہے کہ تمہارا نکاح طارق سے ہو چکا ہے۔ کسی تیسرے فرد کو کیا ضرورت ہے کہ اس معاملے میں ٹانگ اڑاتا رہے۔ میرا دل کہتا ہے سارا کھیل میرے بیٹے احسن اور تمہاری آنٹی نجم السحر کا چایا ہوا ہے۔ ان دونوں کو کسی نہ کسی طریقہ سے یہ بھنگ مل چکی ہے کہ تمہارا نکاح طارق سے ہو چکا ہے۔ انہوں نے اگر یہ کھیل خود نہیں کھیلا تو کسی دوسرے کے ذریعے یہ کھیل کھیلا گیا ہے۔ بہر حال اس مکر وہ کھیل میں یہ دونوں ماں بیٹا شامل ہیں۔ ان کے علاوہ کسی اور کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ یہ کام کرتا پھرے۔“

رحمان جب خاموش ہوا تو طوبی بولی۔ ”انکل! آپ کا اندازہ اور آپ کا کہنا درست ہے۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟“

رحمان کی پھر شفقت بھری آواز سنائی دی۔ ”میری بچی! تمہیں فکر مند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ معاملہ ضرور پریشان کرنے والا ہے لیکن میری بیٹی! حوصلہ رکھنا۔ ہماری نگاہوں میں طلاق کے اسٹامپ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اب ہمارے

ہلا ہور سے گوجرانوالہ جانے والی شاہراہ پر اکاد کا ٹریفک جارہی تھی۔ ایک تیز رفتار کار جو رو کی طرف رواں تھی اچانک اسے رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ سڑک کے کنارے بڑی تل سے ہاتھ ہلاتے ہوئے اسے کسی نے رکنے کا اشارہ دیا۔ اشارہ دینے والا طارق تھا۔ کار رک گئی۔ اس میں سے دو اشخاص اترے۔ طارق کے پاس آئے۔ پھر کسی کی روٹی، محبت بھری آواز سنائی دی۔ ”طارق احتشام تم یہاں اور اس حالت میں؟ کیا ہوا ہیں؟“

آنے والے کو دیکھتے ہوئے طارق کے چہرے پر ایک طرح کی بشارت اور خوشی بکھر گئی۔ پھر آنے والے کو اس نے مخاطب کیا۔ ”احمد عزیز صاحب! آپ کا شکریہ کہ آپ نے اڑی روک دی۔ ورنہ میں تو یہی خیال کر رہا تھا کہ میرے ہاتھ ہلانے پر کوئی گاڑی نہیں کے گی اور میں رات بھر یہیں سسک سسک کر جان دے دوں گا۔“

آنے والوں میں سے ایک طارق کا جاننے والا بی بی پروڈیوسر احمد عزیز اور دوسرا کوئی ال کا سا تھی تھا جو کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ احمد عزیز نے آگے بڑھ کر جب اسے اٹھانا چاہا تو طارق بڑے کرب اور تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ”عزیز صاحب! میری ٹانگ ٹوٹ چکی ہے۔ میں اٹھ نہیں سکوں گا۔“

اس انکشاف پر احمد عزیز کے چہرے پر تفکرات اور غموں کی لہریں بکھر گئی تھیں۔ وہ اہل بیٹھ گیا اور طارق کے شانے پر شفقت بھرا ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”میرے عزیز! تجھے کیا ہوا؟“

جواب میں طارق نے اسے اپنی مختصر سی روداد سنا ڈالی تھی۔

احمد عزیز نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ دونوں نے مل کر طارق کو اٹھایا اور گاڑی کی پچھلی نشست پر بٹھا دیا۔ پھر وہ دونوں آگے بیٹھے اور گاڑی اشارت ہو گئی تھی۔

سامنے اصل مدعا یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح طارق کو تلاش کیا جائے۔ اسے ڈھونڈا جائے۔ وہ کہاں ہے اس کے بعد میں اعلانیہ تمہاری اور طارق کی شادی کا اہتمام کر دوں گا۔ اس سلسلہ میں اگر مجھے احسن اور نجم السحر کی دشمنی بھی مول لینی پڑی تو میری بیٹی! میری بیٹی! میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔“

رحمان تھوڑی دیر رکا۔ کچھ سوچا اور دوبارہ کہنے لگا۔ ”میری بیٹی! میں آنکھیں سکوں گی۔ اس وقت میرے پاس مریضوں کا رش ہے۔ تمہارا جب فون آیا تو میں نے ایک مریض کو باہر نکالا اور تمہارے ساتھ گفتگو کر رہا ہوں۔ تم کچھ دیر تک بیٹھو پھر چلی جانا۔ پھر سلیڈ کی میں بیٹھ کر دونوں باپ بیٹا بات کریں گے۔“

رحمان نے فون کا سلسلہ بند کر دیا۔ طوبیٰ نے موبائل بند کر کے اپنے بیگ میں ڈال دیا تھا۔ پھر سب سعدیہ سے باتیں کر کے اس کا دل بہانے لگے تھے۔



طارق اب کسی قدر مطمئن تھا۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اس نے گاڑی کا جائزہ لیا۔ پھر اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگا۔ ”طارق! میرے عزیز! زیادہ تفکرات میں دھیمی سی آواز میں احمد عزیز کو مخاطب کیا۔“ احمد صاحب! آپ مجھ پر ایک مہربانی کیجئے۔ میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں فراموش کروں گا۔ وہی سب کا کاتب تقدیر ہے۔ ہم جیسے بے دیا رو بے نوا مجھے میو ہسپتال لے جائیے گا اور وہاں داخل کرا دیجئے گا۔“

بھولوں گا۔ آپ ایک اور احسان مجھ پر کیجئے گا کہ میرے گھر پر اطلاع مت کیجئے گا میری حالت کو خبر نہیں ہونی چاہئے کہ میری ٹانگ ٹوٹ چکی ہے اور میں انتہائی کمپرسی کی حالت میں لیٹی روڈ پر پڑا ہوا تھا اور آپ مجھے اٹھا کر لائے۔ اگر میری ماں کو خبر ہو گئی کہ میری یہ حالت بنائی گئی ہے تو وہ مر جائے گی۔“

طارق کے ان الفاظ پر احمد عزیز پگھل کر رہ گیا تھا۔ آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ کچھ دیر اس نے سوچا پھر پچھلی نشست کی طرف دیکھے بغیر کہنے لگا۔ ”میرے عزیز! آج کل کا انسان سرکش اور بے زنجیر و حسیوں سے بھی زیادہ ظالم اور آمریت کی رعونت سے بھی زیادہ ستم گری اختیار کر چکا ہے۔ لوگ اس قدر ڈھٹائی کے ساتھ تخلیق کائنات کے عقودوں کی نفی کرتے ہیں اور روحانی اور اخلاقی طور پر روبہ انحطاط ہیں۔ میرے عزیز! واقعی انسان اپنی ذات میں بڑا ارزاں ہو گیا ہے اور حرص و ہوس کی اندھی نگری میں سر سے پاؤں تک کھوپکا ہے۔ انسان کی یہ بڑی بد قسمتی ہے کہ اجسام کی ناموس کا مول لگنے لگا ہے اور تہذیب کے دھواں دھار اندھیروں کے پس پردہ موت اور دہشت کے سایوں کے جھوم کھڑے کئے جانے لگے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد احمد عزیز رکا۔ سوچا۔ پھر دوبارہ کار کے اندر اس کی ہمدردی اور شفقت میں ڈوبی آواز سنائی دی۔ ”طارق! میرے عزیز! اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں ہنرمند دماغوں کی امتگوں کا لبو ہونے لگا ہے۔ انسان بھول گیا ہے کہ اس کی تخلیق بن فطرت کا لبو ہے جس کی اسے قدر کرنی چاہئے۔ پرہائے! حیف یہ حیلہ جو یان ستم گرد اور ظلم ڈھانے کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کرتے رہتے ہیں۔ آج کا انسان بھی بے معنویت کے صحراؤں میں پرندوں کی طرح مسافر ہو کر رہ گیا ہے۔ زمین کے خشک چہرے پر محبتوں کے جزیرے مفقود ہوتے جا رہے ہیں۔ زیست کی بے ثباتی کے قصوں میں اپنے آپ کو دھنسنے کے نوے، سینوں کا الم اور اشکوں کی روانی بن رہی ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد احمد عزیز رکا۔ کچھ سوچا۔ پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ طارق کے سر پر احمد عزیز نے پھر پیچھے مڑ کر دیکھا اور انتہائی ہمدردانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔ ”میں تجھے میو ہسپتال نہیں لے کر جاؤں گا۔ تجھے بڈی جوز کے کسی اچھے ہسپتال میں داخل کراؤں

ہڑی جیل روڈ پر ایک ہسپتال کے سامنے رک گئی تھی۔ طارق کچھل نشست پر بڑا رہا۔ عزیز اور اس کا ساتھی دونوں نیچے اتر گئے۔ کچھ دیر بعد ہسپتال کے ملازم اسٹریچر لے کر آئے طارق کو اس پر ڈال کر ہسپتال کے اندر لے جایا گیا اور ایک کمرے میں لگے صاف بے بیڈ پر لٹا دیا گیا تھا۔ احمد عزیز اور اس کا ساتھی وہاں نہ تھے۔ ہسپتال کے عملے نے ان کا لباس تبدیل کروایا۔ جہاں جہاں چومیں آئی تھیں وہاں مرہم پنی کر دی تھی۔ فٹوڑی دیر تک احمد عزیز اور اس کا ساتھی بھی آگئے۔ ان کے ساتھ کوئی ڈاکٹر تھا۔ نے طارق کا معائنہ کیا۔ پھر وہ اسے ایکس رے روم کی طرف لے گئے۔ ایکس رے کے فلگ پر پلستر چڑھادیا گیا اور دوبارہ اسے اس کے کمرے میں لایا گیا تھا۔

احمد عزیز اور اس کا ساتھی دونوں اس کے پاس آ بیٹھے۔ پھر احمد عزیز نے اسے مخاطب کیا۔ "طارق! فکر مند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری ٹانگ ایک جگہ سے ماہے۔ پلستر لگ گیا ہے۔ بہت جلد تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ تمہارے علاج کے لئے ہسپتال انڈیائی فیس میں نے جمع کر وادی ہے۔ گاہے گاہے میں خود بھی چکر لگاتا رہوں گا۔ میرا یہ فحی بھی آتا رہے گا اور بھاری رقم کی ادائیگی بھی ہسپتال کو کر دی جائے گی۔ اگر تم اپنے گھر والوں کی اطلاع نہیں دینا چاہتے تو یوں ہی رہو۔ کل کسی وقت میرا یہ ساتھی آئے اور تمہارے لئے کپڑوں کے علاوہ ضروریات کی دیگر اشیاء بھی دیتا جائے گا۔ دیکھو! اس نگر پر میرا شکر یہ مت ادا کرنا۔ اس طرح تم میرا احسان تو جتا دو گے لیکن میرا ثواب ملے گا کروادو گے۔" پھر احمد عزیز اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ "تم بیٹھو۔ یہاں میرے ایک انتظار والے ہیں۔ میں ان سے مل لوں اس کے بعد میں تم سے رخصت چاہوں گا۔"

احمد عزیز کا ساتھی وہیں بٹھا رہا جبکہ وہ خود باہر نکل گیا تھا۔ فٹوڑی دیر بعد احمد عزیز لوٹا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک بوڑھا شخص کمرے میں داخل ہوا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بستر پر لیٹا طارق چو نکا تھا۔ احمد عزیز کے پیچھے آنے والا بوڑھے نے بھی طارق کو بستر پر لیٹے دیکھ کر کسی قدر پریشانی اور فکر مندی کا اظہار کیا۔ فٹوڑی دیر بعد طارق نے جب اٹھنا چاہا تو احمد عزیز کے پیچھے کمرے میں داخل ہونے والا بوڑھا آگے بڑھا۔ طارق کی چھاتی پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے لٹا دیا۔ پھر کہنے لگا۔ "بیٹے! بڑھاپے میں تمہیں اٹھنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں پہچان چکا ہوں۔ احمد عزیز نے مجھے

گاہے رہا سوال اخراجات کا تو وہ میں خود پورے کروں گا۔ میرے ساتھ تم وعدہ کرو اس بات کسی سے ذکر مت کرنا۔ میں شہرت کا بھوکا نہیں ہوں۔ میں گنہگار رہ کر تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں اس لئے کہ تمہارے ساتھ ایک نہیں کئی رشتے ہیں۔ اگر انسانیت اور مذہب کے رشتے کو ایک طرف رکھ دیا جائے تب بھی تیرے ساتھ میرا پہلا تعلق یہ ہے کہ تو میرا شناسا ہے۔ تیرے ساتھ دوسرا تعلق یہ ہے کہ تو اچھا آرٹسٹ ہے۔ تیرے ساتھ سب سے بڑا، سب سے پائے دار تعلق اور رابطہ یہ ہے کہ تو اپنے حالات اور اخلاق کی وجہ سے اس قابل ہے کہ میں وہ کچھ کروں جو میں کرنے جا رہا ہوں۔ اب تم چپ رہنا۔ میرے کسی کام سے اختلاف مت کرنا۔ میں جو کچھ کروں گا تمہاری بہتری، تمہاری بھلائی کے لئے ہی کروں گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد احمد عزیز لمحہ بھر کے لئے رکا تھا۔ پھر شاید اس نے طارق کو اصل موضوع سے ہٹانے کے لئے پوچھ لیا۔ "تم نے یہ بتایا ہی نہیں کہ جن لوگوں نے تمہاری یہ حالت کی کیا وہ تمہارے جاننے والے ہیں اور تم انہیں جانتے ہو؟"

طارق پہلے اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا تھا لیکن جب احمد عزیز نے رخ بدلاتا ہوا مجبوراً اسے بولنا پڑا۔ "نہیں! وہ میرے جاننے والے نہیں تھے۔ میں نہیں پہچانتا وہ کون لوگ تھے۔ بس یوں جانیں میری خوش قسمتی کہ میں بچ گیا ہوں ورنہ وہ مجھے جان سے مارنے کے درپے تھے۔ وہ مجھے اپنا کام کرانے کے بعد دور کہیں سیالکوٹ کی طرف جانے والی شاہراہ پر پھینک دینا چاہتے تھے تاکہ میں وہیں سسک سسک کر مر جاؤں۔ جب انہوں نے گاڑی میں روڈ پر چڑھائی تو میں نے گاڑی کے سڑک پر آنے سے پہلے ہی دروازے سے ٹیک لگائی تھی۔ پھر ایک دم دروازہ کھول کر میں نے باہر چھلانگ لگا دی تھی۔ میں نے ان کی گفتگو سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ مجھے ختم کر دیں گے۔ جب میں نے باہر چھلانگ لگائی تو ان میں سے ایک میرے پیچھے آیا۔ میرا ذہن اس وقت کام کر رہا تھا۔ باہر نکلتے ہی میں نے دم سادھ لیا تھا۔ اس نے پہلے میرے ناک پر ہاتھ رکھا میری سانس رک چکی تھی۔ شاید وہ سمجھا کہ میں مر چکا ہوں۔ وہ نبض دیکھنا چاہتا تھا کہ عین اس موقع پر مخالف سمت سے کوئی گاڑی آتی دکھائی دی۔ اس کی روشنی دیکھتے ہی وہ بھاگ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ پھر وہ سب فرار ہو گئے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ آپ جانتے ہیں۔"

نہی۔ بس بچے! چند ہفتے پہلے بازار سے گھر لوٹ رہی تھی کہ ایک کار اس سے ٹکرا گئی۔ ٹانگ
ن کی چکنا چور ہو گئی۔ کار والا بھاگ گیا۔ کافی لوگ جمع ہو گئے۔ کوئی میری بیٹی کو پہچانتا
نہیں تھا۔ کچھ لوگ اسے لاوارث جان کر سرکاری ہسپتال میں لے جانے لگے تو وہ لڑکا جو ٹکر
ا کر بھاگا تھا واپس لوٹ آیا۔ اس کے ساتھ اس کے ماں باپ بھی تھے۔ شاید اس نے
زدک ہی سے اپنے ماں باپ کو پک اپ کرنا تھا۔ اس نے پورے حالات سے انہیں آگاہ کر
یا۔ وہ لوگ بھلا ہوا ان کا میری بیٹی کو اٹھا کر اس ہسپتال میں لائے پھر میری بیٹی سے اس کا پتہ
پچھا اور مجھے بھی ہسپتال لے آئے۔ اب اس ہسپتال میں میری بیٹی پر جس قدر اخراجات ہو
رہے ہیں وہ اسی لڑکے کے ماں باپ کر رہے ہیں جس لڑکے کی کار کی ٹکر سے میری بیٹی کی
ہنگ ناکارہ ہوئی تھی۔ بیٹے! میری مزید بد قسمتی یہ کہ میری بیٹی کی ٹانگ زیادہ ناکارہ ہو گئی
فی جس کی وجہ سے کاٹ دی گئی ہے۔ زخم کافی حد تک مندمل ہو گیا ہے۔ بیٹی کی ٹانگ کٹ
بانے سے جو زخم دل پر لگاؤ بھی کافی حد تک مندمل ہو گیا ہے اس لئے کہ اس لڑکے نے
میری بیٹی کو کار کی ٹکر مار کر ناکارہ کیا اس کے ماں باپ بڑے رحم دل ثابت ہوئے۔ انہوں
نے اسی ہسپتال کے اندر اپنے اس بیٹے کے ساتھ جس نے میری بیٹی کو ٹکر ماری تھی اس کا
ٹانگ کر دیا ہے۔ چند روز تک میری بیٹی اس ہسپتال سے فارغ ہو کر میرے ساتھ میرے
گھر نہیں جائے گی بلکہ اپنے سسرال چلی جائے گی۔ ٹکرانے والا وہ لڑکا اب میری بیٹی کا شوہر
ہے۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔ ہر روز میری بیٹی سے ملنے کے لئے آتے ہیں۔“

یہاں تک کہتے کہتے پروفیسر حفیظ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ تین افراد اس کمرے میں
داخل ہوئے۔ پروفیسر حفیظ اپنی جگہ پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر طارق کی طرف دیکھتے ہوئے
کہنے لگا۔ ”طارق میرے بیٹے! یہ میری بیٹی کا شوہر اور اس کے والدین ہیں۔“ ساتھ ہی
حفیظ نے طارق سے ان کا تعارف کروایا۔ پھر ان تینوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”طاہرہ
اپنے کمرے ہی میں ہے۔ وہ بڑی بے چینی سے آپ لوگوں کا انتظار کر رہی ہو گی۔ میں اس
بچے کے پاس تھوڑی دیر تک بیٹھ کر آتا ہوں۔ یہ ہمارا پرانا جاننے والا اور شناسا ہے۔ یوں
جائے یہ طاہرہ کا پڑھائی کے دوران بھائی بنا ہوا تھا۔“

پروفیسر حفیظ کے ان الفاظ پر تینوں کے چہروں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ پھر لڑکا
اگے بڑھا پر جوش انداز میں باری باری اس نے احمد عزیز اور طارق سے مصافحہ کیا۔ اس کا

تمہارے متعلق تفصیل سے بتایا ہے لیکن میں نہیں جانتا تھا بیٹے کہ یہ تم ہو۔“

اس بوڑھے کو یہاں تک کہتے کہتے رک جانا پڑا اس لئے کہ احمد عزیز اس کی طرف حیرت
سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”اس کا مطلب ہے آپ پہلے ہی سے ایک دوسرے کو جانتے
ہیں۔“

کمرے میں داخل ہونے والا بوڑھا کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی طارق، احمد عزیز
کی طرف دیکھتے ہوئے بول پڑا۔ ”احمد صاحب! یہ میرے محسن ہیں۔ کالج میں یہ میرے
پروفیسر تھے۔ میں ان کا بڑا ممنون ہوں۔ انہوں نے ہمیشہ میرا خیال رکھا۔“

احمد عزیز نے ہمدردی، شفقت اور اپنائیت بھرا ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ پھر اس کی خوشیاں
برساتی ہوئی آواز اس کمرے میں بکھر گئی۔ ”چلو یہ بھی اچھا ہوا میری وجہ سے آپ دونوں
کی ملاقات ہو گئی۔“

پھر طارق نے آنے والے بوڑھے کو مخاطب کیا۔ ”حفیظ صاحب! آپ کدھر؟“

طارق کے اس استفسار پر پروفیسر حفیظ کی گردن جھک گئی تھی۔ اس کی حالت دیکھتے
ہوئے احمد عزیز بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے پروفیسر حفیظ کو کرسی پر بٹھادیا۔
خود بھی بیٹھ گیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پروفیسر حفیظ بول پڑا۔ ”بیٹے! یہ تو تم جانتے
ہو کہ ابھی تمہاری تعلیم جاری تھی کہ میں ریٹائر ہو گیا تھا۔ پھر مصیبتوں نے آن گھیرا۔
جس قدر جمع رقم میرے پاس تھی وہ لگا کر میں نے اپنے بیٹے کو باہر بھیجا۔ وہ وہاں پہنچا
گیا۔ رقم کی ادائیگی بھی ہم نے کر دی۔ میری بد قسمتی کہ وہاں اس کا ایکسیڈنٹ ہوا اور اس کی
ڈیٹھ ہو گئی۔ اس طرح مالی طور پر میں بالکل مفلوج ہو کر رہ گیا۔ بیٹے! تم جانتے ہو کہ میرے
ایک ہی بیٹا اور ایک ہی بیٹی تھی۔ بیٹے کے یوں مر جانے سے میرے لئے حادثات اٹھ
کھڑے ہوئے۔ اس کی ماں یہ صدمہ برداشت نہ کر سکی اور مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو گئی۔
ادھار لے کر اس کا علاج شروع کیا۔ اس پر کافی رقم اٹھ گئی۔ میری بد قسمتی کہ وہ جانبر نہ
سکی۔ پھر ایسا ہوا کہ اپنی پنشن سے آہستہ آہستہ جو قرض مجھ پر چڑھا تھا وہ میں نے ادا کر
لیکن لگتا تھا خداوند قدوس کی طرف سے میرے امتحانوں کی ابھی انتہا نہ ہوئی تھی۔ میری
بیٹی کو تم جانتے ہو۔ وہ تمہارے ساتھ ہی پڑھتی تھی۔ وہ اپنے بھائی کے علاوہ تمہیں بھی اپنا
بھائی سمجھتی تھی۔ مجھے بڑی عزیز تھی اور بیٹے کے مرنے کے بعد وہ مجھے اور زیادہ عزیز ہو گئی

باپ بھی آگے بڑھ کر ملا۔ اس کے بعد وہ تینوں باہر نکل گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد پروفیسر حفیظ پھر بول پڑا۔ ”بیٹے! اب تم کہو کیسے ہو؟ حالات ہی کچھ ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ میں تم لوگوں سے کوئی رابطہ قائم نہ رکھ سکا۔ کہو! تمہاری ماں کیسی ہے؟“

طارق نے لبوں پر زبان پھیری۔ پھر کہنے لگا۔ ”ٹھیک ہے۔ ماں میری ایک عرصہ سے بیمار ہے۔ بس علاج ہو رہا ہے۔ یوں جانے زندہ ہیں۔ میرے بھائی خلیل کو بھی آپ جانتے ہیں۔ وہ بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔ ایک میوزک ڈائریکٹر کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ میرے خیال میں آپ کے ساتھ پھر گفتگو ہوگی۔ آپ جائیں۔ آپ کے مہمان آئے ہوئے ہیں۔ طاہرہ بہن سے میرا سلام کہئے گا۔“

اس پر پروفیسر حفیظ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد طارق نے احمد عزیز کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔ ”میرے محترم! آپ ان کو کیسے اور کب سے جانتے ہیں؟“

احمد عزیز کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر کہنے لگا۔ ”میں انہیں پہلے سے نہیں جانتا۔ میرے ایک عزیز ہسپتال میں داخل تھے۔ چند دن پہلے ہی وہ یہاں سے گئے ہیں۔ ان کے لئے میں جب آتا تھا تو ان سے تعارف ہو گیا۔ انہوں نے اپنی بچی کے حالات جب مجھے بتائے تو میں ان حالات سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ جب بھی اس ہسپتال میں آتا ان صاحب سے ملاقات ضرور کرتا۔ آج تمہیں چھوڑنے کے لئے آیا تو پھر مجھے خیال اٹھا کہ ان سے ملے بغیر نہیں جانا چاہئے۔ میرا لہنا بھی سو مند رہا۔ میرے ساتھ جب وہ یہاں آئے تو پتہ چلا کہ تم پہلے ہی ان سے شناسا ہو۔“

اس کے ساتھ ہی احمد عزیز اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ ”اچھا! میں اب جاتا ہوں۔ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہسپتال کے جس قدر اخراجات ہیں ان کی ادائیگی کر دی جائے گی۔ کوئی تمہیں پوچھے گا نہیں۔ میرا ساتھی کل تمہارے لئے کپڑے اور ضروریات کا سارا سامان یہاں پہنچا دے گا۔ بالکل بے فکر رہنا۔ اس کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو اس سے کہہ دینا۔ ہر چیز تمہیں یہاں مہیا ہوگی۔“

احمد عزیز کا شکر یہ ادا کرنے کے لئے طارق کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ احمد عزیز کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ آگے بڑھا اور اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”میں جانتا

ہاں کہ تم میرا شکر یہ ادا کرنے کے لئے الفاظ تلاش کر رہے ہو۔ ایسا مت کرنا بچے! میں انتم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ میرا شکر یہ ادا کر کے تم میرے ثواب میں کمی کرنا چاہتے ہو۔ میں ایسا نہیں ہونے دینا چاہتا۔ جو کچھ میں نے کیا ہے اپنے دل میں یہ ٹھان لو کہ یہ میرا حق تھا مجھے ایسا کرنا چاہئے تھا۔ انسانیت کے ناطے سے۔ ابک آرٹسٹ کے ناطے سے، ایک ہون کے ناطے سے۔ بس یوں جانو یہ تمہارا مجھ پر حق تھا۔ اب مزید.....“

احمد عزیز کو کہتے کہتے رک جانا پڑا اس لئے کہ پلنگ پر لیٹا ہوا طارق بول پڑا۔ ”یہ آپ کی نہایت شناسی اور زندہ دلی ہے ورنہ جو سلوک آپ نے مجھ سے کیا ہے کون کسی سے ایسا دگ روار کرتا ہے۔ ذرا آپ چاروں طرف اپنے معاشرے پر نگاہ دوڑائیں۔ جو کردار پانے ادا کیا ہے کیا سب لوگ ایسا کرتے ہیں؟“

احمد عزیز طارق کے الفاظ سے بے حد متاثر ہوا۔ تھوڑی دیر تک اس کی گردن جھکی رہی۔ سوچتا رہا۔ چہرے پر تفکرات اور پیشانی پر سوچوں کی لکیریں گہری سی ہو گئی تھیں۔ بہت آہستہ اس نے گردن سیدھی کی اور کہنا شروع کیا۔ ”میرے عزیز! اس کائنات میں مان خداوند قدس کی سب سے افضل اور اجمل تخلیق ہے۔ ابنائے آدم کی حیثیت سے ہمیں ایک دوسرے کے لئے بے نفس، بے غرض ہو کر مساوی خوشبو کی طرح خدمت کرنا چاہئے۔ پر بائے حیف! اس انسانیت کش نظام میں لہو کی بوندوں، عصمتوں کے گوہر اور نیکوں کے احترام کی کوئی قدر و منزلت نہیں رہی۔ شور و شر کے دور میں بے کل باطن، مفلسی رکھنے والے لوگ اوروں کے حقوق کو کاغذی محل، ریت کے گھر وندوں اور بڑھائوں کی طرح روند ڈالتے ہیں۔ ناطق وجود رکھنے والا یہ انسان کتابت قسمت ہوتا جا رہا ہے۔ دین ایمان کو پس پشت ڈال کر اخلاص و استقامت سے محرومی کا شکار ہو رہا ہے۔ نفع کے حقائق میں چھپی نوائے بائف کو نہیں سنتا۔ مجھ سے اگر کوئی پوچھے تو میں یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ وقت کی سکڑتی چادر میں آج کل کا انسان اخلاقی لحاظ سے معزول مسترد ناکا سا ہو کر رہ گیا ہے۔“

احمد عزیز جب رک کا تو پلنگ پر لیٹا طارق بول پڑا۔ ”صاحب! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ آج مائیکروب کی صدیوں، دکھ کے سمندر میں کوئی کسی کے لئے مداوائے الم، زخموں کا مرہم، ہمدردی خواب پرندوں جیسی اور خلوص ہواؤں کی زد میں شکستہ طاق

کی صورت ہو چکے ہیں۔۔۔۔۔“

طارق کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی بات کانٹے ہوئے احمد عزیز بول پڑا۔ ”بچے اب کچھ تم نے کہا ہے وہ بھی درست ہے۔ جن خیالات کا اظہار میں نے کیا وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک ہیں اس کے باوجود میں انسان کی بہتری سے مایوس نہیں ہوں۔ گزرتی ساعتوں میں آج بھی اگر ہم اپنی کوتاہیوں اور خواہشوں کی آوارگی کی ردائیں اٹار بھی سکیں تو ہم اپنے معاشرے کو زرد خزاؤں سے گل بہار لحوں میں تبدیل کر سکتے ہیں۔“

☆

طارق تھوڑی دیر تک مسکراتے ہوئے احمد عزیز کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ”احمد صاحب! آپ کی شعلہ گفتاری پورے ملک میں جانی پہچانی ہے۔ اس گفتگو میں، میں نہ آپ کا ساتھ دے سکتا ہوں نہ آپ کی اس ساری گفتگو کے لئے میرے پاس کوئی مناسب جواب ہے۔ پھر بھی میں یہ کہوں گا کہ سمندر کی گہرائیوں میں حسی اور لاپرواہی کے اس دور اور بادلوں کی طرح تہہ بہ تہہ ہوس و اجنبیت کے ماحول میں آپ جیسے لوگ بہت کم ہیں جو نسیم سحر کی تری، گل ہائے چمن کی خوشبو اور انسانیت کا وقار بننے ہوئے بے بسوں کی بے کسی کے مونس بن جاتے ہیں۔“

جب تک طارق بولتا رہا احمد عزیز غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنتا رہا۔ اس لئے اس کی آنکھوں میں مدہم چمک، ہونٹوں پر میٹھی مسکراہٹ تھی۔ پھر اس نے کہنا شروع کیا۔ ”میرے عزیز! تم میری شعلہ گفتاری کی بات کرتے ہو۔ میں تو سمجھتا ہوں جو الفاظ تم استعمال کر رہے ہو وہ عام آدمی استعمال ہی نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔“

احمد عزیز کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ طارق پھر بول پڑا۔ ”صاحب! میں نے کیا بولنا ہے؟ میں مزدور سا ایک انسان ہوں پر یہ کہے بغیر نہیں رہوں گا کہ اس عالم تغیر میں آئینوں کی طرح ٹوٹے انسانوں کے اندر آپ جیسے بہت کم لوگ ہیں جو حرف شناس بن کر سوختہ جان لوگوں کے لئے ولولوں کی دلکش حکایت اور رگ رگ کا سرور بن جاتے ہیں۔ میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں آپ کی اس کارگزاری پر۔۔۔۔۔“

طارق کو رکنا پڑا۔ اس لئے کہ احمد عزیز فوراً آگے بڑھا۔ اور اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”میں نے جو کچھ کیا ہے وہ میرے کاغذوں میں صفر بھی نہیں ہے بچے! میری اس کارگزاری پر میرا شکریہ ادا کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ جو کچھ میں نے کیا ہے باخدا!

پہا کرتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”طوبی میری بیٹی! کیا بتاؤں؟ طارق کی گمشدگی نے مجھے توڑ
بوڑ کر رکھ دیا ہے۔“ اس سے آگے سعدیہ کچھ نہ کہہ سکی۔ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔
ہاکی حالت دیکھتے ہوئے طوبی بھی رو پڑی تھی۔ باورچی خانے سے تحریم کے رونے کی
ہی آواز سنائی دینے لگی تھی۔

پھر روتی ہوئی آواز میں طوبی بول پڑی۔ ”اماں طارق تو میرے لئے ستارہ رہبری تھا۔
ان کے بغیر میری امیدوں کی بالکونی کے اندر زیست کے سارے سکے کھوٹے ہو کر رہ گئے
ہیں۔ اس کے بغیر لگتا ہے جیسے کسی ان دیکھی آسیب اثری کے تحت حالات نے مجھے زوال
لوں پر لا کھڑا کیا ہے۔“

طوبی کے ان الفاظ پر سعدیہ مزید پگھل کر رہ گئی تھی۔ کچھ دیر تک ہچکیوں، سسکیوں پر
بہا پاتی رہی۔ اس کے بعد بول پڑی۔ ”بیٹی کیا پوچھتی ہو۔ طارق کی گمشدگی نے مجھے ہلا کر
رکھ دیا ہے۔ وہ میری رگوں میں دوڑتا پھرتا ہوا تھا۔ اس کے بغیر لگتا ہے میں لباس ہجر کے
اند بدن بن کر سکلنے لگی ہوں۔ اسے دیکھنے کے لئے میری نظریں کشتول بن کر رہ گئی ہیں۔
ان کے بغیر سارے شاداب منظر، شادمان کلیاں، گلوں کی مہکار میرے لئے سب نیزاری کا
امٹ بن کر رہ گئی ہیں۔ لگتا ہے طارق کے بغیر میں مجبوری کی چادر سے بچھے درد کے بستر پر
لٹنے کے لئے رہ گئی ہوں۔“

سعدیہ کچھ دیر کے لئے رکی۔ پھر دوبارہ اس کی آواز سنائی دی۔ ”طوبی میری بیٹی! طارق
کی جدائی مجھ پر کچھ اس طرح اثر انداز ہوئی ہے جس طرح غم کی بارش ہر ہر مسام جاں کے
اند برس جاتی ہے طارق کی جدائی نے مجھے خواہشوں کے اس نگار خانے میں دائرے بناتی
”ایروں میں لا کھڑا کیا ہے۔“

سعدیہ کے ان الفاظ نے طوبی کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ بیچاری سسکنے لگی تھی۔ باورچی خانے
سے زوردار انداز میں تحریم کی ہچکیاں اور سسکیاں سنائی دینے لگی تھیں۔ عجیب ساما حول
بلا ہوا گیا تھا۔ کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا۔ پھر طوبی نے اپنے آپ کو کسی قدر سنبھالا۔ سعدیہ کو
الانے مخاطب کیا۔ ”اماں! یہاں تو آپ کے پاس خلیل ہے، تحریم ہے۔ آپ کی دیکھ بھال
کرنے والے ہیں، آپ کی دلجوئی کرنے والے ہیں اماں! میری طرف دیکھو۔ جس ماحول
میں ہوں وہاں کوئی میرے لئے غم گسار، ہم نوا اور الم شناس نہیں۔ وہاں رحمان

دن بڑی تیزی سے گزرنے لگے تھے۔ طوبی اکثر و بیشتر سعدیہ، خلیل اور تحریم کے پاس
آکر بیٹھتی، اپنے دکھ کہتی اور ان کے دکھ سنتی اور تھوڑی دیر بیٹھ کے رو دھو کے چپ
جاتی۔ عمارت کے سارے ہی مکین طارق کے اس طرح کھو جانے سے پریشان اور غم
تھے۔

ایک روز طوبی نے صحن میں گاڑی کھڑی کی اور اس کمرے میں داخل ہوئی جس میں
سعدیہ تھی۔ سعدیہ دکھی اور فکر مند سی بیٹھی تھی۔ طوبی کے کمرے میں داخل ہونے کا کوئی
اثر نہ لیا۔ بس اسی طرح سر جھکائے پڑی رہی۔

طوبی آگے بڑھی۔ سعدیہ کا ہاتھ بڑے پیار سے اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے پکارا۔ ”اماں
آپ کہاں کھوئی ہوئی ہیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟“
سعدیہ چونکی۔ سنبھلی اور کہنے لگی۔ ”میں اتالیف کا کیا یوں جانو وقت کاٹنے والی بات
ہے۔“

اتنی دیر میں ساتھی والے کمرے سے تحریم نکل آئی تھی۔ وہ بھی سنجیدہ تھی۔ آئے
بڑھ کر پر جوش انداز میں طوبی سے گلے ملی۔ پھر کہنے لگی۔ ”میری بہن! تم بیٹھے۔ میں چائے
بناتی ہوں۔ اماں نے بھی جینی ہے۔ تینوں اکٹھے بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی تحریم باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد طوبی
کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر سعدیہ کو اس نے مخاطب کیا۔ ”اماں! میں آپ کو اس طرح
کھوئے کھوئے دیکھتی ہوں تو میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔ آپ مجھے آج زیادہ پریشان لگتی تھیں۔
کیا طارق کا کچھ پتہ چلا؟“

سعدیہ بیچاری منہ سے کچھ نہ بولی۔ دونوں ہاتھ ملتے ہوئے جب اس نے نفی میں گردن
ہلائی تو اس کے کئی آنسو ٹوٹ کر اس کے دامن پر گر گئے تھے۔ ساتھ ہی سعدیہ کی رونے

تحریم بے چاری نے کوئی جواب نہ دیا۔ بڑی تیزی سے مڑی اور مڑتے ہوئے اس کی گھٹوں سے آنسو گر گئے تھے۔ بیچاری بھاگتی ہوئی باورچی خانے کی طرف چلی گئی تھی۔

طوبی وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔ پھر اچانک اسے باورچی خانے سے رونے کی آواز سنائی دی۔ تب وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور باورچی خانے میں داخل ہوئی۔ باورچی خانے میں پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھی ہوئی تحریم سر جھکائے بری طرح رو رہی تھی۔ طوبی دروازے پر کھڑی ہو کر چند لمحوں تک اسے دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں ایک محبت، ایک انوکھی شفقت، ایک ناک آشناسایا تھا۔ اچانک آگے بڑھ کر طوبی نے تحریم کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اور کہنے لگی۔ "تحریم! اس گھر میں جو دکھ، جو کرب، جو الم موجیں مار رہا ہے میں اس سے پوری طرح آگاہ ہوں۔ میری طرف دیکھو۔ میں طارق کی بیوی ہوں۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں اپنے دن چھین رہی ہوں اور راتیں سکون سے کاٹتی ہوں.....؟"

طوبی کو کہتے کہتے رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ تحریم کو نکلے اور گندھک کے باورچی خانے کی طرف ہٹ پڑی تھی۔ "طوبی میری بہن! جب سے طارق بھائی کھوئے ہیں اس گھر سے امن اور سکون رخصت ہو گیا ہے۔ طارق بھائی اس گھر اور اس گھر میں رہنے والوں کے لئے امن اور تحفظ کی پناہ گاہ تھے۔ ان کے یوں کھو جانے سے نہ اماں کو چھین اور قرار ہے نہ ہی خلیل معمول کے مطابق اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ کام پر روز جاتے ہیں لیکن کام میں دلچسپی دن بدن ختم ہوتی جا رہی ہے۔ پریشان اور فکر مند سے رہتے ہیں۔ طوبی میری بہن! ان حالات میں جب اماں کی آنکھوں سے ہر وقت آنسو بہتے رہیں اور میرے سامنے خلیل ہفت تفکرات میں ڈوبے رہیں تو تم ہی بتاؤ میں کیسے پر سکون، کیسے باہمت رہ سکتی ہوں؟"

طوبی نے تحریم کو اپنے سے علیحدہ کیا۔ جس پتیلی میں تحریم نے چائے بنائی تھی وہ ابھی تک کوئنگ ریج پر ہی پڑی ہوئی تھی۔ اس میں چائے بھی تھی۔ طوبی نے ایک کپ لیا۔ اس میں چائے ڈالی، چینی ڈالی پھر تحریم کو اس نے مخاطب کیا۔ "اٹھو! میرے ساتھ چلو۔ وہاں تین بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔ دیکھو۔ اب اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوگی۔ اگر میں اور تم اس موضوع پر باتیں کرتی رہیں اور روتی رہیں تو سوچو اماں کی حالت کیا ہوگی؟"

طوبی کے کہنے پر تحریم نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ طوبی کے ساتھ باہر آئی۔ پھر تینوں بیٹھ کر چائے پینے لگی تھیں۔ چائے پینے کے بعد طوبی اپنی جگہ پر سے اٹھی اور سعدیہ کی

انگل بھی کھل کر میری حمایت نہیں کر سکتے۔ اماں! کرب کے جس کشف اندیشوں کی جر دھول اور وحشت زدہ جن لمحوں کے اندر میں وقت گزار رہی ہوں ان کا بیان میرے دل کی بات نہیں ہے۔ خوف و ہراس کے جن سناٹوں کے اندر میں رات گزارتی ہوں وہ میرا اللہ ہی جانتا ہے۔ ہر روز یہ سوچتی ہوں کہ آنے والا کل میرے لئے خوشیاں لے کر آئے گا اور طارق آجائے گا۔ لیکن ہر بیتے دن کی دلکشی آنے والے کل کی فکر اور پریشانیوں میں ڈوب جاتی ہے۔ اماں! جب میں باہر نکلتی ہوں تو اس بھرے شہر کی سڑکیں مجھے تہا، عمارتیں سنسان لگتی ہیں۔ اماں! اگر ماحول کی تلخی میرے لئے ایسی رہی تو میں پہلے سے آپ کو بتائے دیتی ہوں میں طارق کے بغیر عنقریب چلکوں پر جما آنسو، مردہ لمحوں کا صبر، ادھوری سسکی، بوند بوند پانی کو ترستی گھٹا، سلگتی روح کا غم اور ڈوبتے دل کا درد ہو کر رہ جاؤں گی۔ کبھی کبھی رات کے وقت جب طارق کی جدائی میں دل گھبراتا ہے تو یوں لگتا ہے میں اس ماحول میں بیوگی کا نشان، سوگ کی تان بن کر رہ گئی ہوں۔ اس موقع پر جی چاہتا ہے اپنے سر پر سوگ کی راکھ، بالوں میں درد کی دھول ڈالوں اور باہر نکل کر زور زور سے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھوں کہ بتاؤ وقت، ماحول اور مذہب نے جس شخص کو میری زندگی کا ساتھی بنایا ہے وہ کہاں ہے؟ کدھر گیا ہے؟"

سعدیہ کسی رد عمل کا اظہار کرنا ہی چاہتی تھی کہ باورچی خانے سے تحریم نکلی۔ اس کے ہاتھ میں سفید رنگ کی ٹرے تھی جس میں چائے کے دو کپ رکھے ہوئے تھے۔ کونے پر پڑے ہوئے چھوٹے میز پر تحریم نے ٹرے رکھی پھر نیبل اٹھا کر اس نے سعدیہ اور طوبی کے درمیان رکھا۔ ساتھ ہی اس نے طوبی کو مخاطب کیا۔ "میری بہن! پہلے چائے پو۔ پھر کوئی گفتگو کرنا۔"

طوبی نے محسوس کیا کہ تحریم روتی رہی ہے۔ اس کی روہانسی سی آواز میں ایک درد، ایک گہرا کرب تھا۔ آنکھوں کے ساگروں سے آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے ساون بھادوں کی بارش کی طرح اٹھے ہوئے تھے۔ طوبی نے سر اٹھا کر غور سے اس کی طرف دیکھا۔ تحریم نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ شاید بیچاری اپنی حالت کو چھپانا چاہتی تھی۔ طوبی نے اسے مخاطب کیا۔ "تم دو ہی کپ لے کر آئی ہو۔ تمہاری چائے کہاں ہے؟ تم مجھ سے زیادہ چائے پینے کی عادی ہو۔"

م سے کراچی گیا ہوا ہے۔ ان کے مالکوں نے کراچی بھی ایک پر لیس لگایا ہے کچھ ماہ وہاں
م کرے گا۔ اس کے بعد لوٹ آئے گا۔ اماں! اس طرح حرا پر سکون رہے گی۔ ورنہ وہ بھی
ہرق کی گمشدگی کی وجہ سے ہلکا ہوتی رہے گی اور پڑھ نہیں سکے گی۔“

طوبی کی اس گفتگو پر سعدیہ اور تحریم دونوں تو صنفی انداز میں ایک دوسرے کی طرف
دیکھ رہی تھیں۔ سعدیہ نے اسے مخاطب کیا۔ ”طوبی میری بیٹی! میری بچی! تم نے بہت اچھا
لپاس طرح حرا کو ٹال دیا۔ ورنہ تم جانتی ہو وہ طارق سے بے پناہ اور اندھی محبت کرتی
.....“

طوبی بیچ میں بول پڑی اور کہنے لگی۔ ”اماں! میں اس کی چھ مہینے کی فیس، سکول کا خرچہ
ہاں جمع کروا آئی ہوں۔ اس کی طرف سے آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔
کچھ کتابیں اس کو چاہئیں تھیں میں اسے اپنے ساتھ بازار لے گئی تھی کتابیں بھی اسے خرید
کے دے آئی ہوں۔ اس کی وارڈن سے بات کی ہے۔ وارڈن کو بھی میں ایک خاصی رقم
دے آئی ہوں۔ وہ اس میں سے حرا کو خرچ کے لئے پیسے دیتی رہے گی۔ آپ بالکل مطمئن
رہیں۔ جو لوگ حرا کی پڑھائی کے اخراجات ادا کرتے ہیں پرنسپل سے بات کر کے میں نے
ان کا یہ سلسلہ بند کرادیا ہے۔“

طوبی کی اس گفتگو سے سعدیہ اور تحریم مزید مطمئن ہو گئی تھیں۔ پھر طوبی اپنی جگہ سے
اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔ ”اماں! میں اب جاتی ہوں۔“ پھر سعدیہ اور تحریم سے باری
باری گلے ملی اور وہاں سے چلی گئی تھی۔

☆

دن بڑی تیزی سے گزرتے ہوئے ہفتوں میں بدلنے لگے تھے۔ طوبی تین چار دن بعد
بڑی باقاعدگی سے سعدیہ کے پاس جاتی اس کی احوال پرسی کرتی۔ پھر تھوڑی دیر تحریم اور
خلیل کے پاس بھی بیٹھتی۔ ابھی تک انہیں طارق کے متعلق کچھ پتہ نہ چلا تھا اس لئے سب
پریشان اور فکر مند تھے۔

ایک روز ڈاکٹر رحمان اپنے ہسپتال میں بیٹھا ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ جونہی اس
نے ریسور اٹھایا دوسری طرف سے طوبی کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی طوبی نے شکوہ کرنے
کے انداز میں رحمان کو مخاطب کیا۔ ”انکل! آپ صبح سے کہاں ہیں؟ میں کئی بار آپ کو فون

طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”اماں! میں ابھی آئی۔“

اس کے ساتھ ہی وہ باہر نکل گئی تھی۔ اپنی گاڑی کا دروازہ کھولا۔ اس میں سے پلاسٹک
کے بڑے بڑے چار تھیلے نکالے۔ دونوں ہاتھوں میں دو دو تھیلے لئے اور واپس آئی۔ جونہی وہ
کمرے میں داخل ہوئی سعدیہ نے اسے مخاطب کیا۔ ”بیٹے! تم کن چیکروں میں پڑ جاتی ہو؟
جب بھی آتی ہو اسی طرح لدی پھندی آتی ہو۔ بیٹے! یہ اچھا نہیں لگتا۔ کب تک ہم تم پر
بوجھ بنے رہیں گے۔“

چاروں شاہر طوبی نے پلنگ پر رکھ دیئے۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر سعدیہ کے منہ پر
ہاتھ رکھ دیا۔ ”اماں! اس قسم کی باتیں نہ کیا کریں۔ میں کوئی فالٹو چیز نہیں لے کر آئی۔ بس
ان شاہر میں پھل اور بیکری کا سامان ہے۔ اور یہ وہ چیزیں ہیں جو آپ جانتی ہیں اکثر و بیشتر
طارق لے کر آیا کرتے تھے۔ اماں! میں طارق کی بیوی اور آپ کی بہو ہوں۔ اگر وہ یہاں
نہیں ہیں تو کیا ان کی غیر موجودگی میں آپ کی خدمت کرنا میرا فرض نہیں ہے؟“

سعدیہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ چپ ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی اس چپ سے طوبی نے
فائدہ اٹھایا۔ تحریم کو اس نے اشارہ کیا۔ دونوں نے دو دو شاہر اٹھائے اور چیزیں کچھ باورچی
خانے میں کچھ جاکر فریج میں جمائے لگی تھیں۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد دونوں دوبارہ سعدیہ کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر
تک خاموشی رہی۔ پھر طوبی نے سعدیہ کو مخاطب کیا۔ ”اماں! ایک اور الجھن اور مصیبت
کھڑی ہو رہی ہے۔“

سعدیہ نے چونکنے کے انداز میں طوبی کی طرف دیکھا۔ ”میری بیٹی! کیسی مصیبت؟ کیسی
الجھن؟“

”اماں! حرا طارق کو ملنے کے لئے بہت تنگ کر رہی تھی۔ میں آج ہی اس کے پاس سے
ہو کر آئی ہوں۔ اماں وہ اچانک کسی وقت بھی آسکتی ہے یا خلیل کو اپنے پاس بلوا سکتی ہے اور
خلیل کے ساتھ یہاں آجائے گی۔ اس نے مجھ سے گلا اور شکوہ کیا تھا کہ بابا مجھ سے منے
کیوں نہیں آتے۔ اب میں اس کو حقیقت تو نہیں بتا سکتی۔ میں نے اسے یہ کہہ دیا ہے کہ بابا
پریس کے کام کراچی گئے ہیں اور چند ماہ تک نہ آسکیں گے۔ لہذا اگر خلیل کے ساتھ حرا
یہاں آجائے اور طارق کے متعلق پوچھے تو آپ بھی اسے یہ کہہ دیجئے کہ پریس کے

کر چکی ہوں۔ آپ سے رابطہ ہی نہیں ہوتا۔ جب بھی فون کیا پتہ چلا آپ ہسپتال سے باہر ہیں۔“

رحمان نے بڑی بے چینی سے اپنی کرسی پر پہلو بدلا پھر طوبیٰ کو مخاطب کیا۔ ”بیٹی! تم ٹھیک کہتی ہو۔ واقعی میں آج سارا دن باہر ہی رہا ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے آیا ہوں۔ تم نے آج چھٹی نہیں کرنی یا یوں کہوں کیا تم آج سعدیہ کی طرف نہیں گئی؟“

تھوڑی دیر کے توقف کے بعد طوبیٰ کی آواز پھر سنائی دی۔ ”انکل! آج کام کی زیادتی کی وجہ سے میں اماں کے پاس نہیں جاسکی۔ کوشش کرتی ہوں آفس سے نکل کر سیدھی ان کی طرف ہی چلی جاؤں وہیں کھانا کھاؤں گی پھر میں گھر آ جاؤں گی۔“

جب تک طوبیٰ بولتی رہی رحمان گہری سوچوں میں کھویا رہا۔ اس کے خاموش ہونے پر رحمان نے بولنا شروع کیا۔ ”میری بیٹی! میرے پاس تمہارے لئے دو خبریں ہیں۔ ایک اچھی ہے ایک بری۔ ہسپتال لوٹتے ہوئے صرف ایک ہی خبر میرے پاس تھی وہ بری خبر تھی لیکن ہسپتال آنے کے بعد اس میں ایک اچھی خبر بھی شامل ہو گئی ہے۔ اب یہ کہو کہ تم کون سی خبر پہلے سننا پسند کرو گی؟“

دوسری طرف سے طوبیٰ کی بے قرار ہوئی آواز سنائی دی۔ ”انکل! پہلے یہ بتائیں جس کو آپ بری کہہ رہے ہیں کیا اس کا تعلق طارق اور میری ذات سے ہے؟“

رحمان کچھ دیر سوچتا رہا۔ اس کے بعد دھیمے سے لہجے میں بول پڑا۔ ”بیٹی! اس کا تعلق تمہاری یا طارق کی ذات سے تو نہیں لیکن تم دونوں کا اس خبر سے تعلق ضرور ہے۔ اب کہو کون سی خبر پہلے بتاؤں؟“

اس بار طوبیٰ بڑی سنجیدہ رہی لیکن بولی۔ ”انکل! پہلے اچھی خبر سنائیں دیکھتی ہوں وہ کیا ہے؟“

”بیٹی! اچھی خبر یہ ہے کہ تین دن بعد تمہاری دادی اماں آرہی ہیں۔ تمہاری آنٹی اور سب لوگوں کو اس کی خبر ہے۔ جب میں ہسپتال میں داخل ہوا تو تمہاری آنٹی نے مجھے فیکس دکھایا ہے۔ فیکس میں فلائٹ نمبر اور نام بھی لکھا ہے۔ تین دن بعد تمہاری دادی اماں یہاں ہوں گی۔ یہ اچھی خبر ہے۔“

کچھ دیر تک طوبیٰ کی آواز سنائی نہ دی۔ شاید وہ گہری سوچوں میں غرق تھی۔ پھر اس کی

سے زیادہ سنجیدہ آواز سنائی دی۔ ”انکل! یہ تو واقعی بہت اچھی خبر ہے۔ اماں کے آنے کم از کم میرے دکھوں میں کسی حد تک کمی ہو جائے گی۔ میں آپ کے ہاں سے دادی کے ہاں شفٹ ہو جاؤں گی۔ اس طرح کم از کم میرے دکھ یک طرفہ رہیں گے۔ انکل! بری خبر کہیں۔ اسے سننے کے لئے تیار ہوں۔“

رحمان کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر اس کی آواز ابھری۔ ”بیٹی وہ خبر ایسی ہے کہ تم سے کہنی ہے۔ اپنی نوعیت کے لحاظ سے وہ انتہادرجہ کی بری خبر ہے۔ یہ کچھ یوں ہے کہ طارق کی سعدیہ کو برین ٹیومر ہو چکا ہے۔ خلیل اور عمارت کے دوسرے لوگ کئی روز تک ان کا اہلہ کرتے رہے ہیں۔ جس ہسپتال میں لے کر گئے تھے انہوں نے برین ٹیومر بتایا۔ وہ بالاعلاج۔ انہوں نے اس انکشاف کو ہر ایک سے چھپا کر رکھا یہاں تک کہ تم بھی ان کے نا آتی جاتی رہی ہو۔ سعدیہ کی بیماری کا ذکر تم سے بھی کسی نے نہیں کیا۔ آج صبح ہی صبح ہسپتال آیا تو کورٹ سے مجھے سلطان صاحب کا ٹیلی فون ملا۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ وہ کو برین ٹیومر ہو چکا ہے۔ انہوں نے مجھے تنبیہ بھی کی کہ اس کا ذکر کسی سے نہ ملے۔ بیٹی! تم جانتی ہو سلطان ایل ایل بی ہیں۔ اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لئے ہاں نے کورٹ جانا شروع کیا ہے۔ باہر کے وہ پہلے ہی ممبر تھے اب وہ باقاعدہ پریکٹس کر رہے ہیں۔“

یہ خبر کہنے کے بعد رحمان خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر پریشانیاں، فکر مندیاں سی جاگتی تھیں اس لئے کہ اسے محسوس ہوا جیسے دوسری جانب طوبیٰ رو رہی ہو۔ پھر آہستہ آہستہ یہ آثار واضح واضح ہو گئے تھے اس لئے کہ رحمان کو طوبیٰ کی ہچکیاں اور سسکیاں صاف سنائی دینے لگی تھیں۔ رحمان بے چینی ہو گیا۔ بڑی شفقت میں اس نے پکارا۔ ”طوبیٰ میری لڑائی تم خاموش کیوں ہو؟ کچھ کہو میری بیٹی! میں تمہاری طرف سے کچھ سننے کے لئے بے لگن ہوں۔ میری بیٹی! رو نہیں۔“

رحمان کو تھوڑی دیر تک طوبیٰ کی ہچکیاں سسکیاں اور اس کے رونے کی آوازیں سنائی نظر آ رہی ہیں۔ اس دوران ریسیور تھامے رحمان خاموش بیٹھا رہا۔ پھر طوبیٰ نے اپنے آپ کو لائق سنبھالا۔ ساتھ ہی اس کی روتی اور نوحہ کرتی آواز سنائی دی۔ ”انکل! میں نے کس لگن کا اظہار کرنا ہے۔ پہلے صرف طارق کے بچھڑنے اور اس کی جدائی کا غم تھا۔ اس میں

یہ اماں کی پریشانی شامل ہو گئی ہے۔ لگتا ہے اب جینا مشکل ہو جائے گا۔ انکل! طارق کے کم جانے پر پہلے ہی میرے لبو کی حرارت بھاپ بننے لگی تھی۔ میرے بدن کی ہڈیاں جھنجھنے لگی تھیں۔ میرے سینے میں کھولتا ہوا غم مجھے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے کسی روز یہ غبار کی طرح پھٹ جائے گا۔ اماں کی بیماری نے میرے غموں اور دکھوں میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ انکل! یہ سارے غم مجھ پر ہی کیوں وارد ہونے لگے ہیں؟ جس طرح خزاں میں ہوائیں اشیاء کے پتوں کو گراتی ہیں اس طرح مجھ پر بھی دکھوں کی بارش ہونے لگی ہے اور یہ دکھ میرے بدن کو جلا کر خاکستر کر دیں گے۔“

نے گی۔ بس تم یہ دعا کرو کہ طارق کا سراغ کہیں نہ کہیں سے مل جائے۔ میرا دل کہتا ہے جہاں کہیں بھی ہے زندہ ہے۔“

کچھ دیر خاموشی رہی پھر رحمان نے کہنا شروع کیا۔ ”بیٹی! میں اب ریسپور رکھنے لگا ہوں۔ تم سیدھی سعدیہ کے پاس جاؤ۔ اس کی احوال پر سی کرنے کے بعد گھر لوٹ آنا۔“ اس کے ساتھ ہی رحمان نے ریسپور رکھ دیا تھا۔

☆

طوبیٰ مزید کچھ کہتی لیکن بچ میں رحمان نے بولتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”بیٹی! تم تو میری بڑی بہادر اور صابر بیٹی ہو۔ یہ جتنے دکھ ہیں انہیں میں نے اور تم نے مل کر برداشت کرنا ہے۔“

رحمان کو کہتے کہتے رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ دوسری سمت سے طوبیٰ کی آواز سنائی دی۔ ”انکل! یہ دکھ کپڑوں پر پڑے گرد و غبار کی طرح تو نہیں ہیں جنہیں جھاڑ کر پھینک دیا جائے یہ تو صدیوں کی مسافت بھری خراشیں ہیں۔ لگتا ہے میرے لئے قیامت کا سفر شروع ہو چکا ہے۔“

”نہیں بیٹی! ایسی باتیں نہیں کرتے۔ اس طرح اپنی اور دوسروں کی مزید دل بھنی ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سعدیہ کے بچنے کے کوئی آثار نہیں لیکن بیٹی! ایسے بردکھ اور غم کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔“

طوبیٰ کی پھر کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”انکل! میرا دل کہتا ہے اماں کو برین نیور طارق کی گمشدگی اور جدائی کی وجہ سے ہو گیا ہے۔ انکل! میں آفس سے نکل کر سیدھی ادھر چلی جاؤں گی۔ رات بھی ادھر ہی رہوں گی۔“

رحمان نے چونکنے کے انداز میں کہنا شروع کیا۔ ”نہیں بیٹی! تم ایسا مت کرنا۔ تم سیدھا ادھر جا سکتی ہو۔ سعدیہ کی احوال پر سی کرنا لیکن گھر ضرور واپس آنا۔ اس وقت تمہارا رات رہنا اچھا نہیں۔ چند روز تک تمہاری دادی اماں آ رہی ہیں ان کے آنے کے بعد اگر تم وہاں رات رہ لو گی تو پھر کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہو گا۔ میری بیٹی! بس چند دن اور برداشت کر لو۔ تمہاری دادی اماں کے آنے سے میرے خیال میں تمہارے دکھوں میں بھی کسی قدر کمی آ

لہ آئے تھے۔

بہ دیر خاموشی رہی۔ اس کے بعد طوبی پھر بول پڑی۔ ”اماں! اس میں کوئی شک نہیں ات نے مجھ سے محبت کی ساری خواہشیں، زندگی کے سبھی موسم چھین لئے ہیں۔ یہ نہ ہے کہ مجھ سے طارق کے کھو جانے کی وجہ سے وقت نے بھیانک انتقام لیا ہے اور اپنی جملہ دل فریبیاں، الفت کی ہر زیبائش اور خیالوں کی ہر تجسیم سے مجھے محروم کر دیا لیکن اماں! میں ایسی بھی گئی گزری نہیں۔ اپنی ذات کے ویرانوں میں کھڑی ہو کر میں اپنی ماسنوں کو سمیٹ کر بھی آپ کے لئے بے خونی اور ہمدردی کا اسم بن سکتی ہوں لے کہ میں آپ کی بیٹی بھی ہوں اور بیٹا بھی۔ اماں! اگر حالات اور وقت نے ہماری اہمہرے سناٹوں کی دکھ بھری شکنیں ڈال دی ہیں، ہمیں سوچوں کے بوجھ تلے ڈھانپ ہ تو کوئی بات نہیں۔ میرا دل کہتا ہے کہ غموں کے یہ عمیق زخم ایک روز ضرور مندمل لگے۔ طارق جہاں کہیں بھی ہے لوٹ کر ضرور میرے پاس آئے گا۔ میں ہر روز کئی بار اس کی سلامتی، اس کی واپسی کی دعائیں کرتی ہوں۔ مجھے امید ہے خداوند قدوس اس میں ڈوبی ہوئی میری دعاؤں کو قبولیت سے ہمکنار کرے گا۔“

بہ دیر خاموشی رہی۔ اس کے بعد طوبی نے پھر گفتگو کا آغاز کیا۔ ”آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ ڈاکٹروں کو دکھا رہی ہیں اور کب سے پتہ چلا کہ آپ کو برین ٹیومر ہے۔“

سعدیہ دکھ بھری آواز میں بول پڑی۔ ”بیٹی! لگ بھگ تین ہفتے ہو گئے ہیں۔ پہلے خلیل ایک ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا۔ اس نے تشخیص کے بعد بتایا کہ برین ٹیومر ہے۔ اس ڈاکٹر نے خلیل اور تحریم کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ پریشان ہو کر رہ گئے تھے۔ پھر مجھے سلطان ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ اس نے بھی وہی تشخیص کی۔ عمارت کے سارے لوگ ٹان ہو گئے۔ پھر ایک تیسرے ڈاکٹر کے پاس مجھے علی خان، مراد خان، اللہ بخش اور بھار نپاروں لے گئے تھے۔ اس ڈاکٹر کا بھی یہی جواب تھا۔ بیٹی! زندگی عارضی ہے۔ ایک نہ دوا دیکھیں اس سے کوچ تو کرنا ہے۔ اپنے کوچ پر دکھ اور افسوس کیسا.....؟“

بہاں تک کہتے کہتے سعدیہ رک گئی۔ اس لئے کہ اپنے کمرے سے نکل کر سلطان بھی ان بہاں آکر بیٹھ گیا تھا۔

ایک لمحہ صبر، ایک کار داخل ہوئی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کار سے رحمان نکلا۔ اور وہ

سورج غروب ہونے سے پہلے طوبی سعدیہ کے ہاں پہنچی۔ اس وقت کمرے میں سعدیہ، خلیل اور تحریم تینوں اکٹھے بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ طوبی کے آنے پر خلیل اور تحریم ایک دم کھڑے ہو گئے۔ تحریم نے اپنے چہرے پر لگتا تھا مصنوعی مسکراہٹ بکھر دی ہو۔ طوبی نے آگے بڑھتے ہوئے دونوں کی احوال پر سی کی پھر سعدیہ کے سامنے چپ چاپ بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ اسے عجیب سے انداز میں گھورتی رہی۔

اس کے اس طرح گھورنے سے سعدیہ بھی کچھ پریشان سی ہو گئی تھی۔ اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”بیٹی! کیا بات ہے؟ آج تم مجھے عجیب سے انداز میں دیکھ رہی ہو۔“

اس پر رونے کے انداز میں طوبی پھٹ پڑی۔ ”اماں! مجھے آپ سے قطعاً یہ امید نہ تھی کہ آپ مجھ سے اپنی بیماری چھپائیں گی۔ جب طارق یہاں تھا تو میں صرف آپ کی بیٹی تھی۔ اب جب کہ طارق آپ کے پاس نہیں ہے تو میں آپ کے لئے طارق بھی ہوں اور طوبی بھی، بیٹی بھی ہوں اور بیٹا بھی۔ اماں! آپ نے مجھ سے اپنی بیماری چھپانے کی کوشش کیوں کی.....؟“

طوبی مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ تھکی تھکی آواز میں سعدیہ بول پڑی۔ ”بیٹی! میں تجھے مزید دکھوں میں دھکیلنا نہیں چاہتی تھی۔ میں جانتی تھی کہ طارق کے گم ہو جانے سے پہلے ہی تم پریشان اور غم زدہ رہتی ہو۔ اپنی بیماری کا بتا کر میری بیٹی! میں تمہیں اور غم زدہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہ سلطان نے برا کیا کہ میری بیماری کا ذکر تمہارے انکل رحمان سے کر دیا۔ وہ دن کا اکثر حصہ یہیں رہے۔ میرے خیال میں انہوں نے ہی میری بیماری کا ذکر تم سے کیا ہو گا۔“

طوبی منہ سے کچھ نہ بولی تاہم اثبات میں اس نے اپنا سر ہلا دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں

بھی سب کو سلام کرتا ہوا طوبی کے پہلو میں بیٹھ گیا تھا۔

طوبی نے پھر سعد یہ کو مخاطب کیا۔ ”اماں! انکل سلطان کے آنے کی وجہ سے آپ خاموش ہو گئی تھیں۔ جو گفتگو آپ کر رہی تھیں اسے جاری رکھیں۔“

سعد یہ نے ایک لمبا سانس لیا۔ پھر کہہ اٹھی۔ ”بیٹی! میں تم سے کہہ رہی تھی کہ آؤ میں، علی خان، مراد خان، اللہ بخش اور بجار خان بھی مجھے ایک ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ اب بھی وہی جواب تھا اور آج خود رحمان صاحب مجھے اپنے ساتھ لے کر گئے تشخیص ہوئی ہے۔ بیٹی! فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوچ تو کرنا ہی ہے۔ کوئی پہلے کر جاتا ہے اور کوئی بعد میں کرتا ہے۔ بہر حال ہر کسی نے یہاں سے گزر جانا ہے۔ زندگی ایک سرائے ہے۔ یوں جانو اس سرائے کے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے ہیں دوسرے سے کوچ کرنے کے لئے باہر نکل جاتے ہیں۔“

سعد یہ دم لینے کے لئے رکی پھر کہتی چلی گئی۔ ”طوبی! میری بیٹی! جو روگ مجھے لگا ہے نہ جانے ہمارے ملک میں کتنے لوگ اس بیماری میں مبتلا ہوں گے۔ اگر میں اس بیماری میں مبتلا ہوئی ہوں تو یہ کوئی انوکھی بات تو نہیں ہوئی۔ بس زندگی میں جو سب سے بڑا دکھ ہے وہ یہ کہ میرا بیٹا مجھ سے کھو گیا ہے۔ قسم اللہ پاک کی! اگر وہ اس وقت یہاں ہوتا تو میں اپنی بیماری کو بالکل فراموش کر دیتی۔ میں یہی سمجھتی کہ مجھے کوئی روگ ہے ہی نہیں۔ اس کا کھوجانا، اس کا نہ ملنا ہی میری زندگی کا سب سے بڑا روگ، میرے جسم کی سب سے بڑی بیماری ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے سعد یہ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور آواز حلق میں ڈوب کر رہ گئی تھی۔ اس موقع پر رحمان نے دخل اندازی کی۔ شاید ایسا اس نے بات کا رخ اور موضوع بدلنے کے لئے کیا تھا۔ سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے رحمان نے کہا تھا۔ ”سلطان صاحب! آپ خوش قسمت ہیں جو ایک ہی عمارت کے اندر اس قدر اتفاق اور اتحاد کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس عمارت کے اندر ہر صوبے کا ایک فرد رہتا ہے لیکن یہاں اجنبیت، بیگانگی اور غیریت کا کہیں شائبہ تک نہیں ملتا۔ میں سمجھتا ہوں ہم لوگوں کی بد قسمتی ہے کہ ایسا ہی ہمارے ملک میں بھی ہونا چاہئے تھا۔“

رحمان کے خاموش ہونے پر سلطان بول پڑا۔ ”ڈاکٹر صاحب! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ ہماری قوم کی سب سے بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ ہم یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ ہم سب

مسلمان، اس کے بعد پاکستانی ہیں۔ یہی ہماری سب سے بڑی دو پہچانیں ہیں لیکن ان میں ہی اجتماعی پہچانوں کو بھول کر یوں جانیں ہم اپنی ضمنی آشنائی کی طرف چلے جاتے ہیں۔ میں سوائے تباہی اور گمراہی کے کچھ نہیں ہے۔ یاد رکھئے گا اگر ہم من حیث القوم اپنے کو چار حصوں میں تقسیم کر کے اپنا تعارف کرواتے ہیں تو یہ ہم کوئی معرکہ سر نہیں لے بلکہ اپنی جڑوں کے اوپر کلہاڑی مارتے ہیں۔ قیامت کے روز خداوند قدوس کسی پنجابی نہیں پوچھے گا کہ تم نے پنجاب والوں کے لئے کیا کیا؟ کسی پشتون سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تو نے پٹھانوں کے لئے کیا بہتری کا کارنامہ سر انجام دیا؟ کسی سندھی سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ سندھی قوم کے لئے کیا بہتری۔ بام دی؟ کسی بلوچ سے بھی یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ بلوچ صاحب! آپ نے اپنی بلوچی قوم کے لئے کون سی بہبود کا کام لیا؟ خداوند قدوس جب پوچھے گا تو یہ کہ اے انسان! تو نے اپنی ذات اور اپنے ارد گرد بسنے والے لوگوں کے لئے کیا بہتری کا کام سر انجام دیا؟ پوچھا تو یہ جائے گا کہ اے انسان! اس زمین میں ہم نے تجھے اپنا خلیفہ بنایا، تجھے اختیار اور ارادے کی آزادی دی۔ اس آزادی کو اپنے کہاں تک استعمال کیا؟ تو نے اپنے دین، اپنی اسلامی مملکت کی فلاح کے لئے کیا کام کیا؟ یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنی قومیت کے تعصب میں کہاں تک ترقی کی؟“

سلطان بولتا رہا۔ سب ہمہ تن گوش ہو کر سنتے رہے۔ اس کے خاموش ہو جانے پر رحمان نے تھوڑی دیر تک بڑے توصیفی انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ پھر اسے مخاطب کیا۔ ”سلطان صاحب! ایسی گفتگو کر کے آپ نے میرا دل خوش کر دیا۔ اگر ہر پاکستانی بلکہ ہر مسلمان کی سوچ ایسی ہو جائے تو روئے زمین پر مسلمان غیروں کے سامنے ایک قوم ہو کر آئیں۔ جس دن ایسا ہو گیا یاد رکھئے! دنیا کی کوئی بھی طاقت خواہ وہ سپر طاقت نہ ہو مسلمانوں سے آنکھ ملانے کی جرات نہیں کر سکے گی۔“

اس دوران تحریم اٹھ کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے طوبی بھی باورچی خانے کی طرف چلی گئی تھی۔ رحمان، سلطان اور خلیل وہیں سعد یہ کے پاس بیٹھ کر گفتگو کرتے رہے دل بہلاتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد تحریم لوٹی اور سب کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”اب گفتگو بند ہونی چاہئے۔ کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ میں کھانا لگانے لگی ہوں۔“

اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر نمیل گھسیٹ کر اس نے پلنگ کے قریب رکھ

دیا۔ پھر طوبیٰ اور تحریم دونوں نے مل کر کھانا لگایا۔ سب خاموشی سے بیٹھ کر کھانا کھائے۔ اس کے بعد رحمان اور طوبیٰ وہاں سے چلے گئے تھے۔

☆

دو روز بعد رحمان اور طوبیٰ اکٹھے گھر داخل ہوئے۔ اس وقت ٹی وی روم میں نجم الحسن، ثانیہ اور شمرہ چاروں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ جب اس کمرے میں رحمان اور طوبیٰ داخل ہوئے تو نجم السحر نے فوراً طوبیٰ کو مخاطب کیا۔ ”طوبیٰ میری بیٹی! تم ذرا پہل ہے جو آپ کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ پاپا! میں اور ثانیہ دونوں بہنیں آپ کے کمرے میں جاؤ۔ میں تمہارے انکل سے انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔“

طوبیٰ وہاں سے ہٹ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ رحمان صوفے پر اپنی بیٹی کا بازو رکھ کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر نجم السحر نے اپنے بیٹے احسن کو مخاطب کیا۔ ”احسن بیٹے! ذرا ٹی وی بند کرو۔ میں تمہارے ابا سے ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔“

رحمان نے گھورنے کے انداز میں باری باری نجم السحر اور اپنے بیٹے احسن کی طرف دیکھا۔ پھر کھل کر کہنا شروع کیا۔ ”نجم السحر! آج تم نے دل کی بات مجھ سے کہہ دی ہے۔“

نجم السحر نے اپنے دل کی بات کہنے کا موقع دو۔ اچھا ہوا تم نے خود ہی اس موضوع پر گفتگو کا آغاز کر دیا۔ نجم السحر تم جانتی ہو طوبیٰ طارق سے محبت کرتی ہے اور اسے چاہتی ہے اور اس سے شادی کرنے کی خواہش مند ہے۔ طارق پچھلے کئی ہفتوں سے غائب ہے۔ اس کا کوئی اتنا ہے۔ دوسری بات جو میں آپ سے کرنا چاہتی ہوں وہ یہ کہ کل امی کے آتے ہی میں طوبیٰ کے متعلق ان سے بات کروں گی۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس سلسلے میں کوئی دخل اندازی نہ کیجئے گا۔ میں دیکھتی ہوں کہ طوبیٰ اپنی حدود پھیلا کر رہی ہے۔ امی سے بات کر کے میں کل احسن سے اس کے نکاح کا اہتمام کرنا چاہتی ہوں۔“

نجم السحر یہاں تک ہی کہنے پائی تھی کہ رحمان بول پڑا۔ ”نجم السحر! میں سمجھتا ہوں کہ تم ساری حدود پھیلا کر رہی ہو۔ جو کام تم کرنا چاہتی ہو اگر یہ کام طوبیٰ کی مرضی کے مطابق ہو تو میں کوئی دخل اندازی نہیں کروں گا۔ تم اور تمہاری ماں جو چاہو کرو میری طرف سے اجازت ہے۔ ہاں! یہ بات یاد رکھنا اگر اس سلسلے میں طوبیٰ کے ساتھ کوئی زبردستی یا سختی کی گئی تو پھر یہ میرے لئے ناقابل برداشت ہوگی۔ اگر ایسا کرنے کی کوشش کی گئی تو یاد رکھو میں یہ بھول جاؤں گا کہ تم میری بیوی ہو اور احسن میرا بیٹا ہے۔ وہ بن ماں باپ کی بجلی ہے۔“

رحمان کی اس گفتگو سے نجم السحر اور احسن دونوں نے عجیب سے انداز سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں کے چہرے ہلکی اور سرسوں کی طرح ہو کر رہ گئے تھے۔ رحمان نے پھر گفتگو کا آغاز کیا۔ ”نجم السحر! میں اور طوبیٰ صبح آنٹی کو لینے جائیں گے۔ تم لوگ ہسپتال میں رہنا۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا میں ساری تفصیل تمہاری امی سے بھی کہہ لاؤں گا۔ میں انہیں ہر گز یہ نہیں کہوں گا کہ طوبیٰ کی شادی ہر حال میں طارق سے ہونی چاہئے۔ طوبیٰ کی محبت، اس کی چاہت کی داستان ضرور ان سے کہوں گا۔ آگے جو فیصلہ

طاہرہ خاتون کریں گی بشرط ان میں طوبیٰ کی مرضی بھی شامل ہو وہ ہمارے لئے آخری ہوگا۔ اب یہ موضوع بند کرو۔ بہر حال تم ماں بیٹا یاد رکھنا۔ طارق کو لاپتہ کرنے میں تم دونوں مل بیٹے کا نام نہیں آنا چاہئے یہ ایک ایسا جرم ہے جسے میں تم دونوں ماں بیٹے کو کبھی بلکہ زندگی بھر معاف نہیں کروں گا۔“

رحمان نے اپنی بیٹی شمرہ کو مخاطب کیا۔ ”شمرہ بیٹے! ذرا ٹی وی آن کرو۔ خواہ مخواہ ٹی وی آن کر دیا ہے۔ اچھا پروگرام آرہا تھا۔ میرا پسندیدہ پروگرام ہے۔“ اس پر شمرہ اٹھی اور ٹی وی اس نے آن کر دیا تھا۔ ٹی وی کا آن ہونا تھا کہ کمرے میں ایک انقلاب رونما ہوا۔ اس لئے کہ ٹی وی پر طارق بیساکھیوں کے سہارے کھڑا غزل گارہا تھا۔ طارق کو دیکھتے ہی رحمان زور زور سے چلانے لگا۔ ”طوبی! طوبی! میری بیٹی ابھاگ کر آؤ دیکھو ٹی وی پر کون آرہا ہے۔“

دوسرے ہی لمحے طوبی بھاگتی ہوئی جب ٹی وی روم میں داخل ہوئی اور ٹی وی پر اس نے بیساکھیوں کے سہارے طارق کو غزل گاتے ہوئے دیکھا تو وہ دنگ رہ گئی۔ طارق گارہا تھا۔

آنکھیں پاگل ہیں من کے روگ لگاتی ہیں
خود روتی ہیں اور تن کو ساتھ جلاتی ہیں
لوگ سوتے ہیں نیند شہر بے خودی کی طرح
یہ کیسی مورکھ ہیں شب بھر ہمیں جگاتی ہیں
آنکھیں پاگل ہیں من کے روگ لگاتی ہیں
خود روتی ہیں اور تن کو ساتھ جلاتی ہیں

بس یہ دو اشعار کہنے کے بعد ٹی وی پر طارق نے گانا بند کر دیا تھا۔ رحمان اور طوبی دونوں پریشان ہو رہے تھے اس لئے کہ وہ بیچارہ دو بیساکھیوں کے سہارے چل رہا تھا۔ جب وہ گانے تو بڑی ہمدردی، شفقت اور پیار سے کمپیئر نے اسے سہارا دیا۔ ایک پیکٹ اس کے حوالے کیا پھر بیساکھیوں کے بل چلتا ہوا طارق وہاں سے چلا گیا تھا۔

نجم السحر اور احسن ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے چلے گئے تھے۔ نجم السحر نے سیدھا اپنے کمرے کا رخ کیا۔ احسن اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ کمرے میں جا کر بڑی رازداری سے احسن کو نجم السحر نے مخاطب کیا۔ ”بیٹے! یہ کیا ہوا

ہے؟ تم تو کہتے تھے طارق کو ٹھکانے لگا دیا گیا ہے۔ وہ تو زندہ ہے۔ بیساکھیوں کے سہارے چل رہا ہے۔ ٹی وی پر بھی آگیا ہے جو اسے ٹی وی پر لائے ہیں یاد رکھنا وہ تم لوگوں کا پیچھا بھی رکھتے ہیں۔ کیا طارق سب کو یہ بات نہ بتائے گا کہ اس کی ٹانگیں توڑنے والا کون ہے۔“

احسن نے نجم السحر کو تسلی دیتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”ماما! آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں؟ ٹانگیں توڑنے والوں میں نہ میں شامل تھا نہ آپ۔ جنہوں نے توڑی ہیں وہ جانیں اور طارق جانے۔ نہ ہمارا طارق سے کوئی تعلق ہے نہ ٹانگیں توڑنے والوں سے کوئی واسطہ۔ طارق کو کیا پتہ کن لوگوں نے اس کی ٹانگیں توڑی ہیں اور یہ کہ ان کا ہم سے بھی کوئی تعلق ہے۔“

اس پر نجم السحر کسی قدر مطمئن ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی احسن بھی اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

نجم السحر اور احسن کے ٹی وی روم سے اٹھ جانے کے بعد طوبی، رحمان کے قریب آن پہنچی اور بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔ ”انکل! یہ کوئی پرانا پروگرام نہیں ہے۔ یہ نیا پروگرام ہے۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ طارق بیساکھیوں کے بل کیوں چل رہا ہے؟ لگتا ہے اس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے یا یوں جانے ایکسیڈنٹ کر کے اس کی ٹانگ توڑی گئی ہے۔ انکل! میرے لئے انتہائی خوشی کی بات یہ ہے کہ طارق زندہ ہے۔ اب میں اسے کسی نہ کسی طرح تلاش کر لوں گی۔ انکل! ہمیں سب سے پہلے ماں کو طارق کی اطلاع کرنی چاہئے۔ وہ بے حد فوش ہوگی۔ میرے خیال میں ٹی وی اسٹیشن فون کر کے پتہ کرتے ہیں کہ طارق کہاں سے آیا ہے۔ کہاں سے آکر اس نے پروگرام ریکارڈ کروایا ہے؟“

رحمان نے اس سے اتفاق کیا۔ پھر اس نے موبائل نکالا۔ نمبر گھمائے۔ دوسری طرف سے میا کی آواز سنائی دی۔ اس موقع پر رحمان سے طوبی نے فوراً موبائل لے لیا اور بولی۔ ”میا! میں طوبی بول رہی ہوں۔ طوبی کو رک جانا پڑا اس لئے کہ میا بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ”طوبی! میری بیٹی! تمہیں مبارک ہو۔ طارق ٹھیک ہے زندہ ہے۔ خوش ہے۔ ابھی ابھی ہم سب نے اسے ٹی وی پر ایک غزل گاتے ہوئے سنا ہے۔“

طوبی بھی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔ ”میا! میں نے اسی لئے آپ کو فون کیا ہے کہ آپ کو بتاؤں کہ طارق ٹی وی پر آیا ہے۔ کیا وہ گھر نہیں آیا؟“

میا کی آواز سنائی دی۔ ”نہیں بنی! وہ گھر نہیں آیا۔ بہر حال ہمارے لئے یہی خوشی مقام ہے کہ وہ یہیں کہیں اسی شہر میں ہے۔ میرے خیال میں اس کا ایکسڈنٹ ہوا ہے۔ اس نے کسی کو بتایا نہیں۔ بہر حال مجھے امید ہے کہ اب وہ گھر ضرور آئے گا۔ بنی! ہم سب لوگ بیٹھ کرٹی وی دیکھ رہے تھے۔ سعدیہ، خلیل اور تحریم کے علاوہ سب لوگوں نے بھی طارقؑ دیکھ لیا ہے اور سب بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اللہ بخش، بجار خان، علی خان اور مراد خان باہر منھائی لینے چلے گئے ہیں تاکہ عمارت کے سارے لوگوں میں منھائی تقسیم کریں۔“

رات گیارہ بجے کے قریب سلطان، سعدیہ، خلیل اور تحریم کے پاس سے اٹھ کر جب آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا تب وہ اچانک چونک پڑا۔ اس لئے کہ عمارت میں بیساکھیوں کے سہارے آہستہ آہستہ چلتا ہوا طارق داخل ہوا تھا۔

اسے دیکھتے ہوئے سلطان پریشان سا ہو گیا تھا۔ عمارت کے چاروں طرف اس نے دیکھا۔ باہر کوئی نہ تھا۔ سب اپنے کمروں میں دیکھے ہوئے تھے۔ سلطان بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔ صحن میں پھیلی روشنی میں اس نے اپنی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھتے ہوئے طارق کو چپ رہنے کے لئے کہا۔ پھر سہارا دیتا ہوا اسے اپنے کمرے میں لے گیا۔ دروازہ اس نے بند کر دیا۔ ایک کرسی پر طارق کو بٹھایا۔ خود وہ دوسری کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر اسے مخاطب کیا۔ ”بیٹے! ہم تیرے اس طرح کھو جانے پر پاگل سے ہو گئے تھے۔ میرے بچے! میں تمہیں رازداری کے ساتھ پہلے اپنے کمرے میں اس لئے لایا ہوں کہ تو مجھے حقیقت حال سے آگاہ کرے۔ میں جانتا ہوں اپنی ماں کے سامنے تو حقیقت نہیں اگلے گا۔ بیٹے! میں تیرے باپ کی جگہ ہوں۔ مجھ سے جھوٹ مت کہنا۔ تجھ پر کیا ہوتی؟ مجھے یہ کہہ کر ٹالنے کی کوشش مت کرنا کہ یہ ایک معمولی حادثہ تھا جو تم پر بیت گیا۔ اس کے بعد تم گھر لوٹ آئے۔ میں تمہاری اس کہانی پر کسی بھی صورت اعتبار نہیں کروں گا۔ مجھے حقیقت حال سے آگاہ کرو۔ سنو بیٹے! میں تم سے التماس کرتا ہوں کہ مجھے ٹالنے کی کوشش مت کرنا۔ مجھے اصل حالات کہہ دو۔ اس کے بعد تم اپنی ماں کا دل رکھنے کے لئے جو کچھ بھی کہو گے اس میں، میں تمہارا ساتھ دوں گا۔“

جب تک سلطان بولتا رہا۔ چپ چاپ طارق اس کی طرف دیکھتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوا تو اس کی گردن تھوڑی دیر کے لئے جھک گئی۔ پھر لمحہ بھر کے لئے اس نے بڑی بے بسی اور اطمینان کی طرف دیکھا اس کے بعد پورے حالات اس نے تفصیل سے سلطان

جب تک میا بولتی رہی طوبی بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مسکراتی رہی۔ میا چپ ہوئی تو طوبی بول پڑی۔ ”میا! اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ سب کو میری طرف سے مبارکباد دیجئے گا۔ اللہ بخش، بجار خان، علی خان اور مراد خان بھائی سے کہئے گا میرے اور انکل کے حصے کی منھائی ضرور رکھئے گا۔ کل میری دادی اماں آرہی ہیں۔ میں کل صبح تو نہیں پیچھے پیر چکر لگانے کی کوشش کروں گی۔ ابھی ہم طارق کو ٹریس کرنے کی بھی کوشش کریں گے۔ اچھا میا! میں کل حاضر ہوں گی۔“ اس کے ساتھ ہی موبائل بند کر کے طوبی نے رحمان کو تھما دیا۔

رحمان نے پھر موبائل پر نمبر ملائے ہوئے طوبی کو مخاطب کیا۔ ”میں ذرا ٹی وی انشیشن سے رابطہ کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے انہیں پتہ ہو کہ طارق کہاں سے آیا ہے اور کس جگہ سے اس نے یہ پروگرام ریکارڈ کروایا ہے۔“

رحمان نے نمبر ملائے۔ دوسری طرف سے جب کسی کی آواز آئی تو اس نے طارق کا پوچھا۔ پھر اس کے چہرے پر اسی سی چھا گئی۔ موبائل اس نے بند کر دیا۔ پھر اس نے طوبی کو مخاطب کیا۔ طوبی بیٹی! طارق سے متعلق وہ کچھ نہیں جانتے۔ بہر حال فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آج نہیں تو کل طارق کو ہم تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اب اٹھو۔ اپنے کمرے میں جا کے آرام کرو۔“ اس کے ساتھ ہی طوبی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ رحمان بھی اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ غائبیہ اور ثمرہ وہیں بیٹھی رہی تھیں۔

غصے اور غضب ناکی میں سلطان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ پھر وہ بولا۔ ”فکر کی کوئی بات ہیں۔ یہ طلاق نہیں ہوئی۔ طوبی بدستور تمہارے نکاح میں ہے۔ تمہاری بیوی ہے۔ اس نم کی زبردستی کی طلاقیں نہیں ہوتیں۔ بہر حال یہ طوبی کی آنٹی نے بڑا برا اور گھٹاؤنا کھیل پلے کی کوشش کی ہے۔ کیا اس سلسلے میں رحمان صاحب سے بات نہیں کرنی چاہئے؟“

طارق چونک سا پڑا اور کہنے لگا۔ ”نہیں انکل! انی الحال آپ خاموش رہیں۔ میں کسی مناسب موقع پر آپ کو خود بتاؤں گا کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ جب تک میں نہ کہوں آپ وہی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ انکل! آپ میرے ساتھ وعدہ کیجئے جو کچھ میں چاہ رہا ہوں آپ ایسا ہی کریں گے۔“

سلطان کچھ دیر گردن جھکا کر سوچتا رہا۔ اس کے بعد اس نے طارق کی طرف دیکھا اور لمبی قدر غمزہ سے لہجے میں کہنے لگا۔ ”بیٹے! تم اپنے اس حادثے کو اپنی ماں سے چھپانا چاہتے ہو تاکہ اس حادثے کی وجہ سے وہ پریشان اور فکر مند نہ ہو۔ لیکن بیٹے! تیری گمشدگی نے اس پر جو اثر کرنا تھا وہ تو کر دیا ہے۔“

سلطان کی اس گفتگو سے طارق چونکا اور اپنے دونوں ہاتھ اس نے سلطان کے گھٹنوں پر رکھے ہوئے اسے ہلکے سے انداز میں ہلاتے ہوئے پوچھ لیا۔ ”انکل! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا ہامیری امی کو؟“

سلطان کچھ دیر تک طارق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔ ”یوں جانو بیٹے! وہ کچھ ہو چکا ہے جو نہیں ہونا چاہئے تھا۔ میں تم سے یہ بات چھپانا بھی نہیں چاہتا اس لئے کہ آج نہیں تو کل تمہیں اس کی خبر ہو جائے گی۔ تمہاری ماں کو برین میو مر ہو چکا ہے۔“

سلطان کے اس انکشاف پر طارق بیچارہ بے حس سا ہو کر رہ گیا تھا۔ منہ اس کا یوں کھلے کا کھلا رہ گیا تھا جیسے کسی نے اسے دنیا بھر کی مصیبتوں اور ابتلاؤں میں ڈال کر رکھ دیا ہو۔ کچھ دیر تک وہ بول ہی نہیں سکا۔ بس سکتے کے عالم میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے سلطان پریشان ہو گیا۔ ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے اس کا شانہ ہلایا اور پوچھ لیا۔ ”بیٹے! یہ معاملہ بڑا سنجیدہ، دکھ اور پریشانی کا ہے۔ لیکن بیٹے! اسے برداشت کرنا ہے۔ یاد رکھنا! اگر تم نے حوصلہ ہار دیا تو ذرا اپنے سامنے دیکھو۔ خلیل اور تحریم کی کیا حالت ہو گی؟ میں خوش

سے کہہ دیئے تھے۔

”بیٹے! اگر طوبی کی آنٹی نے تمہارے ساتھ یہ کھیل کھیا ہے تو اس نے بہت برا کیا۔ میں اس کے خلاف پرچہ کٹاؤں گا۔ اسے جین سے نہیں بیٹھنے دوں گا۔ اس نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ بن باپ کے ایک بچے کو وہ جتنا چاہیں تنگ کریں۔ کوئی اس کی پشت پناہی کرنے والا نہیں؟ ہرگز نہیں۔ اس کا یہ سلوک کسی بھی صورت قابل برداشت نہیں ہے۔ اب ہم کھل کر اس عورت کے خلاف آئیں گے اور اسے بتائیں گے کہ بے بس لوگ جب شرافت کا لبادہ اتار کر سامنے آتے ہیں تو وہ بڑے خونخوار ہو کر معاشرے میں اپنے کھیل کی ابتدا کرتے ہیں۔“

طارق نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے سلطان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے۔ عقیدت کے انداز میں سلطان کے دونوں ہاتھوں کو چوما۔ پھر کہنے لگا۔ ”انکل! آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں؟ وہ بڑے لوگ ہیں ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔“

سلطان نے فوراً اس کی بات کاٹتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”اگر وہ بڑے لوگ ہیں تو ان کی ایسی کی تیشی۔ کیا ہم ان کے سامنے دب کر کھڑے ہو جائیں؟ نہیں۔ میں اس عورت کے خلاف ہر صورت میں چارہ جوئی کروں گا۔ میں دیکھتا ہوں یہ کہاں تک ہمارے ساتھ بھاگتی ہے؟ میں تمہیں بتاؤں کہ میں نے باقاعدہ کورٹ جاکر پریکٹس شروع کر دی ہے۔“

طارق نے پھر سلطان کی منت کی۔ ”انکل! آپ اس حادثے کو فراموش کر دیں۔ اگر آپ اس عورت کے خلاف کیس کریں گے تو معاملہ کھل کے اماں کے سامنے آ جائے گا وہ بیچاری فکر مند ہو گی کہ اس شہر میں میرے دشمن ہیں جو میرے خاتے کے درپے ہیں۔ اس طرح میں سمجھتا ہوں کہ میری ماں کا سکون درہم برہم ہو جائے گا اور میں ایسا نہیں چاہتا۔

سلطان کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر اس نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”یہ جو تم سے طوبی کے لئے طلاق حاصل کی گئی وہ اسامپ پر پہلے سے لکھی گئی تھی یا تمہاری موجودگی میں لکھی گئی اور اس پر جو دستخط تھے وہ تمہارے تھے یا جعلی؟“

”انکل! اسامپ پر طلاق نامہ پہلے ہی لکھا ہوا تھا۔ میرے دستخط انہوں نے زبردستی لئے۔ میں نے کئی بار انکار کیا لیکن انہوں نے سختی کی۔ مجھے بہت مارا پیٹا۔ اچار میں نے دستخط

ہن طارق سے ملے۔ بعد میں میا، جہاں آراء، گل سانگا، ثروت کی ماں سمیعہ کچھ دیر تک برقی کا حال پوچھتی رہیں، ہمدردی اور دکھ کا اظہار کرتی رہیں۔ پھر ثروت اور زرگونہ آگے آئیں۔ دونوں نے طارق کے دائیں بائیں شانوں پر پیار سے ہاتھ رکھے۔ اس کے شانے بہتے ہوئے ثروت کہنے لگی۔ ”بھائی! آپ نے یہ بہت بری حرکت کی۔ اگر آپ کا بیڈنٹ ہوا تھا تو کم از کم ہمیں اطلاع تو کرتے۔ اس عمارت میں آپ کے اتنے بھائی، اتنی بیوی ہیں۔ ہم تو یہ عرصہ اتنے پریشان رہے کہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔“

طارق سب کا شکریہ ادا کرتا رہا۔ پھر تحریم نزدیک آئی اور طارق کے بالوں میں انگلیاں بھرے ہوئے کہنے لگی۔ ”بھائی! میں آپ کے لئے کھانا تیار کرتی ہوں۔“

طارق نے بڑے شفقت آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔ ”نہیں تحریم بری بہن! رہنے دو۔ میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔ ابھی اس دنیا میں اللہ کے ایسے بندے زندہ ہیں جو ضرورت مندوں کے کام بغیر کسی لالچ کے آتے ہیں۔ اپنے خلوص، اپنے ایثار کا اظہار اس طرح کرتے ہیں جیسے دنیا کے سارے انسانوں کے ساتھ ان کا قریب کا رشتہ ہو۔“

ان سب کے کہنے پر طارق نے اپنے ایک بیڈنٹ اور پھر احمد عزیز کے اخراجات پر ہسپتال میں داخل ہونے کے حالات سنا ڈالے تھے۔ جو لوگ اسے اغواء کر کے شہر سے باہر لے گئے تھے اور زبردستی اس سے طوبیٰ کے لئے طلاق حاصل کی تھی وہ واقعات اس نے سب سے بیان نہ کئے تھے۔

طارق جب خاموش ہوا تو سب لوگ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے احمد عزیز کا شریہ ادا کرنے لگے تھے۔ اس موقع پر بجا خان نے اپنے خیالات کا اظہار کرنے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”یہ سکرین والے لوگ سب ایک جیسے نہیں ہوتے۔ کچھ تو بظاہر لوگوں کو بڑی نصیحتیں کرتے ہیں۔ وطن پرستی کا بوجھ چا کرتے ہیں لیکن باطن میں ایسے نہیں ہوتے۔ بنیٰ آج میرے بھائی! جو انکشاف تم نے احمد عزیز سے متعلق کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس شخص کا ظاہر، باطن ایک جیسا ہے اور جہاں یہ اکثر اپنی گفتگو میں وطن اور اہل وطن سے نسبت کا اظہار کرتا ہے تمہارے معاملے میں اس شخص نے اس کا عملی ثبوت بھی دے دیا۔ نہ اگر خداوند قدوس نے کبھی موقع دیا تو ہم سب وفد کی صورت میں احمد عزیز کے ہاں

ہوں کہ وہ دونوں میاں بیوی بڑی جانفشانی کے ساتھ سعدیہ کی خدمت کر رہے ہیں۔“ طارق نے سلطان کی ان ساری باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ اپنی جگہ پر وہ کھڑا ہو گیا۔ پھر دھیسے سے لہجے میں کہنے لگا۔ ”انکل! اپنی ماں کو میں جن پریشانیوں، جن غموں سے بچانا چاہتا تھا تقدیر نے میری ماں کو انہی غموں اور دکھوں میں ڈال کر رکھ دیا ہے۔ میری ماں ایک ایسی بیماری کا شکار ہو گئی ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔ لگتا ہے میرے اور اس کے بچھڑنے کا وقت آ گیا ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں ادھ موا ہو کر رہ جاؤں گا۔ ماں کے کوچ کے ساتھ میری زندگی کا بھی خاتمہ ہو کر رہ جائے گا۔“

سلطان اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ طارق کا شانہ تھپتھپایا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگا۔ ”اُم میں تمہیں سعدیہ کے پاس لے کر چلتا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی طارق نے دونوں بیساکھیاں اپنی بغلوں کے نیچے جمائیں پھر وہ سلطان کے ساتھ ہو لیا تھا۔

جونہی سلطان اور طارق دونوں سعدیہ کے کمرے کے نزدیک گئے۔ بجا خان اور علی خان نے دیکھ لیا پھر وہ فوراً باہر نکلے اور طارق کی آمد کا شور کرنے لگے۔ بس پھر کیا تھا۔ عمارت کے سارے لوگ نیچے اوپر سے اپنے کمروں سے نکل کر طارق کی رہائش گاہ کی طرف دوڑنے لگے تھے۔

طارق اپنے کمرے کے سامنے جونہی آیا سامنے سے خلیل اور تحریم تقریباً بھاگتے ہوئے نکلے۔ خلیل بڑے پر جوش انداز میں طارق سے بغل گیر ہوا۔ جب وہ پیچھے ہٹا تو تحریم آگے بڑھی اور طارق کے کندھے پر سر رکھ کر سسکیاں لے کر رونے لگی تھی۔ طارق نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اسے اپنے ساتھ لئے کمرے میں آیا۔ پھر اس کی حوصلہ مندی کے لئے کہنے لگا۔ ”تم روتی کیوں ہو میری بہن؟ بس ایک بیڈنٹ تھا۔ میں نے تم لوگوں کو اس لئے نہیں بتایا کہ آپ لوگ پریشان ہوں گے۔ اب دیکھو میں ٹھیک ہو کر آ گیا ہوں۔“

پھر طارق آگے بڑھ کر میساکھیوں کے سہارے اپنی ماں سے ملا۔ سعدیہ کچھ دیر چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ لگتا تھا اس پر سکتہ طاری ہو گیا ہو یا کسی ان دیکھی قوت نے اس کے سارے الفاظ چھین لئے ہوں۔ طارق اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اتنی دیر تک عمارت کے سارے مکین وہاں آن جمع ہوئے تھے۔ باری باری علی خان، مراد خان، اللہ بخش اور بجا

مجھ پر کئے ہیں وہ اس کا اشتہار نہیں چاہتے۔ بس وہ اپنے اس احسان کو میرے اور اپنے
بہنوادر کھنا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر میں نے نیکی کا کوئی کام کیا ہے تو اس کے صلے
بہنوادر صرف اپنے اللہ سے رکھتا ہوں۔“

کچھ دیر تک سب طارق کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ پھر سب کو مخاطب کر کے
جان بول پڑا۔ ”میرے عزیزو! اب سب جاؤ۔ جا کر آرام کرو۔ رات کافی جا چکی ہے۔
میں کو بھی آرام کرنے دو۔“

اس پر سب لوگ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے صرف طارق، خلیل اور تحریم، سعد یہ کے
بارہ گئے تھے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد کچھ عجیب سے انداز میں تھوڑی دیر تک
طارق کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس کی آنکھیں لبالب بھرے کٹوروں کی طرح
ٹپ ٹپ گئیں اور طارق کو اس نے مخاطب کیا۔ ”بیٹے! اگر تم چند دن اور نہ آتے تو یوں جانو
نہ گزر گئی تھی۔“

سعد یہ کے ان الفاظ سے طارق ایسا متاثر ہوا کہ بیساکھیوں کے سہارے آگے بڑھا۔
پھر بیٹھا اور سعد یہ کی گود میں اس نے بڑے پیار سے سر رکھ دیا تھا۔ سعد یہ کچھ دیر تک
ناک کے سر پر ہاتھ پھیرتی رہی۔ اس دوران آنسوؤں کے کئی قطرے اس کی آنکھوں سے
ٹپ ٹپ طارق کے سر پر ٹپک گئے۔ پھر طارق بے چین ہو کر سیدھا بیٹھا اور اپنی ماں کو
الٹ کیا۔ ”اماں! اب تو میں آپ کے پاس آ گیا ہوں۔ اب کیوں روتی ہیں؟ رونا تو مجھے
بہنوادر تھا کہ میری وجہ سے آپ کو ایک ایسا روگ لگ گیا جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ اماں!
اب آپ سے گزارش ہے مجھے اکیلا چھوڑ کر نہ چلے جانا۔“

”بیٹے! مجھے تم سے ایک گلہ اور شکوہ ہے۔ تم کہتے ہو کہ یہ معمولی یعنی عام سائیکسڈنٹ
میرے سائیکسڈنٹ تھا تو میرے بچے! اس کے لئے تم نے طوبیٰ کو کیوں طلاق نامہ بھجوایا؟
اسے طلاق نامہ پڑھا ہے۔ اس پر دستخط تمہارے ہیں۔“

سعد یہ تھوڑی دیر رکی۔ عجیب سے دکھ بھرے انداز میں طارق کی طرف دیکھا پھر کہنے
”مجھ سے جھوٹ مت کہنا۔ یاد رکھنا تم جانتے ہو کہ جب کبھی بھی تم نے نالانے کی
ٹوکائی میں پہچان گئی کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ مجھے یہ کہتے ہوئے بھی فخر ہے کہ تم میرے
ٹھ جھوٹ نہیں بولتے ہمیشہ سچ بات ہی کہتے ہو۔ جب کبھی بھی تم نے میری خاطر سچ کو

جانیں گے اور جو احسانات اس نے تمہارے اوپر کئے ہیں ان کے لئے اس کا شکریہ ضرور ادا
کریں گے۔ ایسے لوگ انسانیت کے رہنما، ملت کے نقیب، خلوص و ایثار کا رستہ کار ہیں کر
نمودار ہوتے ہیں۔ اگر ہمارے ملک کے سارے ہی لوگ ایسے پر خلوص لوگوں کی پیروی
کرنا شروع کر دیں تو میں سمجھتا ہوں ہم بہت جلد دنیا کی ترقی یافتہ اقوام میں شامل ہو سکتے
ہیں۔“

بجارجان نے جب گفتگو کا سلسلہ ختم کیا تب وہاں جمع ہونے والے سب لوگوں کو
مخاطب کر کے طارق کہنے لگا۔ ”احمد عزیز نے جو مجھ پر احسانات کئے ہیں اس سلسلے میں کسی کو
ان کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے مجھے خفی سے منع کر دیا تھا
کہ میں کسی سے ذکر نہ کروں کہ ہسپتال میں انہوں نے میرے اخراجات برداشت کئے
ہیں۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ اگر میں ایسا کرتا ہوں تو اس طرح سے ان کی ساری نیکیاں ضائع
ہو جانے کا خدشہ ہے۔ اور آپ لوگوں سے یہ بھی کہوں گا کہ ہم عام لوگوں کی طرح احمد
عزیز نے بھی فراموشی کے لمحوں، عذاب بے نوائی اور آرزوؤں کے مقتل پر کھڑے ہو کر
تپتے ہونٹوں کی تشنگی برداشت کرتے ہوئے زندگی کا سفر شروع کیا تھا۔ جو حالات انہوں
نے میرے سامنے بیان کئے ان کے مطابق وہ بیچارے بھی امیدوں کے رستے لہو میں سے ہو
کر ذات کی الجھنوں میں درد فرقت کے پیوند لگاتے رہے۔ بچپن سے جوانی کی طرف آتے
ہوئے بلکتے بچوں کی طرح جیون کے روگ اپنے کندھے پر اٹھائے پرانی اذیت بھری
کٹھاؤں، دردزدہ قدیم قصے کہانیوں میں سے ہوتے ہوئے نیا فتن معانی کے متلاشیوں کی
طرح زندگی کے سکھ چین کو تلاش کرتے رہے۔ ہسپتال میں میری ان سے کئی ملاقاتیں
رہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اکثر ایسے مواقع بھی آئے کہ ندامتوں کی بلندی پر زندگی کے سفر
کے سارے راستے اپنے سامنے بند دکھائی دیتے تھے۔ لیکن ہمت نہیں ہاری۔ مقدر میں لکھا
اضطرار مسلسل برداشت کیا اور پھر اللہ نے اس صبر، اس تحمل کا یہ صلہ دیا کہ آج وہ خواب
زاروں کے فیروزی پر تو اور دودھیا چاندنی کے دروہام جیسے مقام پر کھڑے ہیں جہاں اس
ملک کا ہر بچہ ہی نہیں غیر ملکی لوگ بھی ان کی اعلیٰ شخصیت سے شناسا ہیں۔ میں آپ لوگوں
سے گزارش کروں گا کہ اس سلسلے میں نہ کوئی انہیں فون کرے، نہ ان کے پاس جانے کی
ضرورت ہے ورنہ وہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو احسانات انہوں

چھپانے کی کوشش کی تمہارا انداز مختلف ہوتا تھا جس سے میں سمجھ جاتی تھی کہ تم راستے سے ہٹ گئے ہو۔ یہی معاملہ اس وقت بھی ہے۔ یہ عام ساداشتہ نہیں ہے۔ بیٹے! مجھے اپنے اصل حالات سے آگاہ کرو۔ میں جانتی ہوں تمہیں میری بیماری کی خبر ہو چکی ہے۔ میری گودمیر سر رکھنے کے بعد تم نے جو الفاظ ادا کئے ہیں وہ میرے جاننے کے لئے کافی ہیں کہ تم میری بیماری سے آگاہ ہو اور اس کی اطلاع یقیناً میرے بھائی سلطان نے تمہیں دی ہو گی۔ اب تم جانتے ہو کہ تمہاری ماں قبر میں پاؤں لٹکائے ہے۔ مجھ سے اپنے اصل حالات کی کوئی چیز چھپانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ یاد رکھنا اگر تم نے اس کو راز ہی رہنے دیا اور میں گزر گئی تو میری روح بھی قیامت تک بے چینی سے تمہاری ذات کا طواف کرتی رہے گی۔“

جب تک سعدیہ بولتی رہی طارق کی گردن جھکی رہی۔ خلیل اور تحریم دونوں بڑے عجیب سے انداز میں انتہائی بے بسی اور بے کسی کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ قریب ہی بیٹھا سلطان چپ چاپ کبھی سعدیہ کی طرف دیکھ لیتا کبھی شفقت بھری طارق پر ڈال لیتا تھا۔ پھر طارق کی ترجمانی کرتے ہوئے وہ بول ہی پڑا۔ ”سعدیہ میری بہن! میں جانتا ہوں یہ کچھ نہیں بتائے گا۔ اس لئے کہ یہ تمہاری پریشانی میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں تفصیل سے بتاتا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی جو حادثہ طارق کے ساتھ پیش آیا تھا سلطان نے تفصیل سے کہہ سنایا تھا۔

☆

لگ بھگ روز سعدیہ، طارق، خلیل اور تحریم نے اکٹھے بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ ناشتہ کے بعد طارق فیصل کو مخاطب کیا۔ ”خلیل میرے بھائی! تم کام پہ جاؤ گے؟“

فیصل نے منہ سے بولے بغیر اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔ اس پر طارق اٹھ کھڑا ہوا بڑے لگاؤ سے۔ ”میں ذرا پریس جارہا ہوں۔“

طارق مزید کچھ کہتا کہ خلیل نے فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ ”نہیں بھائی! میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گا۔ آپ مکمل کریں۔ میں جانتا ہوں آپ پریس جا کے کام کریں گے۔ نہیں! آپ گھر پر رہیں۔ لڑکچہ بھال کریں۔ میں اس قابل ہوں کہ گھر کے اخراجات چلا سکتا ہوں۔ آپ بالکل نہیں جائیں گے۔“

سلطان خاموش ہوا تب انتہائی غصے اور بے زاری کا اظہار کرتے ہوئے سعدیہ بول پڑی۔ ”طوبی کی بھوپھی نے یہ انتہائی غلیظ قدم اٹھایا ہے۔ جب طوبی نے اپنی مرضی، اپنی فلاح اپنی خواہش سے میرے بیٹے طارق کے ساتھ نکاح پڑھایا تھا تو اس کو اس قدر سختی اور جبر کرنے کی ضرورت تو نہ تھی۔ وہ کیسی بد بخت عورت ہے کہ میرے بیٹے کے ساتھ اس نے اتنی بڑی زیادتی کی کہ اس کی ٹانگ توڑی، اغواء کیا اور طلاق کے اسٹامپ پر زبردستی دھکا کرواتے۔ سلطان بھائی! یہ فوجداری کیس ہے کیا ہم اس عورت کے خلاف دعویٰ دائر نہیں کر سکتے؟“

سلطان نے ہلکی سی مسکراہٹ میں طارق کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔ ”سعدیہ بہن! مشورہ میں نے طارق کو بھی دیا تھا۔ اس عورت کے خلاف ہمیں دعویٰ کرنا چاہئے تاکہ آئندہ پر پھیلانے کی کوشش نہ کرے۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ طارق کے ساتھ جو میں نے زیادتی

عرصہ میں ہسپتال میں رہا ہوں وہ مجھے اس عرصے کی تنخواہ بھی دیں گے۔ کل مجھے انہوں نے ایک اشارہ دیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں وہ میری فیل پے منٹ کریں گے اور پھر مجھے انہوں نے بلایا بھی ہے۔ وہ مجھے ایسا کام دیں گے جو میں بیساکھیوں کے سہارے کر سکوں۔ دیکھو میرے بھائی! فارغ گھر بیٹھے سے بہتر نہیں کہ مصروف رہوں۔ کام کرتا رہوں۔ چار پیسے کمائوں گا۔“

اس موقع پر سعدیہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن طارق نے فوراً آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ رکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”ماں! آپ بالکل نہیں بولنے لگے۔ اگر آپ نے کچھ کہا میرا سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ مجھے ہر صورت پر لیں جانا ہے۔ آپ بیمار ہیں۔ آپ پہلے سے زیادہ نگہبانی، زیادہ دیکھ بھال اور خوراک کی ضرورت ہے۔ یہ کام میں اور غلطیوں کا باعث بنے گا۔“ اس نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اس کے دو نوں مل کر کریں گے۔ خلیل! تم اپنے کام پہ چلے جانا میں پر لیں جا رہا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی سب کو اللہ حافظ کہتا ہوا طارق وہاں سے چلا گیا تھا۔



جان اور طوبی دونوں طاہرہ خاتون کو ایئر پورٹ سے لے کر جس وقت ہسپتال میں لائے گئے تھے وہ تو دونوں دنگ رہ گئے۔ اس لئے کہ ان کے آگے آگے بیساکھیوں کے سہارے سے لے کر طارق ہسپتال میں داخل ہوا تھا۔ رحمان گاڑی چار ہا تھا۔ گاڑی روکنے کے بعد وہ کسی ٹیکسٹ کا اظہار کرنا چاہتا ہی تھا کہ طاہرہ خاتون بول پڑی۔ ”یہ جو لڑکا بیساکھیوں کے ہاتھ چل کے ہسپتال کے اندرونی حصہ کی طرف جا رہا ہے رحمان اور طوبی جانتے ہو یہ کون ہے؟“

دروازے کھول کر باہر نکلتے نکلتے طوبی رک گئی اور اپنے پہلو میں بیٹھی اپنی دادی اماں کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”اماں! یہی تو طارق ہے جس کے متعلق ادھر آتے سنا گل نے آپ کو بتایا ہے۔ اسی سے میرا نکاح ہوا ہے۔ یہی گم ہو گئے تھے۔ یہ پہلی بار مل آئے ہیں۔ گزشتہ شب ہم نے انہیں ٹی وی پر دیکھا تھا۔ کچھ سکون ہوا تھا کہ ٹھیک سہیں۔ اب دیکھئے ہسپتال کیا کرنے آئے ہیں۔ اماں! آپ انہیں کیسے جانتی ہیں؟“

طاہرہ خاتون کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور کہنے لگی۔ ”بیٹے! یہی تو ہے جس کی تلاش تھی۔ یہ تمہاری آنٹی نجم السحر کا بڑا بیٹا ہے جو گم ہو گیا تھا۔ اسی سے بچپن میں رشتہ طے ہوا تھا۔“

طاہرہ خاتون کے اس انکشاف پر طوبی کی خوشیوں، اس کے اطمینان و سکون کی کوئی حد نہ تھی۔ اس انکشاف پر اسے ایسے لگا جیسے کسی نے اسے کرب کی ڈالہ باری، رات بوقت کے نوٹے کنکروں سے نکال کر تقدیس کی علامت کے طور پر نیلی فضاؤں سے سفید بادلوں، صداقت کے زندہ نشان میں لاکھڑا کیا ہو۔ وہ گورے بدن پر سجے رہے شاداب فرشتوں کے اچلے پروں کی مہک جیسی خوشگوار دسمبر کے

سورج کی پہلی کرن سی خوش کن اور دھنک رنگ جذبوں جیسی ہو کے رہ گئی تھی۔ ابھی میں سراب رنگ گھولنے کی کوشش کی۔ آخر آپ کو میرے جسم کی درودیوار پر پر ہی چاہتی تھی کہ رحمان نے اسے مخاطب کیا۔ ”طوبی ابھی طارق سے نہ ملنا۔ یہ جو پہلے بے اس میں ضرور وجہ اور علت ہے۔ میرا دل کہتا ہے یہ نجم السحر کے کمرے کا راز ہے۔ میرا دل پکار پکار کے یہ بھی کہتا ہے جو اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اس میں غائبی کے طلاق کے اسٹامپ پر دستخط کروائے۔ خاتون! طلاق اس طرح نہیں ہوتی۔ بے ہی نہیں احسن بھی ملوث ہے۔ پہلے دیکھو بیٹی! کیا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہم اپنے راز کی بات کریں گے۔ آپ کے آدمیوں نے مجھے مار پیٹ کر مجھ پر سختی کر کے طلاق کے اسٹامپ پر میرے اظہار کریں گے۔ اگر یہ نجم السحر کے کمرے میں داخل ہوتا ہے تو ہم تینوں اس کے کمرے میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر اندازہ لگائیں گے کہ کیا ہے۔“

نجم السحر طارق کی اس گفتگو کا جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ ذرا رک کر طارق پھر بولتا چلا گیا ہے۔“

طاہرہ خاتون اور طوبی دونوں نے رحمان کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ جب یہ ایک ہی تھا۔ ”خاتون! میں جانتا ہوں آپ کا ہمارا کوئی مقابلہ نہیں لیکن آپ کو میرے ساتھ ایسا کے سہارے چلتا ہوا طارق آگے بڑھ گیا تب وہ تینوں بھی گاڑی سے اترے اور آہستہ آہستہ رو انہیں رکھنا چاہتے تھا جیسے آپ نے کیا۔ آپ کا بھی بیٹا ہے۔ دوسروں کے بیٹوں پر غم کرتے وقت آپ کو اپنا بیٹا بھی نگاہ میں رکھنا چاہئے۔ آپ نے ہم غریبوں کے لئے وقت آگے بڑھے۔“

طارق سیدہ نجم السحر کے کمرے میں داخل ہوا۔ طوبی، طاہرہ خاتون اور رحمان کے افلاک پر آنسو کے صحنے تحریر کر دیے ہیں۔ میرے حادثے کی وجہ سے میری ماں ایسی کمرے کے باہر کھڑے ہو گئے تھے۔ اس وقت کمرے کے اندر نجم السحر کے علاوہ اور کسی کوئی نہیں تھا۔ وہ برین نیومر کا شکار ہو گئی ہے۔ اب میں اس کا ساتھ برقرار رکھنے کے احسن، دونوں بیٹیاں ثانیہ اور شمرہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ جو نہی طارق اس کمرے میں داخل لے گیا کہاں کہاں زمین کھودوں گا؟ کہاں کہاں فلک کریدوں گا؟ بد بختی کے کس لمحے کے ثانیہ اور شمرہ نے کسی خاص تاثر کا اظہار نہ کیا تھا لیکن نجم السحر اور دونوں ماں بیٹا چونکے۔ اُسے بندھ باندھوں گا؟ مصیبتوں کے کس کس دریا کا رخ موڑوں گا؟ آپ نے نہ صرف آگے بڑھ کر طارق نجم السحر کے عین سامنے کمرے کے وسط میں کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں ٹانگ توڑ کر مجھے مفلوج کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ میری ماں کو ہمیشہ کے لئے جدا تب وہ بیساکھیوں کے سہارے کھڑا رہا۔ اس دوران عجیب سے انداز میں نجم السحر اور اُن کے ابتدائے کردی ہے۔“

اس کی طرف دیکھتے رہے۔

پھر طارق نے نجم السحر کو مخاطب کیا۔ ”خاتون! جو معاملہ آپ کے کہنے پر آپ نے طارق خاموش ہوا تو نجم السحر بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔ ”تم کس قسم آدمیوں نے میرے ساتھ کیا وہ انسانیت سے گرا اور انتہائی غلیظ تھا۔ طوبی سے میرا دل ٹوٹ کر رہے ہو؟ تمہیں کس نے اجازت دی ہے ہسپتال آنے کی۔ آج میری ماں آ اس کی مرضی، اس کی خواہش کے مطابق ہوا تھا۔ یہ نکاح زبردستی نہیں ہوا تھا۔ پھر اسے اور آج ہی تم یہ منحوس قصہ لے کر ہمارے پاس آگے ہو۔ ہمارا تمہارے ساتھ کوئی نے کیوں میرے پیچھے غنڈے لگائے جنہوں نے مجھے پہلے کار سے نکل مار کر میری موت نہیں ہے۔ کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اگر طوبی کی طلاق تم سے زبردستی لی گئی ہے تو یہ ہمارا توڑی پھر مجھے اغواء کر کے شہر سے باہر لے گئے۔ مجھ پر سختی کی، مجھے مارا پیٹا، زبردستی مجھے نکاح کر دیا۔ تمہیں جرات کیسے ہوئی کہ تم بالائی بالا ہم سے پوچھے بغیر طوبی سے نکاح کر لو۔ طلاق کے اسٹامپ پر دستخط کروائے اور شہر سے باہر چھوڑ کر چلے گئے۔ بھلا ہوا ایک شخص جو اتنا اس کے حق دار تھے۔ اب یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ آئندہ اگر میرے ہسپتال کا کا اس نے مجھے اٹھا کر ایک ہسپتال میں داخل کروا دیا۔“

جہوں سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ عین اسی لمحہ طوبی بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی پھر وہ
 ہوا میں اچھلی اور اس زور کی لک اس نے احسن کی گردن پر ماری کہ احسن لڑکھڑاتا ہوا
 کمرے کی دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔ پھر بڑی تیزی کے ساتھ طوبی مڑی۔ پہلے دونوں
 بیٹیاں اٹھائیں پھر سہارا دے کر اس نے طارق کو کھڑا کیا۔ دونوں بیٹیاں اس کی بغل
 میں دیں پھر دوبارہ مڑی۔ اتنی دیر میں احسن اٹھ چکا تھا۔ طوبی پر گویا جنون اور وحشت سوار
 ہو گئی تھی۔ ایک بار پھر آگے بڑھتے ہوئے اس نے اس کی پیٹھ، اس کے چہرے، اس کی
 زدن، اس کی پسلیوں پر مکوں کی بارش کر دی تھی۔

یہ صورت حال نجم السحر کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ آگے بڑھی اور طوبی کو مخاطب
 کر کے کہنے لگی۔ ”حرام خور! کیسی! تو ایک اجنبی کے لئے میرے بیٹے پر ہاتھ اٹھا رہی ہے؟
 تجھے جرات کیسے ہوئی کہ میری موجودگی میں تم میرے ہی بیٹے پر ہاتھ اٹھاؤ۔“

اتنی دیر تک طوبی پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ احسن سنبھلا پھر اس نے طوبی کو
 مخاطب کیا۔ ”طوبی! آج تک میں نے تم پر ہاتھ نہیں اٹھایا لیکن آج اس کمرے میں تیری
 رست کروں گا کہ تم زندگی بھر یاد رکھو گی۔“

جس وقت نجم السحر اور احسن دونوں طوبی کی طرف بڑھ رہے تھے عین اسی لمحہ رحمان
 اور طاہرہ خاتون اس کمرے میں داخل ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہوئے نجم السحر اور احسن
 بے نشان ہو گئے تھے۔ احسن جو طوبی کو مارنے کے لئے آگے بڑھا تھا رک گیا۔ اس نے دیکھا
 کہ وقت رحمان کے چہرے پر عجیب سا غضب اور جلال تھا۔ رحمان تیز تیز قدموں سے
 آگے بڑھا۔ پھر اس نے لگا تار کئی طمانچے احسن کے منہ پر دے مارے۔ پھر وہ پھٹ پڑا۔
 بے غیرت، کمینہ! تمہیں جرات کیسے ہوئی کہ تم دھکا دے کر طوبی کے شوہر کو فرش پر
 ڈالو۔ اس کے ساتھ ہی رحمان پھر احسن کو پیٹنے لگا تھا۔ دوسری جانب طاہرہ خاتون اپنی بیٹی
 نجم السحر کی طرف بڑھی۔ اس کی حالت بھی غیر ہو رہی تھی۔ آگے بڑھ کر اس نے کئی
 طمانچے نجم السحر کے منہ پر دے مارے اور کہنے لگی۔ ”تو نے اپنے ہی بیٹے کو کسی کا بیٹا، گناہ کا
 ل، ٹنک و عار کی پیدوار اور بد تمیزی کا کھلیاں کہا۔ بے حمیت! اگر یہ کسی کا بیٹا ہے تو سب
 سے بڑی کسی تو ہے۔ اگر یہ گناہ کا پھل ہے تو تو طوائف کی طرح گناہ کرتی رہی ہے۔ اگر یہ
 ل و عار کی پیدوار ہے تو ٹنک و عار کی وجہ تو ہے۔ اگر یہ بد تمیزی کا کھلیاں ہے تو اس کھلیاں

نجم السحر کی اس گفتگو سے غصے میں طارق کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ کچھ سنبھلا پھر نجم
 طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”میں تو سمجھا تھا آپ ڈاکٹر ہیں۔ پڑھی لکھی خاتون!
 اخلاق ہوں گی۔ لیکن میں نے آپ جیسی بد اخلاق اور انتہائی برے ذہن کی عورت پر
 میں نہیں دیکھی۔“

یہاں تک کہتے کہتے طارق کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ نجم السحر اپنی جگہ سے اٹھ
 ہوئی اور بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔ ”دفع ہو جاؤ یہاں سے کسی کے پیڑ
 کے پھل، ٹنک و عار کی پیدوار، بد تمیزی کے کھلیاں، بے حیا، بے غیرت۔ تم کو کم
 اجازت دی کہ تم اپنی خواہشوں کی گندگی، اپنے مقاصد کی حیوانیت اور اپنی روح کی
 لے کر میرے ہسپتال میں داخل ہو۔ ابھی اسی وقت یہاں سے نکلو۔ ورنہ دھکے دے
 اس طرح ہسپتال سے باہر پھینکواؤں گی کہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ آئندہ
 میرے ساتھ ایسی گفتگو کرنے کی کوشش کی یا اپنی گندی زبان پر میری جھنجھکی طوبی کا
 چاہا تو یاد رکھنا ابھی تو میں نے صرف تیری ٹانگ تڑوائی ہے، تمہیں انوار کے طوبی کی
 حاصل کی ہے۔ تم نے مجھے ملوث کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا اپنی زندگی، اپنی چار
 ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ میں نے صرف تمہیں اس لئے چھوڑا ہے کہ تم ایک غریب عورت
 بیٹے ہو اور اس کی کفالت کرتے ہو ورنہ یاد رکھنا ابھی تک تم ختم ہو چکے ہوتے۔“

نجم السحر کی اس گفتگو سے طارق بھی بھڑک اٹھا۔ ”خاتون! جو الفاظ آپ نے
 لئے استعمال کئے ہیں یہ آپ پہلے بھی استعمال کر چکی ہیں۔ یہ الفاظ میں آپ اور آپ
 بیٹے کے لئے استعمال کر سکتا ہوں۔ کسی کی ماں کے لئے اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا
 بد تمیزی، انتہائی بد اخلاقی ہے اور میں سمجھتا ہوں خاتون! کہ دنیا میں تم سے زیادہ بد تمیزی
 اخلاق عورت نہیں ہو گی۔“

طارق کے ان الفاظ پر احسن اپنی جگہ سے اٹھا اور طارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے
 لگا۔ ”تم کو اس کرتے ہو۔ میری ماں کے ساتھ اس طرح سے بد تمیزی سے پیش آتے ہو
 پھر وہ آگے بڑھا اور اس زور کا دھکا اس نے طارق کو دیا کہ طارق بیٹا کیوں پر
 توازن کھو بیٹھا اور فرش پر گر گیا۔ بیٹا کھلیاں اس کی ادھر ادھر بکھر گئی تھیں۔ یہ
 حال ثانیہ اور شرمہ دونوں کے لئے شاید انوکھی اور ناقابل برداشت تھی۔ دونوں گھبرا

کو جنم دینے والی تو ہی ہے۔ یاد رکھ! جس کے لئے تو نے اس طرح کی بد تمیزی کی وہ استعمال کئے ہیں اس کا نام صرف طارق نہیں احتشام ہے اور یہ تیرا وہی بیٹا ہے جو گم ہوا تھا۔ جس کی تلاش میں تو سرگرداں ہے۔“

طاہرہ خاتون کے اس انکشاف پر نجم السحر ششدر رہ گئی تھی۔ شرہ اور ثانیہ تعجب و حیرت زدہ کھڑی تھیں۔ احسن اپنی جگہ حواس باختہ، سرگرداں، پر اگندہ دکھائی دے رہا تو اس موقع پر نجم السحر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ طارق طاہرہ خاتون کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ پڑا۔ ”اماں! آپ بیچ میں نہ آئیں۔ میں نے ہمیشہ آپ کا احترام کیا ہے۔ اماں! ویسے آپ بڑے اچھے وقت پر آئیں۔ بہت خوب ہو کہ مجھے پتہ چل گیا کہ مجھے جنم دینے والی یہ طاہرہ ہے۔ اماں! آپ جانتی ہیں کہ اس عورت کے دودھ کی قیمت میں آپ کو ادا کر چکا ہوں۔ اب اس سے میرا کوئی تعلق، کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اگر مجھے جنم دینے والی یہی عورت ہے تو اماں! میں دنیا کا بد قسمت ترین انسان ہوں۔ اگر مجھے اپنا دودھ پلانے والی خاتون یہی ہے تو اماں! سمجھتا ہوں دنیا میں مجھ جیسا بد بخت انسان پیدا ہی نہیں ہوا ہو گا۔“

طارق رکا، کچھ سوچا اس کے بعد دوبارہ اس نے کہنا شروع کیا۔ ”اماں! آپ کی آمد پہلے میں اپنے اس عزم پر قائم تھا کہ طوبی! ابھی تک میری بیوی ہے۔ لیکن میں اپنے عزم سے دست بردار ہوتا ہوں۔ اگر نجم السحر نام کی ایک خاتون وہ عورت ہے جس نے مجھے جنم دیا اور یہ طوبی! کی چھو بھی ہے تو پھر میں طوبی! سے دست بردار ہوتا ہوں۔ طوبی! سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اماں! آپ بھی سن لیں اپنی اس بیٹی جس کا نام آپ نے نجم السحر کہا اس کو سمجھادیں کہ آئندہ میرے سامنے آنے کی کوشش نہ کرے۔ رہا معاملہ اس احسن! اس نے جو اس کمرے میں میرے ساتھ زیادتی کی ہے میں نے اسے معاف کیا۔ مگر سمجھوں گا کہ کتے بھونکتے رہتے ہیں مسافر اپنی راہ پر چلتے ہوئے اپنی منزل کی طرف جاتے ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی باہر جانے کے لئے طارق جب مڑا تو نجم السحر چیخ چلا اٹھی۔ ”اماں! اس کو روکیں۔ اسے کہیں ہسپتال سے باہر نہ جائے۔ اماں! جب میں نے اپنے بیٹے کا احتشام رکھا تھا تو طارق نام اس کو کس نے دیا؟“

طاہرہ خاتون پھٹ پڑی۔ ”کینی! جب تو نے اپنے بیٹے کا پوچھا ہی نہیں تو نام تو بدل

دیتی کہ یہ تیرا بیٹا ہے لیکن ذرا اپنے ماضی پر نگاہ دوڑا۔ اپنی بد قسمتی کو دیکھ جس وقت اس نے مجھے ایئر پورٹ سے لے کر آ رہا تھا تیرا یہ بیٹا سا نیگل پر جا رہا تھا۔ احسن نے اسے ٹکرا کر جواب میں اس نے پتھر مار کر تمہاری کار کا شیشہ توڑ دیا تھا۔ میں بھی ساتھ تھی۔ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس روز تو نے اپنے پاؤں کے جوتے سے اسے اس قدر مارا کہ اس کی پٹھان پھٹ گئی تھی۔ لہذا میں نے اس روز تمہیں یہ نہ بتایا کہ یہ تمہارا بیٹا ہے۔ یاد رکھنا میں اس وقت بتا دیتی کہ یہ تمہارا بیٹا ہے تو یہ تم سے ایسی نفرت، ایسی بیزاری کا اظہار کرتا کہ لفظ تمہارے لئے ذلت اور پشیمانی کا نشان بن جاتا۔ اب میں نے تم پر ہر چیز واضح کر دی ہے اب تو جان تیرا بیٹا جانے۔ میں تمہاری بد تمیزیوں، تمہاری ذلت آمیزیوں، تمہاری اخلاقیوں سے بالکل بری الذمہ ہوں۔“

نجم السحر عجیب سے شش و پنج میں کھڑی تھی۔ کبھی اپنی ماں کی طرف دیکھتی، کبھی اپنے شوہر، کبھی اس کی نگاہیں پورے متاثرے انداز میں طارق پر جم کر رہ جاتی تھیں۔ پھر حرکت میں آئی۔ جہاں طارق کو رحمان روکے کھڑا تھا وہاں قریب آئی ہی تھی کہ طارق نے اپنے سامنے ڈاکٹر رحمان کو مخاطب کیا۔ ”انکل! پلیز! آپ میری راہ نہ روکیں، نہ آپ میرے اس معاملے میں دخل اندازی کریں اس لئے کہ میرے دل میں آپ کے لئے احترام، بڑی عزت، بڑا مقام ہے۔ جہاں تک اس عورت کا سوال ہے تو اس کی طرف دلاؤ میں آپ مجھ سے ایک لفظ نہ کہنے گا۔“

طارق کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ رحمان دکھ بھرے لہجے میں بول پڑا۔ ”بیٹے! تمہاری ماں ہے۔ اس نے تمہیں جنم دیا ہے۔“

رحمان کے ان الفاظ پر طارق کا چہرہ غصے اور غضب ناک میں سرخ ہو گیا تھا۔ پھر رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ پھٹ پڑا تھا۔ ”انکل! آپ اس عورت کو میری ماں کہتے ہیں۔ اس سے پوچھیں جب چھوٹے دودھ پیتے بچے سرما کی راتوں کو ماں کی گرم رفاقت محسوس کرتے ہیں اس وقت یہ کہاں تھی؟ اس سے پوچھیں جب میرے جلتے آنسو، میری بین کرنا آنکھیں اسے بلاتی تھیں اس وقت یہ کہاں او جھل تھی؟ ڈاکٹر صاحب! اس سے پوچھیں جب طویل راتوں میں مائیں محبت و چاہت کی رت بن کر اپنے بچوں کو سلانے کے لئے لوہا

دیتی ہیں اس وقت یہ کہاں تھی؟ ڈاکٹر صاحب! اس سے سوال کریں کہ جب میں ننھے بچہ کا

بیت سے طوفانوں میں گھری کشتی میں فریاد کرنے والی تنہائی کی طرح انتہائی بے بضاعتی شہر کی گلیوں اور سڑکوں پر دھکے کھاتا رہا اس وقت کیا اس نے مجھے کوئی اہمیت دی؟ اس نے مجھ پر مامتا کی چادر ڈالی؟ اس سے یہ بھی پوچھیں کہ کیا آج تک اس نے کبھی بھی میرے لئے کورے کاغذ پر متاثرہ کوئی بھی لفظ لکھا؟ اسے یہ بھی پوچھیں کہ دکھ کے بادلوں نے کیا کبھی اس نے مجھے مسرت کا ایک قطرہ بھی مہیا کیا؟ ڈاکٹر صاحب پوچھیں اس نے میرے سن گناہوں، میری کن غلطیوں کی وجہ سے مجھے ماں کے حدت بھرے لمس سے روک دیا؟ انکل! میں چوبیس سال تک اس شہر کی سڑکوں پر دھکے کھاتا رہا۔ یہ اپنے سپنوں نے مگر، اپنی تمناؤں کے شہر آباد کرتی رہی۔ کیا کبھی اس نے میرا حال پوچھا؟ ڈاکٹر صاحب! زاندھیوں اور جھکڑوں میں جب کھلیانوں کے تنکے اڑ جاتے ہیں تو انہیں اکٹھا نہیں کیا جا

تا۔ میری بھی یہی حالت ہے۔ میرے دل میں اس خاتون کے لئے کوئی جذبہ، کوئی رابطہ، کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے کردار کی وجہ سے میری لرزاں سانسوں میں جو نفرت، میری لوں میں جو بیگانگی، میری سوچوں کے سانچوں میں جو کدورت بھر گئی ہے یہ عورت اگر میری عمر انہیں کھرچتی رہے تو نہ نکال سکے گی۔“

طارق کے ان الفاظ پر رحمان کی گردن جھک گئی تھی۔ بیچارہ ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو یا تھا۔ ایک طرف طوبی کھڑی ہچکیوں اور رسکیوں میں رو رہی تھی۔ نجم السحر اور طاہرہ اتوں کی آنکھوں سے بھی اشک رواں تھے۔ ثانیہ، ثمرہ کی حالت بھی ناقابل برداشت تھی۔ جب طارق وہاں سے جانے لگا تو احسن کو نہ جانے کیا ہوا بھاگ کر آگے بڑھا۔ نیچے نکلا۔ پھر طارق کے دونوں پاؤں اس نے پکڑ لئے اور انتہائی عاجزی میں گڑ گڑاتے ہوئے

لہنے لگا۔ ”بھائی جان! مجھے معاف کر دیجئے۔ ہم نے یقیناً آپ کے ساتھ زیادتیاں کی ہیں۔ میری بد قسمتی ہے کہ میں اپنے بھائی ہی کے خلاف زہر اگلتا رہا۔ خدا کے لئے یہاں سے است جائے۔ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔ بڑا بھائی باپ کی مانند ہوتا ہے۔ ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔“

طارق کے چہرے پر طنز یہی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پورا بوجھ اس نے اپنی میسا کھیں پر ڈالا پھر احسن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”تم کس قدر بے غیرت، بے حمیت انسان ہو کہ ایک کسی کے بیٹے، گناہ کے پھل اور تنگ و عاریک پیداوار کے قدموں میں گر کر معافی

آئی ہی مجھ سے تمہاری طلاق لے چکی ہے۔ اب تم میرے ساتھ کس تعلق، کس واسطے کی بات کرتی ہو؟ جاؤ! اسی پاکیزہ بیگم کے پاس رہو۔ اس میں نہ انسانیت ہے نہ تہذیب کی رمق ہے اور نہ ہی اخلاق کا کوئی مادہ۔ میرے ساتھ اس موقع پر الجھنے کی کوشش مت کرنا۔ اگر تم نے اس موضوع پر زیادہ بات کی تو یاد رکھنا میں یہیں کھڑے کھڑے تین بول بولوں گا اور تمہاری طلاق پکی کر کے چلا دوں گا۔“

طارق کے ان الفاظ پر طوبی لرز کانپ گئی تھی۔ ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ طارق باہر نکلا۔ کسی کو اسے روکنے کی جرات نہ ہوئی۔ ہسپتال سے باہر آیا۔ رکشہ لیا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔

☆

مانگ رہے ہو۔ تم لوگ بھی عجیب و غریب ہو۔ اپنے مطلب کی بر آوری کے لئے گدھے بھی باپ بنانے پر ضامند ہو جاتے ہو۔“

پھر طارق ایک طرف سے ہوتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اس موقع پر اچانک نجم السحر بھاگی طارق کے سامنے آئی۔ دونوں ہاتھ جوڑ ویئے اور روتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔ ”میرے بیٹے! مت جاؤ۔ ہم سے جو خطا ہوئی معاف کر دو۔ دیکھو میں تمہارے پاؤں پڑ کر معافی مانگنے کے لئے تیار ہوں۔“

چلتے چلتے طارق پھر رک گیا اور نجم السحر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”خاتون! تمہاری کوئی غلطی نہیں ہے۔ میں خود خطا کی پیداوار ہوں۔ میری راہ روکنے کی کوشش نہ کرنا۔ تم کتنا زور لگالو۔ جس قدر چاہو گز گزاتے ہوئے عمدہ الفاظ استعمال کر کے اپنی پوزیشن صاحب کرنا چاہو لیکن یاد رکھنا وہ نفرت، وہ کدورت جو میرے دل میں بھر چکی ہے اسے نکال سکو گی۔ خاتون! میں تمہارے ساتھ کوئی رشتہ رکھنے کے لئے تیار نہیں۔ میری راہ مت روکنا۔ ابھی تک میں نے تمہارے خلاف کوئی بد زبانی نہیں کی اور میں نہیں چاہتا کہ آپ لوگ مجھے زیادہ تنگ کریں اور میری زبان بھی آپ لوگوں کی طرح بد اخلاقی کے الفاظ اگلنے لگے۔“

نجم السحر اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ ابھی تک جڑے ہوئے تھے۔ پھر طارق آگے بڑھا۔ طوبی اچانک طارق کے قریب آئی اور بڑے پیار اور بڑی محبت میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”میرے ساتھ چلیں۔ میں آپ کو گھر چھوڑ آتی ہوں۔“ طارق رکا۔ گھورنے کے انداز میں اس نے طوبی کی طرف دیکھا۔ پھر بے تعلقی کا اظہار کر کے کہنے لگا۔ ”میرا تمہارے ساتھ کوئی واسطہ، کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ تم مجھے اپنے ساتھ لے کر جاؤ گی نہ میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ یہیں اپنوں کے اندر رہو۔“

طوبی آگے بڑھی۔ طارق کی راہ روکتے ہوئے روتی ہوئی آواز میں بول پڑی۔ ”میرا آپ سے تعلق واسطہ کیوں نہیں ہے۔ میں آپ کی بیوی ہوں۔ میرا آپ سے نکاح ہوا ہے۔“

اس موقع پر طارق نے بڑے غضب ناک انداز میں طوبی کی طرف دیکھا۔ پھر پہلے سے نیچے ہی میں بول پڑا۔ ”اوروں کو کسی کے بیٹے اور گناہ کے پھل کے تحفے دینے والی تمہاری

طاہرہ خاتون کی اس ساری گفتگو کا جواب نجم السحر دینا ہی چاہتی تھی کہ اس موقع پر ڈاکٹر جان بول پڑا۔ ”نجم السحر! جو کچھ تم نے کیا ہے انتہائی برا، انتہائی گھناؤنا اور انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ تم صرف اپنے بیٹے کو اہمیت دیتی رہی، دوسروں کے بیٹے کو تم گندگی کا ڈھیر خیال کرتی ہیں لیکن دیکھو! فطرت، قدرت اور حالات نے تمہارے ہی بیٹے کو تمہارے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ اب جو حالات پیدا ہوئے ہیں ان کی ساری ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے لیکن پہلے بتاؤ کہ تم نے کیوں اس کے پیچھے غنڈے لگائے؟ کیوں اس کی ٹانگ تڑوائی؟ کیوں اسے بواء کروایا؟“

رحمان کی اس گفتگو سے نجم السحر رونے لگی تھی۔ دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ کر وہ کچھ دیر سستی رہی۔ رحمان کی آواز پھر اس کے کانوں سے نکل آئی۔ ”اب اس طرح سسکیاں مرنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ وہ کسی بھی صورت تمہیں ماں تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ پوچھا اس کا جواب دو۔ تم نے کون سے لوگ اس کے پیچھے لگائے تھے؟“

نجم السحر سنبھلی۔ کچھ دیر اس نے اپنے بیٹے احسن کی طرف دیکھا۔ اس کے بعد اس نے ایکشن پر رحمان کی گفتگو سننے، طوبیٰ اور طارق کے نکاح کا علم ہونے، پھر احسن کے کہنے پر طارق کے پیچھے غنڈے لگانے اور زبردستی طلاق لینے کی ساری تفصیل کہہ ڈالی تھی۔ یہ ماری تفصیل سننے کے بعد رحمان تھوڑی دیر بڑے غصے میں احسن کی طرف گھورتا رہا۔ پھر بٹ پڑا۔ ”احسن! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے بیٹے ہوتے ہوئے تم اتنے بے غیرت، بے حمیت ہو جاؤ گے۔ تم جانتے تھے طوبیٰ تمہارے کھوئے ہوئے بھائی کی امانت ہے اس کے باوجود تم نے اپنے بھائی کی حق تلفی کا سوچتے ہوئے اسے اپنانے کا فیصلہ کر لیا۔ جس وقت تم نے طارق کے پیچھے غنڈے لگائے اس وقت تمہارے خون نے تمہیں کوئی صدا نہ دیا کہ تو ایسا سلوک کس کے ساتھ کر رہا ہے۔ جو سلوک تم ماں بیٹے نے طارق کے ساتھ کیا ہے ایسا ہی سلوک تمہارے ساتھ کوئی کر تا تو سوچو تمہارے اور تمہاری ماں کے جذبات نہ ہوتے۔ تم دونوں ماں بیٹے نے مل کر طوبیٰ کا سارا مستقبل خراب اور تاریک بنا کر رکھ دیا۔ میں، طوبیٰ اور طاہرہ خاتون تینوں کمرے سے باہر کھڑے ہو کر ساری گفتگو سنتے رہے۔ جس وقت طارق یہاں آیا تھا اس وقت اس نے طوبیٰ کی طلاق کو تسلیم نہیں کیا تھا بلکہ

طارق کے جانے کے بعد سب لوگ کچھ دیر تک بڑے افسردہ، غم زدہ سے اس کمرے میں کھڑے رہے۔ پھر سب سے پہلے طاہرہ خاتون ایک نشست پر بیٹھی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے باقی سب لوگ بھی بیٹھ گئے۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ اس کے بعد نجم السحر نے اپنی ماں طاہرہ کو مخاطب کیا۔ ”ماما! آپ نے میرے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے۔ جس وقت میں یہاں آئی تھی اور آپ مجھے ایئر پورٹ لینے گئی تھیں اسی وقت ہی آپ کو بتا دینا چاہئے تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اس دوران ایسے ایسے حادثات پیش آئے کہ میں اپنے ہی بیٹے کا سامنا کرتے ہوئے شرمندگی محسوس کرتی ہوں۔ میں اپنے ہی بیٹے کو گلے لگانے سے گریز کر رہی ہوں اس لئے کہ اس کے ساتھ میرا سلوک مادرانہ نہیں ظالمانہ تھا۔“

طاہرہ نے گھورنے کے انداز میں نجم السحر کی طرف دیکھا اور اس کے بعد وہ بھی پھٹ پڑی۔ ”تم خود بڑی ذلت ماری ہو۔ جس وقت تم پہلے پہل آئی بتاؤ کیا تم نے کوئی ایسی کمر چھوڑی تھی کہ میں تمہیں بتا سکتی کہ یہ تمہارا بیٹا ہے۔ سر عام کار سے نکل کر تم نے پاؤں سے جوتی اتار کر اسے مارا پینا، اس کی پیشانی پھاڑ دی۔ اسے ہسپتال جا کے مرہم پٹی کرائی پڑی۔ اس موقع پر اگر میں یہ بتاتی کہ تمہارا سر پھاڑنے والی۔ تم پر جوتوں کی بارش کرنے والی خاتون وہی ہے جس نے تمہیں جنم دیا تو یاد رکھنا وہ تمہارے منہ پر تھوک کر چلا جاتا اور زندگی بھر تمہارے منہ لگنے کی کوشش نہ کرتا۔ اب تم ہی نے حالات خراب کئے ہیں۔ میرا خیال یہ تھا کہ اس پہلے روز کے حادثے کے بعد حالات آہستہ آہستہ ٹھیک ہوتے چلے جائیں گے۔ طارق تمہاری اس زیادتی کو فراموش کر دے گا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں اسے سمجھا بجا کر تمہارے پاس لے آؤں گی اور وہ تمہیں اپنی ماں تسلیم کر لے گا۔ لیکن تم ساری ہی حدود کو پھلانگ گئی۔ تم نے کون سے غنڈے اس کے پیچھے لگوائے کہ اس کی پہلے ٹانگ تڑوائی اس کے بعد اسے اغوا کیا۔ مارا پینا اور زبردستی اس سے طلاق لی۔“

نجم السحر جب خاموش ہوئی تو طاہرہ خاتون بول پڑی۔ ”طوبی! میری بیٹی! نجم ٹھیک کہتی ہے۔ چلو! میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ دونوں ماں بیٹی طارق کے ہاں چلتے ہیں۔ وہ رکشہ میں بیٹھ کر گھر پہنچ چکا ہو گا۔ رحمان! تم میری بات سنو۔ ہمارے جانے کے تھوڑی دیر بعد تم بھی ثانیہ، ثمرہ، نجم اور احسن کو لے کر وہاں پہنچ جانا۔ اگر ہم مارے منت سماجت کریں تو میرے خیال میں ہمارا کام بن جائے گا۔“

نجم ہی نہیں ثانیہ، ثمرہ اور احسن نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ پھر طاہرہ خاتون اور طوبی دونوں وہاں سے نکل گئی تھیں۔

☆

طارق چھاپہ خانہ میں داخل ہوا تو اندر کاشف پر لیس پر پلیٹ چڑھا رہا تھا اور شیراز بھی اس کی مدد کر رہا تھا۔ جو نبی انہوں نے طارق کو داخل ہوتے دیکھا دونوں نے کام چھوڑ دیا۔ کاشف بھاگتا ہوا آگے بڑھا۔ طارق کو اس نے اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ جو نبی وہ علیحدہ ہوا شیراز طارق سے بغل گیر ہوا۔ پھر دونوں اسے کیمین نماد فتر میں لے گئے۔ جب کرسیوں پر بیٹھ گئے تو تب شیراز نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”میں اور کاشف دونوں ارادہ کر رہے تھے کہ تمہارے ہاں جائیں گے اور جو حادثہ تمہارے ساتھ پیش آیا ہے اس سلسلے میں تمہاری ماں، تمہارے بہن بھائی سے افسوس کریں گے۔ تم کچھ دیر سے آئے ہو۔ مجھے اور کاشف کو امید تھی کہ تم آج نہیں آؤ گے۔ بہر حال تم آگے ہو بہت اچھا ہوا بیٹی! جن لوگوں نے تمہارے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے معاشرے کے انتہائی بد بخت لوگ ہیں۔“

شیراز یہاں تک ہی کہنے پایا تھا کہ بیچ میں طارق بول پڑا۔ پھر اس روز جو صبح سارے واقعات پیش آئے تھے وہ اس نے تفصیل کے ساتھ شیراز اور کاشف سے کہہ دیئے تھے۔ جب طارق خاموش ہوا تب بے حد پریشانی اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے شیراز کہنے لگا۔ ”حیرت کی بات ہے کہ تم پر ایسے مظالم کرنے والی تمہاری سگی ماں ہے جس نے تم کو جنم دیا۔ طارق بیٹی! میرا تو ذہن مانتا ہی نہیں کہ کوئی عورت اپنے بیٹے کے علاوہ دوسروں کے بیٹوں کے ساتھ ایسا معاملہ کر سکتی ہے۔ بہر حال معنی ڈالو۔ میرے خیال میں تمہارا اپنی ماں، بیٹی، سوتیلے باپ اور بہن بھائیوں سے راضی ہونے کا بھی کوئی ارادہ نہیں ہے۔ بیٹی! ابھی معاملہ نیا نیا ہے۔ میں تم سے کچھ نہیں کہوں گا۔ بہر حال تم نے جو عرصہ ہسپتال میں گزارا

اس نے صاف طور پر کہا تھا کہ زبردستی کی یہ طلاق نہیں ہو سکتی۔ یہ کہ طوبی اس کی بیٹی ہے۔ لیکن جب اسے یہ خبر ہوئی کہ نجم السحر! تم اس کی ماں ہو تب اس نے طوبی کو ٹھکرا دیا۔ وہ اس لئے کہ وہ تم نہیں تمہارے سارے خاندان سے انتہاء درجہ کی نفرت کرتا ہے۔ ذرا سامنے بیٹھی طوبی کی طرف دیکھو۔ یہ اب بھی رو رہی ہے۔ میں جانتا ہوں یہ کس قدر اس کا چاہتی ہے۔ کس قدر اس کا خیال رکھتی ہے۔ کس قدر اسے اس سے لگاؤ، محبت اور چاہ ہے۔ یاد رکھنا اگر طارق طوبی کو نہ ملا تو طوبی زندہ بھی نہ رہ سکے گی۔ اور وہ یہ بھی دھمکی دے کر گیا ہے کہ اگر اسے زیادہ تنگ کیا گیا یا اس پر دباؤ ڈالا گیا تو وہ طلاق کے تین بول کر طوبی کو فارغ کر دے گا۔ یہ سب کچھ تم دونوں ماں بیٹی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔“

طوبی جو رو رہی تھی۔ کچھ سنبھلی۔ اپنے آنسو پونچھے پھر اس نے طاہرہ خاتون کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”اماں! میں آج ہی آپ کے پاس شفٹ ہو جاؤں گی۔ میں آپ دونوں ماں بیٹی اپنے گھر میں رہیں گی۔ میں آنٹی کے ساتھ نہیں رہوں گی۔ میں اب بھی نہیں کر سکتی تھی کہ آنٹی اور احسن میرا مستقبل تاریک کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ دونوں مل کر طارق کے پیچھے غنڈے لگائیں گے۔ ہاں کی ٹانگ توڑیں گے، اسے اغواء کروائیں گے اور اس سے زبردستی طلاق کے اسٹامپ لگا دیں گے۔ دستخط کروائیں گے۔ اسے ماریں پیشیں گے، اس پر سختی کریں گے۔“

نجم السحر نے چاہت بھری ایک نگاہ طوبی پر ڈالی۔ پھر اسے مخاطب کیا۔ ”طوبی! تمہاری بیٹی! جو کچھ ہوا مجھے معاف کر دو۔ میں نے واقعی تمہارے اور طارق کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ یوں جانو میں نے اپنی ذات سے زیادتی کی ہے۔ طارق میرے جسم کا ایک حصہ ہے۔ میں بد بخت کیا جانتی تھی کہ طارق، احتشام بنے اور وہی ہے جسے میں نے جنم دیا تھا۔ بہر حال بیٹی! تم فکر مت کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ بیٹی! تم ایک کام کیوں نہیں کرتی ہو؟ طارق کے پیچھے پیچھے اس کے گھر جاؤ پھر سارے معاملے کی تفصیل اس کی ماں سے کہو۔ میں نے اسے پالا ہے۔ اس سے التماس کرو کہ کسی نہ کسی طریقے سے طارق کو ہم سے رفا کرنے کی کوشش کرے۔ بیٹی! تیرا سارا سامان میں خود اماں کے ہاں شفٹ کراتی ہوں۔ فکر مند نہ ہو۔ میں تیرے ساتھ ہوں میری بیٹی! مجھ سے جو ہوا ہے تو مجھے معاف کر دو۔ ورنہ میرا ضمیر ہمیشہ کے لئے مجھے مجرم سمجھتا رہے گا۔“

آجے بڑھ کر سعدیہ سے ملیں۔ اس موقع پر سعدیہ نے طوبی کو مخاطب کیا۔ ”طوبی بیٹے! کیا تم طاہرہ خاتون کو جانتی ہو؟“

طوبی نے ایک ہلکا سا تہقیر لگایا اور کہنے لگی۔ ”یہ سوال اماں آپ سے مجھے کرنا چاہئے تھا۔“

سعدیہ کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا اور کہنے لگی۔ ”انہیں تو میں بہت پہلے سے جانتی ہوں۔ یہ طارق کی نانی ہیں۔“

طوبی نے شکووں اور گلوں بھری آواز میں سعدیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”اماں! آپ نے اس سے پہلے مجھے یہ بات کیوں نہ بتائی؟ جب کہ میں ایک عرصے سے طارق کی تلاش میں سرگرداں تھی۔“

پھر طوبی نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس روز صبح جو ہسپتال میں واقعات پیش آئے تھے نازلے تھے۔

طوبی جب خاموش ہوئی تو کچھ دیر سر جھکا کر سعدیہ سوچتی رہی۔ پھر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔ ”بیٹی! طاہرہ خاتون کو تو میں پہلے سے ہی جانتی تھی لیکن مجھے یہ خبر نہ تھی کہ یہ تمہاری دادی اماں ہیں۔ بہر حال مجھے زندگی میں جو آج سب سے بڑا دکھ ہوا ہے وہ یہ کہ طارق کی ٹانگ تروانے والی اس کی اپنی سگی ماں ہے۔ ایسا واقعہ زندگی میں نہ کبھی سنا دیکھا۔“

یہاں تک کہتے کہتے سعدیہ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ عین اسی لمحہ تحریم اور زرگونہ اس کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر طوبی ان سے ملی۔ طاہرہ سے ان دونوں کا تعارف کروایا۔ پھر طوبی نے تحریم کو مخاطب کیا۔ ”میری بہن! تم کہاں تھیں؟“

اپنے ہاتھ تولئے سے صاف کرتے ہوئے تحریم کہنے لگی۔ ”میں ابا کا کمرہ صاف کرنے گئی ہوئی تھی۔ زرگونہ بھی میرے ساتھ تھی۔ میری بہن! تم بتاؤ کیا حال ہے؟ طارق بھائی سے ملاقات ہوئی کہ نہیں؟“

اس کے جواب میں طوبی نے ایک بار پھر تحریم اور زرگونہ کے سامنے وہ حالات دوہرائے تھے جو اس سے پہلے وہ سعدیہ کو سنا چکی تھی۔

کچھ دیر طوبی ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ اس کے بعد اس نے سعدیہ کو مخاطب کیا۔ ”اماں!

اس کا مجھے بڑا افسوس ہے۔ اس کے ساتھ ہی شیراز نے میز کا دروازہ کھولا اس میں سے خاکی رنگ کا ایک لفافہ نکالا اور طارق کو تھماتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”بیٹے! جتنا عرصہ تم کام سے غائب رہے ہو اس لفافے میں تمہاری اس عرصے کی تنخواہ ہے۔ یہ تمہارا مجھ پر حق ہذا ہے۔ اگر تم وہاں کے علاوہ بھی کسی اور ہسپتال میں جاتے تب بھی تمہاری تنخواہ کے علاوہ مجھے تمہاری دیکھ بھال بھی کرنا پڑتی۔ تمہاری تنخواہ کے علاوہ اس میں کچھ زائد رقم بھی ہے۔ یوں جانو یہ تمہارے علاج کا خرچہ ہے۔“

طارق نے توصیفی انداز میں کچھ دیر تک شیراز کی طرف دیکھا۔ پھر وہ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ شیراز پہلے ہی بول پڑا۔ ”بیٹے! تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے یہ میرا فرض تھا اور یہ تمہارا حق تھا۔ یہ بتاؤ کہ تم کون سا کام کر سکو گے؟“

اس موقع پر طارق کی چھاتی تن گئی اور کہنے لگا۔ ”شیراز صاحب! آپ بالکل بے فکر رہیں۔ میری ٹانگ کافی حد تک ٹھیک تو ہو گئی ہے۔ زیادہ بوجھ ڈالوں تو پھر تھوڑا سا درد ہوتا ہے اس لئے میں بیساکھیوں کا سہارا لیتا ہوں ورنہ میں بیساکھیوں کے بغیر بھی چل سکتا ہوں۔ بہر حال میں جس طرح پہلے کام کرتا رہا ہوں ویسے ہی معمول کے مطابق کروں گا۔ آپ میرے متعلق بالکل بے فکر رہیں۔ میرے خیال میں اب انھیں اور اپنے کام کی ابتداء کریں۔“

اس پر شیراز، کاشف اور طارق تینوں اٹھ کھڑے ہوئے اور کیمبن سے باہر آئے۔ شیراز اور کاشف نے مل کر بڑی پریس پر پلٹ چڑھادی تھی اس پر کاشف کام کرنے لگا تھا۔ شیراز نے کچھ کام جو روٹا پر کرنے کا تھا وہ طارق کو سنبھال دیا۔ طارق اس کام میں لگ گیا۔ شیراز کیمبن کی طرف جانے کی بجائے کام میں کبھی کاشف اور کبھی طارق کا ہاتھ بٹانے لگا تھا۔

☆

طوبی نے کار احاطے میں داخل کرنے کے بعد عین طارق کے کمرے کے سامنے روکی۔ پھر نیچے اتری۔ اتنی دیر تک طاہرہ خاتون بھی نیچے اتر چکی تھی۔ پھر آگے پیچھے دونوں کمرے میں داخل ہوئیں جہاں سعدیہ بیٹھی تھی۔ جو نہیں طاہرہ خاتون اور طوبی اس کمرے میں داخل ہوئیں دونوں کو اکٹھے دیکھتے ہوئے سعدیہ چونک اٹھی تھی۔ باری باری دونوں

ہے لیکن میں اسے اپنا بیٹا اور بیٹی تسلیم کرتی ہوں۔ سعدیہ! تمہارے علم میں یہ بات تو آچکی ہے کہ طوبیٰ کی نسبت بچپن ہی میں احتشام کے ساتھ طے ہو چکی تھی۔ طوبیٰ کو اس کے باپ، اس کی ماں کی مرضی سے منسوب کیا گیا تھا۔ اب اسے ایک اتفاق کہا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں زمانہ طالب علمی میں کچھ عرصہ اکٹھے رہے۔ ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے اور میری غیر موجودگی میں ان دونوں کا نکاح بھی ہو گیا۔ گویا دونوں اپنی اپنی منزل پانے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن اب جو معاملہ سامنے آیا ہے وہ انتہائی بھیانک ہے۔ گو میری بیٹی نے ناقت کا ثبوت دیتے ہوئے زبردستی احتشام سے طلاق نامے کے اسامپ پر دستخط کروائے تھے۔ آج صبح جب احتشام وہاں گیا تو اس نے اس بات کو تسلیم کیا کہ زبردستی کی یہ طلاق نہیں ہو سکتی۔ اس نے اپنی زبان سے یہ بھی تسلیم کیا کہ اسامپ پیپر پر دستخط کروانے کے باوجود طوبیٰ اس کی بیوی ہے۔ لیکن جو نبی اس پر یہ انکشاف ہوا کہ نجم السحر اس کی ماں ہے اس نے طوبیٰ کو بھی فراموش کر دیا۔ وہ اب اسے اپنی بیوی تسلیم نہیں کرتا۔ میرے لئے یہ سب سے بڑا المیہ سب سے بڑا غم ہے۔ سعدیہ! میں کسی بھی موقع پر تم سے یہ نہیں کہوں گی کہ احتشام کو مجبور کروں کہ اپنی ماں کے پاس رہے۔ اس سے راضی ہو جائے لیکن میں تم سے یہ التماس ضرور کروں گی کہ کسی نہ کسی طرح احتشام کو اس بات پر راضی کرو کہ کم از کم طوبیٰ کو اپنی بیوی تسلیم کرتا رہے۔ اس کے ساتھ رہنے پر تیار ہو جائے۔ طوبیٰ آج ہی رحمان کے ہاں سے شفٹ ہو کر میرے پاس آجائے گی اور مستقل وہاں رہے گی۔ اگر تم احتشام کو آمادہ کر سکو تو یہ جا کر میرے ساتھ رہے اس طرح میرا آبائی گھر جو ویران، سنان پڑا ہے آباد ہو جائے گا اور اگر اس کے خلاف کوئی دوسری صورت پیش آئے تب بھی میں تمہیں ایک مشورہ دوں گی۔ ہو سکتا ہے طارق وہاں جا کر ہمارے ساتھ رہنے پر رضا مند نہ ہو۔ ایسی صورت میں، میں تمہیں پھر زور دے کر کہوں گی کہ کم از کم وہاں نہیں رہنا تو طوبیٰ کو اپنی بیوی کی حیثیت سے یہاں ان کمروں میں رکھنے پر آمادہ ہو جائے۔ بس میں یہ چاہتی ہوں کہ وہ طوبیٰ کو اپنی ذات سے علیحدہ نہ کرے۔ جس وقت وہ ہسپتال سے باہر نکلا تو اس کے انداز، اس کی گفتگو اور اس کے رویے سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر اسے زیادہ تنگ کیا گیا تو وہ طوبیٰ کو کھڑے کھڑے زبانی طلاق دے کر فارغ کر دے گا۔ سعدیہ! اسے سمجھانا کہ کسی بھی صورت طوبیٰ کو طلاق نہ دے بلکہ اپنی بیوی کی حیثیت سے اپنے ساتھ

خلیل تو کام پر گیا ہو گا۔ طارق کہاں ہے؟“

سعدیہ نے نجانے کن خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ چونکی اور کہنے لگی۔ ”بیٹے! وہ تو کام پر گیا ہوا ہے۔ میرے خیال میں تمہاری طرف ہسپتال جانے کے بعد وہاں سے وہ سیدھا پولیس چلا گیا ہو گا۔ بہر حال گھر نہیں آیا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سعدیہ رکی۔ پھر اس نے طاہرہ خاتون کو مخاطب کیا۔ ”طاہرہ خاتون! آپ جانتی ہیں آج تک طارق میرے پاس اپنی مرضی، اپنی رضامندی سے رہا ہے۔ میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ اسے ماں کی مستامہیا کروں۔ وہ اسی رشتے کا بھوکا تھا۔ ہو سکتا ہے اس سلسلے میں مجھ سے کبھی کوتاہی بھی ہوئی ہو۔ اب جبکہ اسے پتہ چل گیا ہے کہ اس کی اصل ماں کون ہے، طوبیٰ سے اس کا کیا رشتہ ہے۔ اگر آپ اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہیں تو اس سلسلے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ میں سمجھوں گی بیٹا جوان ہو گیا تھا اسے بیاہ کر میں نے علیحدہ کر دیا ہے۔ خلیل اور تحریم میرے پاس ہیں یہ میری دیکھ بھال کر لیں گے۔“

طاہرہ خاتون نے عجیب سے دکھ بھرے انداز میں تھوڑی دیر تک سعدیہ کی طرف دیکھا۔ پھر ایک لمبی آہ بھری۔ اس کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔ ”سعدیہ خاتون! ہم نے طارق کو کیا اپنے ساتھ لے کر جانا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں تم نے اس کی ماں ہونے کا حق ادا کیا ہے۔ ہم اسے اپنے ساتھ کیسے لے جاسکتے ہیں۔ وہ میری بیٹی کو اپنی ماں تسلیم کرنے سے انکار کر چکا ہے۔ آج جو حادثہ پیش آیا ہے اور جو گفتگو ہوئی ہے اس سے میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ اس کے دل، اس کے ذہن میں میری بیٹی کے خلاف نفرت کے طوفان بھرے ہوئے ہیں جنہیں ختم کرنا ناممکن نہیں تو انتہا درجہ کا مشکل ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ کسی بھی صورت اپنی ماں کو ماں پکارنا پسند نہیں کرے گا اس لئے کہ میری بیٹی کا سلوک ہی اس کے ساتھ ایسا رہا ہے کہ اس کے ساتھ اپنے رشتے کو وہ تسلیم نہیں کرے گا۔ سعدیہ! میں یہ نہیں کہنے آئی کہ تم اسے مجبور کرو کہ وہ ہمارے ساتھ جا کر رہے یا میری بیٹی نجم السحر کو اپنی ماں تسلیم کرے۔ کوئی بھی بات اس سے زبردستی نہیں منوائی جاسکتی۔ مجھے سب سے بڑی فکر اس وقت جو لاحق ہے وہ اپنی بیٹی طوبیٰ کی ہے۔ یوں جانوان دونوں یہی میری بیٹی ہیں یہی میرا بیٹا ہے۔ اس کائنات کے اندر میرا کل سہارا اللہ کے بعد یہی ہے۔ گو یہ میری پوری

رکھے۔ اگر تم اسے ایسا کرنے پر رضامند کر لو تو میں ساری عمر تمہاری ممنون اور شکر گزار رہوں گی۔“

جب تک طاہرہ بولتی رہی سعدیہ کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ کھلتی رہی۔ جب طاہرہ خاتون خاموش ہوئی تب سعدیہ بول پڑی۔ ”طاہرہ خاتون! بالکل مطمئن رہو۔ ذرا اسے آنے دو۔ وہ ایک انتہائی فرمانبردار، انتہائی نرم دل بیٹا ہے۔ مجھے امید ہے میری بات مانے گا۔ میں یہ ضمانت تو نہیں دے سکتی کہ وہ نجم السحر کے پاس رہ لے گا اور اسے ماں جہنم کر لے گا لیکن میں اس سے اس بات کی ضمانت ضرور لوں گی کہ وہ کسی بھی صورت طوبیٰ و فارغ نہ کرے۔ مجھے امید ہے میں اسے ایسا کرنے پر آمادہ کر لوں گی۔“

سعدیہ کی گفتگو سے طوبیٰ کسی قدر مطمئن اور خوش ہو گئی تھی۔ سعدیہ جب خاموش ہوئی تو طوبیٰ بول پڑی۔ ”اماں! آپ نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ اب میں آپ پر انکشاف کروں کہ تھوڑی دیر تک انکل رحمان کے علاوہ آٹھی نجم السحر، میری دونوں بہنیں طائر اور شمرہ اور احسن بھی یہاں پہنچ جائیں گے۔ امی! طاہرہ ہے احتشام اگر چھاپے خانے گیا ہے شام سے پہلے نہیں آئے گا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہم اس سے ملے بغیر نہیں جائیں گے اس لئے کہ اس سے سارا معاملہ طے کرنا انتہائی ضروری ہے ورنہ امی! مجھے خطرہ ہے کہ غصے میں آکر وہ مجھے بھی فارغ کر دیں گے۔ اگر ایسا ہو گیا تو یاد رکھئے گا طوبیٰ زندہ نہ رہ سکے گی۔“

سعدیہ نے ہاتھ بڑھا کر طوبیٰ کا سر اپنی چھاتی سے لگا لیا۔ اس کا سر، اس کی پیشانی اور اس کا منہ چوم اور بڑے پیار سے کہنے لگی۔ ”میری بچی! تو فکر مند کیوں ہوتی ہے؟ اسے آنے دے۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ میں اسے اس بات پر ضرور آمادہ کر لوں گی کہ وہ تمہیں طلاق نہ دے۔“

طوبیٰ کچھ دیر سوچتی رہی۔ اس کے بعد اس نے دوبارہ سعدیہ کو مخاطب کیا۔ ”اماں! اگر آپ اجازت دیں تو آج یہاں کھانے کا اہتمام میں خود کروں؟ آپ جانتی ہیں سب لوگ یہاں آئیں گے۔ خلیل بھی یہاں نہیں ہے۔ میں تحریم اور زرگونہ کو اپنے ساتھ لے جاؤں ہوں ضروریات کا سارا سامان خرید کر لاتی ہوں۔ آج کھانا میں، زرگونہ اور تحریم مل کر چا کر کریں گی اور عمارت کے سارے لوگ اکٹھے بیٹھ کر کھائیں گے۔ اماں! میں چاہتی ہوں جب وقت میرے معاملے میں آپ احتشام پر زور ڈالیں تو اس موقع پر سلطان انکل کے علاوہ

بھائی بجار خان اور اللہ بخش، زرگونہ کے دونوں بھائی، میا اور باقی سارے لوگ بھی موجود ہوں۔ سب مل کر جب احتشام پر زور ڈالیں گے تو میں سمجھتی ہوں میرا مسئلہ حل ہو جائے گا۔“

سعدیہ مسکرائی اور کہنے لگی۔ ”میری بچی! تمہیں مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ تم جاؤ جو کرنا چاہتی ہو کرو۔ اس لئے کہ تم احتشام کی بیوی ہو۔ تمہارا اس گھر پر حق ہے۔ تم جو چاہے کر سکتی ہو۔ ہاں! ایک بات میں تم سے کہنا پسند کروں گی۔ اگر تم تحریم کو زرگونہ کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہو تو پھر حرا کی طرف بھی جانا۔ اسے اپنے ساتھ لے آنا۔ یاد رکھنا حرا احتشام سے بہت کام لے سکتی ہے اس لئے کہ احتشام اسے اپنی سگی بیٹی کی طرح سمجھتا ہے۔ حرا بھی یہی سمجھتی ہے کہ اس کا حقیقی باپ احتشام ہی ہے۔“

سعدیہ کے خاموش ہو جانے پر طاہرہ خاتون نے پوچھ لیا۔ ”سعدیہ! یہ حرا کی مجھے سمجھ نہیں آئی۔ یہ احتشام کی بیٹی کیسے ہو گئی؟ میں نے طوبیٰ سے پوچھا تھا لیکن یہ مجھے تفصیل نہیں بتا سکی اس لئے کہ ایئر پورٹ سے آتے ہوئے راستے میں اس نے حرا کا ذکر کیا تھا لیکن جب میں نے تفصیل جاننا چاہی تو یہ مجھے مطمئن نہیں کر سکی۔“

سعدیہ مسکرائی اور کہنے لگی۔ آج تک حرا کے متعلق کسی کو کچھ نہیں بتایا گیا۔ بہر حال طوبیٰ اور دیگر لوگوں کے ذہن میں یہ بات ضرور ڈالی گئی تھی کہ حرا احتشام کی حقیقی بیٹی نہیں ہے۔ اب جبکہ حالات ابتر ہو رہے ہیں۔ احتشام کی ماں بھی مل چکی ہے معاملہ اپنے انجام کو جانے والا ہے تو میں یہ راز کھولتی ہوں۔ دراصل سکول کے زمانے میں ہی تین دوست تھے۔ ایک میرا بیٹا طارق جو مر گیا، ایک احتشام، ایک اور لڑکا اسماعیل تھا۔ اسماعیل ایف ایس سی کرنے کے بعد کہیں ملازم ہو گیا۔ پھر اس نے شادی بھی کر لی۔ اس کی ایک بیٹی ہوئی۔ پھر کسی نے ان دونوں میاں بیوی کو غائب کر دیا۔ انہیں کیسے اور کس طرح غائب کر دیا گیا یہ صرف احتشام جانتا ہے۔ ان کے غائب ہونے کے بعد اس نے ان کی بیٹی حرا کو پالنا شروع کیا۔ اسے اچھی تعلیم سے آراستہ کرنا شروع کیا۔ اب بھی یہ کبھی کبھی کہیں جاتا ہے۔ شاید اسماعیل اور اس کی بیوی کو تلاش کرنے کے لئے کہیں جاتا ہے یہ مجھے خبر نہیں۔ دوبار اس سلسلے میں دل کہتا ہے حادثے بھی پیش آچکے ہیں۔ دو مواقع پر کسی نے اسے مارا۔ ایک واقعہ تو طوبیٰ کے نکاح سے بہت پہلے پیش آیا تھا۔ دوسری بار جب اسے مارا گیا اس

میرے بیٹے کا وہ خیال رکھا جو شاید یہاں ہوتے ہوئے میں خود بھی اس قدر دیکھ بھال نہ کرتی۔

نجم السحر مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ سعدیہ بول پڑی۔ ”نجم السحر! تم نے احتشام کے نہ بڑی زیادتی، بڑا جبر اور ظلم کیا ہے۔ یاد رکھنا بچے ہری اور کمزور گھاس کے تنکے کی مانند رہتے ہیں انہیں جس طرف چاہو موزلو۔“

یہاں تک کہنے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے سعدیہ جھیل کے پانی، اداس صنم خانے، شمع بردہ اور شب کے سناٹے میں خاموشی کی طرح چپ رہی۔ اس کے بعد دوبارہ اس نے کہنا شروع کیا۔ ”نجم السحر! بچے اپنے بچپن میں نغموں کے نگارستان جیسی اپنی ماں کی مانتا، چاہت اور خیالستان جیسی اس کی محبت، تخیلوں کی سبک اڑانوں جیسی اس کی دیکھ بھال، صندلی نشو اور ست رنگے دھنک آنچلوں جیسی اپنی ماں کی گود کی حرارت چاہتے ہیں۔ بچے اپنی ماں کی گود ہی میں پرورش پائیں تو ان کے جسم کا ریشم مہکتا ہے اور وہ روشنی کے تازہ نموں کی طرح چمکتے ستاروں جیسا سکون محسوس کرتے ہیں۔ نجم السحر! تم نے احتشام کے نہ بڑی زیادتی کی ہے۔ ڈیڑھ سال کے بچے کو تم اس کی نانی کے حوالے کر کے چلی گئیں پھر اتنے برسوں تک اس کی خیر خبر ہی نہ لی۔ میں تمہیں بتاؤں کہ طارق احتشام کو مجھ سے رو کر کوئی نہیں جانتا۔ اس کے حال اور ماضی میں اب تک تمہارا کوئی نام نہیں ہے۔ میں نئی ہوں تم یہ کہو گی کہ میں طارق کو مجبور کروں کہ وہ تمہارے پاس چلا جائے۔ میں ایسا کرنے پر تیار ہوں لیکن یاد رکھنا اگر اس معاملے میں اس کے ساتھ زبردستی کی گئی تو اس کا نامزد ہار ہو جائے گا۔ اس کی زندگی سزا بن کر رہ جائے گی۔ تمہاری اس کی طرف سے بے پرواہی نے اس کے دل میں بیزاری اور نفرت کی ایسی تہیں چڑھا دی ہیں جو اس قدر لمبی نہیں کی نہیں۔“

سعدیہ جب خاموش ہوئی تو اپنے دونوں ہاتھ بڑھاتے ہوئے بڑی چاہت اور پیار میں نجم السحر نے سعدیہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے۔ پھر منت کرنے کے انداز میں کہنے لگی۔ ”میں یہ نہیں چاہتی کہ آپ احتشام کو مجبور کریں کہ وہ آج ہی میرے ساتھ رہے گھر جائے۔ میں جانتی ہوں وہ ایسا نہیں کرنے گا۔ میرے خلاف اس کی نفرت ایسی ہے جس کی کوئی تہہ نہیں ہے۔ میں خود بھی اندازہ لگا چکی ہوں۔ میری بد قسمتی کہ یہاں آ

وقت طوبی سے اس کا نکاح ہو چکا تھا۔ بتاتا نہیں ہے کہاں جاتا ہے؟ کہاں حرا کے ماں باپ کو تلاش کرتا ہے؟ کون لوگ ہیں جو اسے مارے ہیں؟ بس یہ حقیقت ہے حرا کی۔“

یہ ساری گفتگو سن کر طاہرہ خاتون کسی قدر فکر مند ہو گئی۔ پھر اس کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہوئے۔ کہنے لگی۔ ”اگر کسی نے میرے بیٹے کو دوبارہ مارا ہے تو میں کوشش کروں گی کہ ان لوگوں کو تلاش کیا جائے جنہوں نے میرے بیٹے پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ اگر وہ مجھے مل گئے تو پھر سعدیہ! دیکھنا میں ان کا انجام کیا کراتی ہوں۔“

طوبی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر تحریم اور زرگونہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”میری دونوں بہنو! آؤ میرے ساتھ۔“

تحریم اور زرگونہ دونوں طوبی کے ساتھ ہو لیں۔ جب وہ دروازے کی طرف بڑھیں تو طاہرہ خاتون نے طوبی کو مخاطب کیا۔ ”طوبی بیٹی! تم جارہی ہو تو پھر انگل اور آئی کو فون بھی کر دینا کہ احتشام مل گیا ہے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

طوبی نے اثبات میں گردن ہلائی پھر وہ تحریم اور زرگونہ کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔ ان کے جانے کے بعد طاہرہ خاتون نے سعدیہ کو مخاطب کیا۔ ”سعدیہ میری بیٹی! احتشام کی خالہ اور اس کا چچا جو اس کا خالو بھی ہے اسٹیٹس میں ہوتے ہیں۔ میں ان کے پاس ہی رہ کر آئی ہوں۔ وہ احتشام کی گمشدگی پر بڑے پریشان تھے۔ میرے ساتھ ہی آنا چاہتے تھے لیکن میں نے روک دیا اور انہیں تسلی دی کہ ہم احتشام کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ جب وہ مل گیا تو انہیں اطلاع کر دیں گے۔ احتشام کی خالہ کا نام بدر النساء ہے اور اس کے خالو کا نام سلیمان ہے۔ سلیمان میری بیٹی نجم السحر کے پہلے شوہر اور احتشام کے باپ مسعود کا سگا بھائی ہے۔“

سعدیہ کسی رد عمل کا اظہار کرنا چاہتی تھی کہ عین اس لمحہ ایک گاڑی باہر رکی۔ پھر کمرے میں رحمان، نجم السحر، شرہ، ثانیہ اور احسن داخل ہوئے۔ طاہرہ خاتون نے سعدیہ سے ان سب کا تعارف کروایا۔ پھر سب وہاں بیٹھ گئے۔ نجم السحر بیچاری کچھ دیر گردن جھکائے کھڑی رہی پھر چند لمحوں تک اس نے بڑی عقیدت مندی سے سعدیہ کی طرف دیکھا۔ اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ پھر سعدیہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”سعدیہ خاتون! میں انتہائی درجہ کی تمہاری شکر گزار اور ممنون ہوں کہ میری غیر موجودگی میں تم

کر بھی مجھ سے اس کے حق میں زیادتیاں ہوئیں۔ اگر میں واپس آکر اس سے مل لیتی، اسے
ممتا کا پیار دیتی تو شاید یہ حالت نہ ہوتی۔ لیکن یہاں رہتے ہوئے اس کے ساتھ میری طرف
سے کچھ ایسی زیادتیاں ہوئیں کہ میرے اور اس کے درمیان نفرت اور بیزاری کی جھلک
گہری ہو گئی ہے۔ سعدیہ خاتون! میں تم سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم آہستہ آہستہ احتشام
میری طرف مائل کرنے کی کوشش کرو۔ اگر تم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئیں تو یاد رکھو
میں زندگی بھر تمہاری احسان مند رہوں گی۔ اس کی نفرت میرے ساتھ ایسی گہری ہو گئی
ہے کہ میرے ساتھ طوبی کے تعلق کی وجہ سے وہ اب طوبی کو اپنی بیوی تسلیم نہیں کرے
حالانکہ میں جانتی ہوں وہ طوبی کو پسند کرتا ہے۔ طوبی! بھی اسے چاہتی ہے۔ اب سارا معاملہ
سعدیہ! تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم چاہو تو سارا معاملہ ٹھیک ہو سکتا ہے۔“

نجم السحر خاموش ہوئی تو سعدیہ نجم السحر کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی۔ ”اس موقع
تمہارے کیا جذبات ہیں میں جانتی ہوں۔ اس لئے کہ میں اس کرب سے گزر چکی ہوں۔
میرا بیٹا جب ایک حادثہ میں مارا گیا تھا تو جو حالت اس وقت میری تھی وہ اب مجھے
ہے۔ میں جانتی ہوں اس کرب میں تم بھی مبتلا ہو۔ میں تمہارے ساتھ وعدہ کرتی ہوں کہ
آہستہ آہستہ میں احتشام کے دل میں تمہاری عزت، تمہارا احتشام اور تمہارا مقام بنانے کی
کوشش کروں گی۔ اگر میں ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئی تو میں جانوں گی کہ یہ میری خوش
قسمتی ہے۔“

شام کو کام سے طارق جب گھر آیا تو دنگ رہ گیا۔ اس لئے کہ پہلے کمرے میں رحمان،
لطمان، سعدیہ، نجم السحر، طاہرہ خاتون، القند بخش، بچار خان، علی خان، مراد خان، گل سانگا،
باجاں آراء کے علاوہ ثروت اور اس کی ماں کے علاوہ خلیل اور احسن بیٹھے ہوئے تھے۔
سعدیہ کے پاس نجم السحر کو دیکھتے ہوئے طارق بیزار سا ہوا۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد
اس نے سب کو سلام کیا۔ پھر سعدیہ کے قریب آکر وہ کہنے لگا۔ ”امی! یہ خاتون یہاں کیوں
آئی ہیں؟“ طارق کا اشارہ اپنی ماں نجم السحر کی طرف تھا۔

نجم السحر افسردہ اور لمول ہو گئی تھی۔ سعدیہ نے گھورنے کے انداز میں طارق کی طرف
دیکھا۔ پھر ہلکی سی ڈانٹ میں کہنے لگی۔ ”بیٹا! بری بات۔ ماں کے لئے ایسے الفاظ استعمال
نہیں کرتے ہیں؟“

طارق کی آواز سن کر دوسرے کمرے سے طوبی، ثمرہ، ثانیہ، تحریم اور زرگونہ بھی نکل
آئیں۔ اس کمرے میں آن کھڑی ہوئی تھیں۔ ساری فکر مند کھائی دے رہی تھیں۔ اس موقع
پاچا سارا بوجھ بیساکھیوں پر ڈالتے ہوئے کھڑے ہی کھڑے طارق نے سعدیہ کی طرف
دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”کس کی ماں؟ کیسی اور کون سی ماں؟ اماں! یہ خاتون جو میری
دل بونے کا دعویٰ کرنے کے لئے آگئی ہیں ان سے پوچھئے جب سب لوگوں کی مائیں اپنی
بچی کاڑیوں میں اپنے بچوں کو لینے کے لئے سکول آتی تھیں اور میں پیروں سڑک کے
نارے کھڑا ہو کر رکشہ کا انتظار کرتا تھا اس وقت یہ کہاں تھیں؟ ماں! جب تم اپنے مرنے
والے بیٹے کے لئے سکول کے باہر آکر روتی تھیں اور سکول کے باہر بیٹھ کر میں تقدیر کا
نشتہ پڑھتا تھا۔ تم جانتی ہو کوئی اس وقت میرا پرسان حال نہ تھا۔ کوئی اس سے پوچھے اس
نشتہ یہ کہاں تھی؟“

اماں! ماں تو مایوسی کی گھٹاؤں میں امیدوں کا بادبان، تلخ خفائق میں بہار موسموں کی دلکشی، محرومیوں کے درد میں بیٹے کے لئے نغموں بھری آسودگی ہوتی ہے۔ اماں! طویل سرد راتوں میں جب بچے اپنی ماؤں کی گود کی حدت چاہتے ہیں۔ ٹھٹھرتی شب کے دوران اندھیروں میں اپنی ماں سے بچے جب قصے کہانیاں سننا پسند کرتے ہیں اس وقت اس سے پوچھیں یہ کہاں تھی؟ اماں! اتنے برس پردیس میں رہتے ہوئے کبھی اس نے یہ سوچا کہ میں وطن میں ایک ڈیڑھ سالہ بچے کو بھی چھوڑ کر آئی ہوں۔ اسے بھی ماں کی مسکراہٹ۔ ممتا کی گھلاوٹ و گرمی کی ضرورت ہے۔ اماں! اس نے مجھے ردی تمباکو کے دھوئیں اور ٹوٹے پننے کی اندھی تعبیر سمجھ کر اپنے آپ سے دور کئے رکھا۔“

یہاں تک کہتے کہتے طارق رک گیا تھا۔ نجم السحر نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر غصے کی بجائے کرب تھا۔ لگتا تھا تمام خون سمٹ کر اس کے چہرے پر جمع ہو گیا ہو۔ طارق نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ ”اماں! ماں تو اپنے بچوں کے لئے چلچلاتی دھوپ میں لہجے کی نرمابٹ، دکھ کے راستوں پر پیار کی حدت ہوتی ہے۔ کیا میرے ساتھ بھی کسی نے ایسا معاملہ کیا؟ اماں! جب میں نانی اماں کا گھر چھوڑ کر مستقل تمہاری طرف آگیا تب ایک روز راستے میں ایک واقعہ دیکھتے ہوئے میں بڑا رویا۔ اماں! سردی کا موسم تھا۔ ایک باپ بیٹا بکری کو لے کر جا رہے تھے۔ بیٹے نے بکری کا رسہ پکڑا ہوا تھا۔ اس کا باپ اس کے پیچھے تھا اور ان کے بکری کے نوزائیدہ بچے کو اٹھا رکھا تھا لیکن بکری چلتی نہیں تھی۔ بار بار مڑ کر پیچھے دیکھتی تھی۔ بکری کے مالک کا بیٹا زور زور سے اسے کھینچتا تھا لیکن بکری پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ بکری میاتی، بار بار پیچھے کی طرف بھاگتی۔ آخر کسی بھلے مانس نے انہیں مشورہ دیا کہ بیٹا پیچھے پیچھے چلے، باپ بکری کے بچے کو لے کر آگے چلے۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو بکری اپنے بچے کے پیچھے میاتی اور بھاگتی ہوئی چلنے لگی تھی۔ اس روز مجھے احساس ہوا مجھ سے تو بکری کا بچہ اچھا تھا جس کی ماں میاتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ میری ماں تو مجھے ڈیڑھ سال کا چھوڑ کر پردیس چلی گئی۔ اس کے بعد نہ مڑ کر میری طرف آئی، نہ میری احوال پر سی کی، نہ کبھی میرے متعلق پوچھا کہ کیسا ہوں اور کہاں ہوں۔“

طارق کی اس گفتگو سے اپنی جگہ پر کھڑی طوبی، ثمرہ، ثانیہ، تحریم اور زرگونہ رو دکا تھیں۔ اس موقع پر سعدیہ نے اپنے قریب بیٹھے سلطان اور خلیل سے کچھ کہا۔ اس کا

دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر سلطان نے طارق کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور کہنے لگا۔ ”بیٹے آؤ دوسرے کمرے میں۔“

طارق چپ چاپ سلطان کے ساتھ ہو لیا۔ خلیل اس کے ساتھ تھا۔ پھر سعدیہ نے کمرے کا جائزہ لیا اور بولی۔ ”اللہ بخش، بجا خان، علی خان اور مراد خان! تم بھی دوسرے کمرے میں چلو۔ رحمان صاحب! آپ بھی چلیں۔ سمیعہ، ثروت، گل ساگا! تم لوگ بھی دوسرے کمرے میں چلو۔ مجھے بھی وہاں لے چلو۔“

اس پر سب لوگ اٹھ کر دوسرے کمرے کی طرف چلے گئے تھے۔ علی خان نے سعدیہ کو وہیل چیئر پر بٹھایا پھر اسے بھی دوسرے کمرے کی طرف لے گیا تھا۔ سب ساتھ والے کمرے میں بیٹھ گئے۔ گفتگو کا آغاز طارق کو مخاطب کرتے ہوئے سعدیہ نے کیا تھا۔ ”طارق میرے بیٹے! مجھے مخاطب کر کے جو گفتگو تو نے اپنی ماں کے متعلق کی ہے وہ مجھے پسند نہیں آئی۔ یاد رکھنا ماں ہی ہوتی ہے۔ وہ تمہیں جہنم دینے والی ہے۔ ٹھیک ہے اس سے کچھ غلطیاں ہوئی ہیں۔ میں تسلیم کرتی ہوں اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن بیٹے! رشتوں کو اس طرح توڑا تو نہیں جاسکتا۔ وہ تمہاری ماں ہے۔ اگر ڈیڑھ سال کا تمہیں چھوڑ کر وہ پردیس چلی گئی تھی تو اس کی غلطیوں کے پیچھے اس کی ایک مجبوری بھی تھی۔ تمہارے باپ سے طلاق لے کر اس نے رحمان سے شادی کی تھی اس لئے کہ رحمان کو وہ پہلے سے پسند کرتی تھی۔ رحمان سے تمہارا ذکر اس لئے نہیں کیا تھا کہ شاید رحمان شادی کرنے سے انکار کر دیں۔ بعد میں اس نے اس راز سے پردہ اٹھا دیا اور بتا دیا کہ تم بھی اس کے بیٹے ہو۔ اس کے بعد تمہاری نانی کے علاوہ خود رحمان، تمہاری ماں، تمہاری بہنیں اور بھائی تمہیں تلاش کرتے رہے لیکن بیچ میں کچھ مجبوریاں حائل ہو گئی تھیں۔ ان کی بناء پر تم اپنی ماں سے نہ مل سکے۔ پھر نجم السحر کی مزید بد قسمتی کہ یہاں رہتے ہوئے اس کا تمہارے ساتھ ٹکراؤ ہو گیا۔ اس طرح تم دونوں ماں بیٹے کے درمیان بے تعلقی کی خلیج اور گہری ہو گئی۔ بیٹے! تم نے آتے ہی سوال داغ دیا کہ وہ یہاں کیوں آئی؟ میرے بچے! مجھ سے پوچھو۔ بیٹے کے متعلق ماں کے کیا جذبات ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہے میں نے تمہیں پاا ہے لیکن تمہیں جہنم دینے والی نہیں ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تیرا میرا ماں بیٹے کا رشتہ ہے۔ یہ تیری سعادت مندی ہے کہ تو سنگے بیٹے سے بھی بڑھ کر میری خدمت، میری نگاہ داری کرتا ہے۔ اس کے

مل؟“

اس موقع پر زرگونہ کو نبھانے کیا سوچھی وہ طارق کے قریب آئی۔ اس کے دونوں نے دباتے ہوئے روتی ہوئی آواز میں بول پڑی۔ ”طارق بھائی! کچھ بھی کرنا پر میں آپ بہن زرگونہ آپ سے التماس کرتی ہوں کہ طوبی کو طلاق مت دینا۔“ اس کے ساتھ ہی رُونہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ کمرے میں عجیب سا سماں ہو گیا تھا۔ زرگونہ کی یہ بات دیکھتے ہوئے طارق پگھل کر رہ گیا تھا۔

تحریم بھی آگے بڑھی اور طارق کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہنے لگی۔ طارق بھائی! خدا کے واسطے ہم سب کی موجودگی میں آپ یہ کہہ دیں کہ طوبی اب بھی آپ کی بیوی ہے اور آپ کبھی بھی اسے طلاق نہیں دیں گے۔ میرے بھائی! میں اور زرگونہ دونوں آپ کی بہنیں ہیں۔ ہماری بات مت ٹالنا۔“ زرگونہ کی طرح تحریم بھی رونے لگی۔

زرگونہ اور تحریم کے رونے سے ہر کوئی جذبات میں بہہ کر رہ گیا تھا۔ سعدیہ، سمیعہ، گل ناگ، میا جہاں آراء، ثروت اور باقی سب لوگوں کی آنکھوں میں بھی نمی آگئی تھی۔ اس موقع پر سعدیہ نے دبی دبی کپکپاتی، ڈوبتی ہوئی آواز میں طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق! برے بیٹے! میں طوبی کو اپنی بیٹی سمجھ چکی ہوں۔ اور وہ ہے بھی میری بیٹی۔ اگر تم نے میری نمگی میں یا میرے مرنے کے بعد کسی بھی موقع پر طوبی سے علیحدگی اختیار کرنے کی کوشش کی، اسے طلاق دینے کی کوشش کی تو یاد رکھنا زندگی میں تمہیں کبھی معاف نہیں دیں گی اور میرے مرنے کے بعد میری روح ہمیشہ تم سے خفا رہے گی۔ میرے بیٹے! میں نہیں قسم دلاتی ہوں کہ اگر تم طوبی کو طلاق دو تو مجھ مری ہوئی کا منہ دیکھو۔“

سعدیہ کے ان الفاظ پر طارق تڑپ سا گیا تھا۔ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر کہنے لگا۔ ”خدا کے لئے ایسی گفتگو نہ کریں۔ ایسے الفاظ پھر منہ سے مت نکالنا۔“ اماں! مجھے ہماری ضرورت ہے۔ تم جانتی ہو طارق تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اماں! میں سب لوگوں کی موجودگی میں تمہارے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ میں طوبی کو طلاق نہیں دوں گا۔ میں اسے کہیں فی الحال وہ میرے سامنے آئے نہ مجھ سے زیادہ فری ہونے کی کوشش کرے۔“

باوجود جو رشتہ تمہارا انجم السحر کے ساتھ ہے اسے نہ فراموش کیا جاسکتا ہے نہ بھولا جاسکتا ہے۔“

سعدیہ جب خاموش ہوئی تو طارق بول پڑا۔ ”اماں! آپ اس کی طرف داری مت کریں۔ وہ میرے ساتھ جو سلوک کرتی رہی ہے آپ کو پتہ ہی ہے۔“

اس بار سعدیہ کی بجائے جہاں آراء بول پڑی۔ ”بیٹے! تم اپنی جگہ درست ہو لیکن جو سلوک تمہارے ساتھ اس نے کیا ہے اس میں ایک طرح سے تمہاری محبت ہی پنہاں تھی۔ اگر اس نے طوبی کی زبردستی لینے کی کوشش کی ہے تو اس کے پیچھے تمہاری ہی محبت کا فرما تھی اس لئے کہ طوبی کو وہ تمہاری ہی امانت سمجھتی تھی اور اسے تمہارے ہی لئے رکھنا چاہتی تھی۔ اب اس کی بد قسمتی کہ اسے یہ پتہ نہیں تھا کہ اس کا گم ہونے والا بیٹا تم ہی ہو۔ اگر اسے خبر ہوتی تو وہ بیچاری ایسا کیوں کرتی۔“

طارق پھر بول پڑا۔ ”میا! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ لیکن جو سلوک مختلف مواقع پر میرے ساتھ ہوا ایسا تو کسی پرائے بیٹے کے ساتھ بھی نہیں کرنا چاہئے تھا۔ کیا انجم السحر کے اپنے بیٹوں کے علاوہ جس قدر لوگ ہیں وہ کسی کے بیٹے نہیں؟“

اس بار گل سانگا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”میرے بچے! جو کچھ تم کہتے ہو ٹھیک ہے۔ لیکن ماں کے ساتھ ایسے سخت الفاظ سے تو پیش نہیں آنا چاہئے۔ تم جانتے ہو ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ وہ تمہاری ماں ہے۔ سب کچھ چھوڑ کر تم سے ملنے کے لئے یہاں آئی ہے۔ نہ آتی تو تم اس کا کیا بگاڑ دیتے؟ دیکھو! تمہاری بہنیں طوبی کے پاس کھڑی کیسے رو رہی تھیں۔ آخر انہیں تم سے محبت، ہمدردی اور پیار ہے تو آنسو بہا رہی تھیں۔ تمہاری ماں کیسی سوختہ جاں بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنی نانی اماں کی حالت دیکھو اس بیچاری کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے جنہیں وہ بار بار صاف کرتی تھی۔ یہ سب کیا ہے۔ یہ سب تم سے محبت اور چاہت کا اظہار ہے۔“

گل سانگا کی اس گفتگو کے جواب میں طارق کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس بار ثروت کی ماں سمیعہ بول پڑی۔ ”طارق! میرے بیٹے! یاد رکھنا۔ سب رشتے مل جاتے ہیں لیکن ماں کا وہ لازوال رشتہ اور تعلق ہے جو نہیں ملتا۔ لوگوں کو ماؤں کی قدر کا اس وقت احساس ہوتا ہے جب وہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ جاتی ہیں لیکن اس وقت ماں کو یاد کرنے سے کیا

اس موقع پر اللہ بخش اپنا منہ سعدیہ کے قریب لے گیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا ”اماں! اس قدر ہی کافی ہے۔ آپ دیکھتی ہیں کہ طارق نے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ طوبی کو کچھ طلاق نہیں دے گا۔ فی الوقت وہ واقعی اپنی ماں نجم السحر کی وجہ سے طوبی سے ناراض ہے آہستہ آہستہ جب دونوں ملتے رہیں گے تو یہ ناراضگی ختم ہو جائے گی۔ میرے خیال میں اب طوبی کے سلسلے میں طارق سے بات نہیں کرنی چاہئے۔ میں خود طارق سے اس کی ناراضگی نجم السحر کے سلسلے میں بات کرتا ہوں۔“

سعدیہ نے مسکراتے ہوئے جب اثبات میں گردن ہلا دی تو اللہ بخش نے طارق کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔ ”طارق! تمہاری بڑی مہربانی کہ تم نے ہم سب سے وعدہ کر لیا کہ تم طوبی کو طلاق نہیں دو گے۔ یوں جانو! یہ تمہارا ہم پر احسان ہو گا اس لئے کہ طوبی اب اس چار دیواری کی بیٹی ہے۔ اس کی توہین نہیں ہونی چاہئے۔ دیکھو میرے بھائی! ہم جس قدر لوگ تیرے پاس بیٹھے ہیں یوں جانو ہم سب ایک ہی خاندان کے لوگ ہیں۔ نجم السحر تمہاری ماں ہے۔ جہاں تم نے طوبی کے سلسلے میں ہم سے یہ وعدہ کیا ہے کہ تم کبھی اس کو طلاق نہیں دو گے نجم السحر کے سلسلے میں بھی ہم سے وعدہ کرو کہ جب کبھی وہ تم سے ملنے کے لئے یہاں آئے تو تم اس کی دل نشینی نہیں کرو گے اور اسے یہاں آنے سے روک نہیں کرو گے۔“

اللہ بخش کے بعد بجار خان نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق میرے بھائی! جو کچھ اللہ بخش نے کہا ہے اس سے انکار مت کرنا۔“

پھر علی خان اور مراد خان دونوں آگے بڑھے۔ آپس میں صلاح مشورہ کیا اور طارق سے لپٹ کر وہ بڑی رازداری اور سرگوشی کے انداز میں اسے سمجھانے لگے تھے۔ کچھ دیر بعد ہی سنا رہا۔ پھر طارق نے کچھ سوچا اور وہاں بیٹھے سب لوگوں کو مخاطب کیا۔ ”نجم! یہاں آتی ہے تو میں آپ لوگوں سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے آنے پر اعتراض نہ کروں گا لیکن آپ میں سے کوئی بھی مجھے مجبور نہیں کرے گا کہ میں اسے ماں کہہ پکاروں۔ میرے خیال میں آپ مجھ پر مزید دباؤ نہیں ڈالیں گے۔“

سلطان کچھ سوچتے ہوئے اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور طارق کو مخاطب کر کے کہنے لگا ”طارق! جو کچھ میں کرنے لگا ہوں اس کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کرنا۔“

طارق کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ سلطان دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ لوٹا۔ اس کے ساتھ شمرہ اور ثانیہ تھیں۔ سلطان نے نجائے ان دونوں کو کیا سمجھایا تھا کہ دونوں بہنیں آئیں اور طارق سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔ اس موقع پر طارق کی حالت بھی عجیب ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ ثانیہ اور شمرہ اسی طرح اس سے لپٹ کر روتی رہیں۔ پھر ثانیہ نے اپنے آنسو پونچھے اور طارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”بھائی! ہم دونوں بہنوں کی کیا غلطی کہ آپ ہم سے بھی ناراض اور خفا ہیں۔ ماما سے اگر کچھ غلطیاں ہوئی ہیں تو ان کی سزا آپ ہم دونوں بہنوں کو کیوں دیتے ہیں؟ ہمارے لئے کیوں اجنبی اور بیگانے بنتے ہیں؟“ ثانیہ بول رہی تھی۔ شمرہ ابھی تک اپنا سر طارق کی گود میں رکھے رو رہی تھی۔

اچانک طارق حرکت میں آیا۔ شمرہ کے سر پر اس نے ہاتھ رکھا اور ثانیہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”میں تم دونوں بہنوں سے ناراض نہیں ہوں۔“

طارق کے اس جواب پر شمرہ نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ رونا اس نے بند کر دیا تھا۔ سلطان ایک بار پھر دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا۔ اس کے ساتھ احسن تھا۔ احسن آتے ہی ثانیہ اور شمرہ کے درمیان بیٹھ گیا۔ طارق کی ٹانگوں کے ساتھ لپٹ گیا اور روتے ہوئے کہنے لگا۔ ”بھائی! مجھے معاف کر دیں۔ میں جانتا ہوں آپ کے سلسلے میں مجھ سے غلطیاں اور زیادتیاں ہوئی ہیں۔ آخر آپ کا چھوٹا بھائی ہوں۔ بڑا بھائی باپ کی جگہ ہوتا ہے۔ چھوٹے سے اگر غلطی ہو جائے تو بڑا معاف کر دیتا ہے۔ جب تک آپ معاف نہیں کریں گے میں آپ کی ٹانگیں نہیں چھوڑوں گا۔“ احسن اس کی ٹانگیں پکڑے اس کے پاؤں میں لوٹنے لگا تھا۔

اسی وقت طوبی بھی اس کمرے میں داخل ہوئی۔ زرگونہ اور تحریم دونوں نے آگے بڑھ کر اس کے کانوں میں نجائے کیا سرگوشی کی۔ شاید انہوں نے اس کے کانوں میں یہ لہا تھا کہ طارق اسے کبھی بھی طلاق نہیں دے گا۔ اس پر طوبی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔ احسن ابھی تک طارق کے پاؤں میں پڑا اس کی ٹانگوں سے لپٹا ہوا تھا۔ طارق نے اسے مخاطب کیا۔ ”احسن! اپنی جگہ سے اٹھ جاؤ۔ مجھے تم سے کوئی گلہ، کوئی شکوہ نہیں ہے۔ میں سمجھوں گا میرے مقدر ہی میں ایسا لکھا ہوا تھا۔ اب میرے پاؤں چھوڑو اور اٹھ جاؤ۔“

غریب ساں تھا۔ کھلونے، کپڑے اور ضروریات کی دوسری بے شمار چیزیں وہاں بھی ہوئی تھیں۔ سلطان نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق! بائیں ہاتھ سے شروع کرتے ہیں۔ تمہاری ماں جب تمہیں اپنی مجبوریوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے جھوڑ کر پردیس چلی گئی تو وہ تمہیں بھولی نہیں۔ ذرا سامنے دیکھو جانے کے صرف چند ماہ بعد جو چیزیں اس نے تمہارے لئے بھیجیں وہ سب سامنے پڑی ہوئی ہیں۔ ان میں تمہارے کپڑے بھی ہیں، تمہارے کھونے بھی ہیں۔ دیکھو ان میں تمہاری ضرورت کا کیا کیا سامان پڑا ہوا ہے۔ اس سے آگے بڑھتے جاؤ۔ اب تمہاری عمر چوبیس پچیس سال کی ہو چکی ہے۔ اس کمرے کی دیوار کے ساتھ ساتھ چوبیس پچیس قسم کا سامان پڑا ہوا ہے جو تمہاری ماں ہر سال پردیس سے تمہارے لئے بھیجتی رہی۔ اپنی یہاں آمد سے پہلے جو تمہارے لئے سامان اور کپڑے بھیجے وہ سب سے آخر میں سجا رکھے ہیں۔ ذرا ان سب چیزوں کا جائزہ لو۔ اگر تمہاری ماں نجم السحر کو تم سے پیار نہ ہوتا، اگر وہ تمہیں بھول گئی ہوتی اور تم سے بے پرواہی کا اظہار کرتی تو یاد رکھنا یہ جو کمرے میں سامان سجا ہوا ہے اس کی طرف دیکھو اور جائزہ لے کر ایمان داری سے فیصلہ کرو۔ کیا کوئی بے پرواہ ماں کسی ایسے بچے کے لئے اس قدر کر سکتی ہے جسے وہ فراموش کر چکی ہو؟ نہیں! ہرگز نہیں!“

ادھر سلطان سارا سامان طارق کو دکھا رہا تھا۔ دوسری طرف اپنے قریب بیٹھے خلیل سعدیہ نے مخاطب کیا۔ ”بیٹے! میری کرسی نجم السحر کے پاس لے چلو۔“

خلیل اپنی جگہ سے اٹھا۔ اپنے دونوں ہاتھ وہیل چیئر پر جمائے اور وہیل چیئر کو وہ دوسرے کمرے کی طرف لے گیا اور اس کرسی کے سامنے کھڑا کیا جس پر نجم السحر بیٹھی ہوئی تھی۔

سعدیہ نے نجم السحر کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔ ”نجم السحر میری بہن! میں جانتی تھی کہ طارق تمہیں یہاں دیکھ کر غصے اور لاعلمی کا اظہار کرے گا لہذا میں اسے دوسرے کمرے کی طرف لے گئی تھی۔“

یہاں تک کہتے ہوئے سعدیہ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ دوسرے کمرے سے اللہ بخش، بجا خان، علی خان، مراد خان، گل ساہو، سمیعہ اور ثروت اس کمرے میں آن بیٹھے تھے۔ سعدیہ نے گفتگو کا سلسلہ پھر شروع کیا۔ ”نجم السحر میری بہن! طارق کو سلطان بھائی شہر کی

طارق کا کہنا سننے ہوئے احسن نور اٹھ گیا اور قریب پڑی ہوئی خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ طارق نے اب سلطان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ ”انکل سلطان! میں جانتا ہوں آپ جو کچھ کر رہے ہیں اس میں خلوص، اس میں دیانت داری، اس میں اپنائیت، پیار اور محبت ہے۔ لیکن میری گزارش ہے کہ اب احسن کے بعد نجم السحر کو اندر مت لے کر آئیے گا۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو میں سمجھوں گا آپ مجھ سے زیادتی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نجانے کیا سمجھا بچھا کر ثانیہ، ثمرہ اور احسن کو اندر لے آئے۔ مجھے ان تینوں سے کوئی شکوہ، گلہ نہیں ہے۔“

طارق کہتے کہتے رک گیا۔ اس لئے کہ اچانک احسن اپنی جگہ سے اٹھا، جذبات سے مغلوب طوبی کی طرف بڑھا، نیچے جھکا اور طوبی کے دونوں پاؤں پکڑ لئے پھر منہ اوپر کر کے طوبی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”طوبی! میری بہن! تمہارے سلسلے میں مجھ سے جو غلطی اور زیادتی ہوئی مجھے معاف کر دو۔ میری اچھی بہن! انکار مت کرنا۔ اگر تم نے مجھے معاف کر دیا تو میں جانوں گا میں نے اپنی زندگی میں کچھ نہیں کھویا۔ میں بد بخت نہیں جانتا تھا کہ میں اپنے بھائی کے حق پر ڈاکہ ڈال رہا ہوں اور میرے ہی بھائی کے ساتھ تیرا نکاح ہوا ہے۔ میری بہن! میں بھٹک گیا تھا۔ مجھے معاف کر دو۔ انکار مت کرنا۔“

طوبی نیچے جھکی۔ بازو سے پکڑ کر احسن کو اٹھایا اور کہنے لگی۔ ”احسن! میرے بھائی! مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں۔ تم نے مجھے بہن کہہ کر پکارا۔ تمہاری اس پکار ہی سے میں باغ باغ اور خوش ہو کر رہ گئی ہوں۔ مجھے اس بات کی بھی بے حد خوشی ہے کہ طارق نے بھی تمہیں معاف کر دیا ہے۔“

طوبی جب خاموش ہوئی تو سلطان نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق میرے بیٹے! میں جانتا ہوں تمہیں اپنی سگی ماں نجم السحر سے بے شمار گلے شکوے ہیں لیکن ساتھ ہی میں یہ کہوں گا کہ تمہیں ابھی تک اس محبت کا احساس، اس چاہت کی گہرائی کا علم ہی نہیں ہے جو ایک بیٹے کی حیثیت سے نجم السحر کو تم سے ہے۔ اگر اس کی تھوڑی سی جھلک دیکھنا چاہتے ہو تو ذرا اپنی جگہ سے اٹھو اور میرے ساتھ اپنے سنور روم کی طرف چلو۔“

سلطان کے کہنے پر طارق اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور سلطان کے ساتھ بولیا۔ طوبی، ثانیہ، ثمرہ، تحریم اور زرگونہ ان کے پیچھے بولی تھیں۔ سلطان کے ساتھ طارق جب اپنے سنور روم میں داخل ہوا تو دمک رہ گیا۔ سنور روم کی چاروں دیواروں کے ساتھ ساتھ عجیب و

ہیں بیٹھنا چاہتا تو جس طرح رحمان نے اس کے لئے فزیو تھراپی کا ڈیپارٹمنٹ تیار کیا تھا اسی لئے کو سنبھال لے۔ اس طرح وہ مصروف بھی رہے گا۔ یہاں پریس میں کام کرتے رہے۔۔۔۔۔“

انجم السحر کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس بار اس کے قریب بیٹھا ہوا رحمان بول پڑا۔ انجم السحر! تم جو کہہ رہی ہو ٹھیک ہے۔ لیکن فی الحال اس موضوع پر طارق سے گفتگو نہیں کرنا چاہئے۔ دیکھو! آہستہ آہستہ اسے اس طرف لائیں گے۔ اس طرح وہ ہمارا کہانا لے گا۔ ہماری بات مان کر رہے گا۔ میں خود چاہتا ہوں وہ پریس میں کام کرنا چھوڑ دے۔ بے ہمتی میں کام کرنا شروع کرے۔ اگر وہ ہسپتال میں نہیں بیٹھنا چاہتا اور ہو سکتا ہے ہماری وجہ سے وہاں بیٹھنا پسند نہ کرے تو پھر طوبی کے آفس چلا جائے طوبی کا سارا کام نبھالے۔ وہ اکیلی دو ڈیپارٹمنٹ چلا رہی ہے۔ دونوں مل کر اپنے کام کو چلائیں اور اس کام میں طوبی اسے اسسٹ کرتی رہے گی۔۔۔۔۔“

رحمان کہتے کہتے رک گیا کیونکہ اسی لمحہ سلطان، طارق، طوبی، زرگونہ، تحریم، ثانیہ اور انہیں کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ آتے ہی سلطان نے کہنا شروع کیا۔ ”تحریم اور زرگونہ میری دونوں بیٹیو! پہلے یہ بتاؤ کھانے میں کتنی دیر ہے؟“

زرگونہ یا تحریم کی بجائے طوبی بول پڑی۔ ”انکل کھانا بالکل تیار ہے۔ آپ جب چاہیں ہم کھانا لگالیں گے۔“

سلطان نے ایک ہلکا سا قبضہ لگایا اور کہنے لگا۔ ”بیٹی! پھر سوچنے کی کیا بات ہے؟ کھانا لگاؤ۔“

اس کے ساتھ ہی طوبی نے زرگونہ اور تحریم کو اپنے ساتھ آنے کے لئے کہا۔ اس موقع پر ثانیہ اور ثانیہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پھر ثانیہ نے طوبی کو مخاطب کیا۔ ”طوبی! میری بہن! تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو ہم دونوں ہمیں بھی آجائیں؟“

طوبی نے جب مسکراتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ باورچی خانے کی طرف جانے کی بات دے دی تب وہ دونوں ہمیں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پیچھے پیچھے ثروت اپنے بیٹے کو لے کر ان سب کے ساتھ باورچی خانے کی طرف چلی گئی تھی۔ باورچی خانے سے وہ سامان لے کر اس کمرے میں سجانے لگی تھیں جہاں کبھی کبھی عمارت کے سب لوگ

طرف لے گئے ہیں جہاں اس سامان کو سجایا گیا ہے۔ جو تم ساتھ لے کر آئی ہو وہ سارا سامان اسے دکھا رہے ہیں۔ ان سب لوگوں کی موجودگی میں طارق کے ساتھ میری تفصیلاً گفتگو ہوئی ہے۔ پہلی اچھی بات جو میں نے اس سے منوائی ہے یہ کہ وہ طوبی سے علیحدگی اختیار نہیں کرے گا۔ میری بہن! تم جانتی ہو اس سے پہلے وہ طوبی سے بیزار ہی ظاہر کر رہا تھا اور اس سے علیحدگی پر آمادہ تھا۔ میں نے اس سے قسم لے لی ہے کہ میری زندگی میں اور مرنے کے بعد وہ طوبی سے علیحدگی اختیار نہیں کرے گا۔ میں اس کی شکر گزار ہوں کہ اس نے میرا کہنا مانے ہوئے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ طوبی سے وہ علیحدگی اختیار نہیں کرے گا۔ دوسری اچھی بات انجم السحر! تمہارے لئے ہے۔ تم یہاں آ سکتی ہو اسے دیکھ سکتی ہو۔ اس سے مل سکتی ہو۔ اس سلسلے میں طارق نہ تمہیں منع کرے گا، نہ کوئی اعتراض کھڑا کرے گا۔ فی الحال تم جانتی ہو وہ غصے میں ہے۔ اسے تم لوگوں سے بڑے شکوے، بے شمار گلے ہیں۔ میری بہن! یہ ساری چیزیں آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ تم فکر مند نہ ہونا۔ تم جذباتی ہو کر ٹینشن مت لینا۔ اپنی صحت مت خراب کر بیٹھنا۔ بہر حال طارق تمہارا بیٹا ہے اور مجھے امید ہے کہ عنقریب وہ تمہاری ہر بات مانے گا۔ فی الحال وہ تمہیں ماں کہہ کر نہیں پکارے گا۔ میں جانتی ہوں وہ غضب ناک اور غصے میں ہے لیکن میرا دل کہتا ہے کہ کوئی وقت ایسا ضرور آئے گا کہ وہ اپنے سارے گلوں اور اپنے سارے شکوؤں کو پس پشت ڈالتے ہوئے تمہارے ساتھ اپنے رشتے کو استوار کرے گا۔ تیسری اچھی بات یہ کہ اس نے احسن کو معاف کر دیا ہے۔ ثانیہ اور ثمرہ دونوں ہمیں اس سے گلے مل کر رو دی تھیں۔ ایک طرح سے اس نے ان دونوں کو بھی اپنی بہن تسلیم کر لیا ہے۔ یاد رکھنا! آہستہ آہستہ سارے حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ لیکن میری بہن! اس معاملے میں تم جلد بازی نہ کرنا۔“

سعد یہ جب خاموش ہوئی تب انجم السحر نے اسے مخاطب کیا۔ ”سعد یہ! میری بہن! اس سے ایک اور بات کرنی تھی۔ اس کی ٹانگ ابھی ٹھیک نہیں ہے یقیناً اس کی ٹانگ میں درد ہوتا ہو گا جس کی بناء پر وہ بیساکھیوں کا سہارا لیتا ہے۔ اس نے پھر پریس میں کام کرنا شروع کر دیا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔ کسی طرح اسے آمادہ کرو۔ اپنے ہسپتال چلا جایا کرے۔ کچھ بھی نہ کرے وہاں بیٹھا ہے آرام سے۔ اگر وہ میرے ساتھ میرے کمرے میں نہیں بیٹھنا چاہتا تو میں اس کے لئے ایک علیحدہ کمرے اور آفس کا اہتمام کر دیتی ہوں۔ اگر وہ وہاں فارغ

بینہ کر کھانا کھاتے رہے تھے۔ جب کھانا لگا دیا گیا تب طوبی، سلطان کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ ”انکل! کھانا لگا دیا گیا ہے۔“

اس پر سب کو مخاطب کر کے سلطان کہنے لگا۔ ”انھیں! سب لوگ کھانا کھائیں۔“
سب لوگ اس کمرے سے اس بڑے ہال کی طرف چلے گئے تھے جس میں کھانا لگا دیا گیا تھا۔ سب سے آخر میں خلیل اور طارق دونوں سعدیہ کی وہیل چیئر کو دھکیلے ہوئے اس کمرے کی طرف گئے۔ سعدیہ کی وہیل چیئر کو میز کے سامنے لگا دیا گیا۔ خلیل کو سلطان نے اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ وہاں ایک خالی کرسی تھی۔ خلیل، سلطان کے پاس بیٹھ گیا۔ اب ایک ہی خالی کرسی تھی جو نجم السحر کے ساتھ تھی۔ شاید ایسا جان بوجھ کر کیا گیا تھا۔ طارق نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس موقع پر نجم السحر بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر بڑے پیار سے اس نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”بیٹے! یہاں آ جاؤ۔ یہاں میرے پاس کرسی خالی ہے۔“

طارق نے نجم السحر کے ان الفاظ کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس نے منہ دوسری طرف پھر لیا تھا۔

اس تلخ صورت حال کو شاید سب نے محسوس کیا تھا۔ سب سے پہلار د عمل احسن کی طرف سے ہوا۔ وہ اس وقت ثانیہ اور ثمرہ کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کڑا ہوا۔ پھر اس نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق بھائی! آپ یہاں آ جائیں۔ میں جا کر ماما کے پاس بیٹھ جاتا ہوں۔“

احسن اپنی جگہ سے اٹھ کر طارق کے پاس گیا۔ کندھوں سے پکڑ کر اسے سہارا دیا۔ اس کے ایسا کرنے پر طارق نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ کندھوں سے پکڑ کر ہی احسن نے ثانیہ اور ثمرہ کے درمیان طارق کو بٹھا دیا۔ خود جا کر وہ نجم السحر کے پہلو میں بیٹھ گیا تھا۔ اس موقع پر ثانیہ نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق بھائی! کیا آپ ہم دونوں بہنوں کے ساتھ ناراض ہیں؟“

طارق کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ منہ سے کچھ نہ بولا۔ تاہم اس نفی میں سر ہلادیا تھا۔

”ہمیں فخر ہے ہم آپ جیسے بھائی کی بہنیں ہیں۔“

پھر سب لوگ چپ چاپ کھانا کھانے لگے تھے۔

کھانے کے بعد رحمان اور نجم السحر نے سعدیہ سے جانے کی اجازت لی۔ اس پر اچانک طارق کو کچھ یاد آیا۔ اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ پانچ پانچ سو کے چند نوٹ نکال کر سعدیہ کو تھما دیئے اور کہنے لگا۔ ”اماں! جتنا عرصہ میں ہسپتال میں رہا پر لیس والوں نے مجھے اس دورانے کی بھی تنخواہ دے دی ہے۔ یہ رقم سنبھال لو۔“

سعدیہ نے نوٹ مٹھی میں بند کر لئے تھے۔ پھر نجم السحر سعدیہ نے گلے ملی۔ سعدیہ کے بدوہ باری باری جہاں آراء، گل سانگا، زرگونہ، ثروت اور سمیعہ سے گلے ملی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے ثمرہ اور ثانیہ نے بھی ایسا کیا تھا۔ آخر میں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی نجم السحر طارق کے قریب آئی۔ طارق نے جب دیکھا کہ نجم السحر اس کی طرف آرہی ہے تب وہ منہ دوسری طرف کر کے کھڑا ہو گیا۔ نجم السحر وہیں رکی اور دکھی لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”بیٹے! میں جانتی ہوں تمہارے معاملے میں مجھ سے بے شمار غلطیاں، بہت سی کوتاہیاں ہوئیں۔ لیکن میرے بیٹے! انسان خطا کا پتلا ہے۔ میں اس وقت کا بے چینی سے انتظار کروں گی جب تم مجھے ماما کہہ کر مخاطب کرو گے۔ ایسا کرنے کے لئے میرے بچے! اگر تم سے معافی بھی مانگتی پڑی تو میں ہچکچاؤں گی نہیں۔“

پھر نجم السحر پیچھے ہٹ گئی۔ ثانیہ اور ثمرہ آگے بڑھیں۔ ثمرہ اپنا ہاتھ طارق کے کندھے پر رکھ کر کھڑی ہو گئی جب کہ ثانیہ سامنے آئی اور طارق کو اس نے مخاطب کیا۔ ”طارق بھائی! مجھے اور ثمرہ کو تو یہ سمجھ نہیں آرہی کہ ہم آپ کو طارق کہہ کر مخاطب کریں یا احتشام۔ بہر حال چونکہ ماما نے آپ کا نام احتشام رکھا تھا۔ ہم کبھی آپ کو احتشام پکاریں گی اور سعدیہ اماں نے طارق رکھا تھا لہذا ہم اس نام کو بھی فراموش نہیں کریں گے۔ آپ کو طارق بھی کہہ کر مخاطب کریں گی۔ بھائی! آپ نے خود کہا تھا کہ آپ میرے اور ثمرہ کے ساتھ ناراض نہیں ہیں۔ بھائی! آپ وعدہ کریں کہ آپ ہم سے ملنے ہمارے ہاں آیا کریں گے۔ بلکہ ہمارے ہاں نہیں اپنے ہاں آیا کریں گے۔ وہ بھی گھر آپ کا ہے۔ بہنیں تو پرائی ہوتی ہیں۔ بہنیں، بیٹیاں چڑیوں کی طرح ہوتی ہیں۔ داناد نکا چک کے بس چڑیوں کی طرح اڑ جاتی ہیں اور اپنے اپنے گھروں کی طرف چلی جاتی ہیں۔ پاپا اور ماما کے پاس جو کچھ ہے وہ اب اور احسن ہی کا ہے۔ میرے بھائی! بولیں نا! آپ چپ کیوں ہیں؟“

طارق نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس خاموشی سے ثانیہ کی طرف دیکھتا رہا۔ تاہم ثانیہ نے اندازہ لگایا کہ اس کی آنکھوں میں شکوے ہی شکوے تھے۔

ثانیہ نے پھر اسے مخاطب کیا۔ ”اچھا بھائی! اگر آپ ہسپتال یا گھر نہیں آنا چاہتے مجھے یہ ہے ماما سے آپ کو بڑے گلے شکوے ہیں تو ہم آپ دونوں بہنوں کو اجازت دیں کہ ہم یہاں آکر آپ سے مل لیا کریں۔ احسن کو بھی ساتھ لے آیا کریں گی۔“

طارق نے پھر بھی منہ سے بولتے ہوئے کوئی جواب نہ دیا تھا۔ تاہم اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیل گئی۔ ساتھ ہی اس نے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔ اس کا یہ جواب پا کر ثانیہ اور ثمرہ خوش ہو گئی تھیں۔

عین اسی موقع پر قریب کھڑا احسن آگے بڑھا۔ طارق کو اپنے ساتھ لپٹالیا۔ پھر اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے گیا اور بڑی پیاری سی سرگوشی میں کہنے لگا۔ ”بھائی! جو کچھ ہوا اس پر مٹی ڈال دینا۔ میں آپ کا چھوٹا بھائی ہوں۔ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔ بڑا بھائی باپ کی جگہ ہوتا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں اونچی آواز میں سب لوگوں کے سامنے کہوں بلکہ سپیکر لے آؤں اس پر زور زور سے اعلان کروں کہ جو معاملہ میں اور ماما نے آپ کے ساتھ کیا ہے اس کے لئے اگر آپ مجھے جوتے بھی ماریں تو بھائی! میں آپ کے سامنے نہ سر اٹھاؤں گا نہ آپ کے خلاف کچھ کہوں گا۔ بھائی! میری آپ سے التماس ہے میری طرف سے اپنا دل صاف کر لیں۔ جہاں ثانیہ اور ثمرہ اس بات کی خوشی کا اظہار کر رہی ہیں کہ ان کے دو بھائی ہیں وہاں مجھے بھی بے شمار خوشیاں ملی ہیں کہ مجھ سے بڑا میرا بھی بھائی ہے۔“

احسن تھوڑی دیر کے لئے رکا۔ پھر دوبارہ بولا۔ ”بھائی! کھانے کے کمرے میں آپ کے جانے سے پہلے ثانیہ اور ثمرہ کے ساتھ میری ایک موضوع پر بات ہو رہی تھی۔“ موضوع آپ کی بنی ہوئی بیٹی حرا کے متعلق تھا۔ بھائی! اگر آپ کی اجازت ہو تو کبھی کبھی ہم اسے گھر لے جایا کریں؟ مجھے امید ہے کہ آپ انکار نہیں کریں گے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہوٹل والے اسے ہمارے ساتھ نہیں جانے دیں گے لیکن چونکہ طوبی کا وہاں نام لکھا ہوا ہے لہذا طوبی بہن اسے وہاں سے لے جایا کرے گی۔ مجھے امید ہے آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

جب تک احسن بوتلارہا طارق چپ چاپ سنا رہا۔ اس کے خاموش رہنے نے ردھیے

میں کہنے لگا۔ ”تم جب چاہو طوبی سے کہہ کر حرا کو اپنے ساتھ لے جاسکتے ہو۔“ اس پر احسن نے ایسی خوشی کا اظہار کیا کہ اپنی جگہ پر سے اچھلتے ہوئے وہ تہقہ لگانے لگا تھا۔ شاید خوش تھا کہ کم از کم طارق نے اس سے بات کرنا تو پسند کی۔ پھر احسن نے دوبارہ طارق کو مخاطب کیا۔ ”بھائی! یہ بیساکھیوں کی جان کب چھوڑیں گے؟“

طارق پھر مسکرایا اور کہنے لگا۔ ”میں ان کے بغیر بھی چل سکتا ہوں۔ لیکن ٹانگ پر بوجھ ڈالنے سے کبھی کبھی ہلکا سا درد اٹھ کھڑا ہوتا ہے لہذا یہ بیساکھیاں استعمال کر لیتا ہوں۔“

احسن نے ہاتھ بڑھا کر دونوں بیساکھیاں لیں۔ بیساکھیوں کو ایک طرف دیوار کے ہاتھ کھڑا کیا پھر طارق کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”ایک بار بغیر بیساکھیوں کے مجھے گلے لگائیں۔ اگر آپ ایسا کریں تو بھائی یاد رکھنا مجھے ایسا سکون، ایسی خوشی ملے گی جس کا اظہار میں الفاظ میں نہیں کر سکتا۔“

اس کے ساتھ ہی احسن خود آگے بڑھا اور طارق کے ساتھ لپٹ گیا تھا۔ طارق نے بھی اسے اپنے ساتھ لپٹالیا تھا۔ یہ ساری صورت حال دیکھتے ہوئے وہاں کھڑے سب لوگ بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ نجم السحر مسکرا بھی رہی تھی، آنکھوں میں آنسو بھی آگئے تھے۔ شاید وہ خوشی اور اطمینان کے آنسو تھے۔

احسن شاید مزید کچھ کہتا کہ قریب ہی کھڑی طوبی چند قدم آگے بڑھی۔ پھر طارق کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”جو آپ کی گفتگو ثانیہ، ثمرہ اور احسن کے ساتھ ہوئی میں سن چکی ہوں۔ اب آپ بتائیں میرے لئے کیا حکم ہے؟“

طارق سنجیدہ ہو گیا اور کہنے لگا۔ ”تمہارے لئے کوئی حکم نہیں۔ تم اپنا کام چلاؤ اور اپنے حرمیں رہو۔“

طوبی نے گھورنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگی۔ ”وہ کیوں؟ میں آپ کی بیوی ہوں۔ کیا میں یہاں نہیں آسکتی؟“

طارق نے کسی قدر روکھے پن میں جواب دیتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”نہیں! اس لئے تمہارا میرا صرف نکاح ہوا ہے رخصتی نہیں ہوئی۔ تم نہ زیادہ آسکتی ہو اور نہ زیادہ ٹھہر سکتی ہو۔“

اس پر کندھے اچکاتے ہوئے طوبی کہنے لگی۔ ”یہ تو وقت بتائے گا کہ میں یہاں زیادہ ٹھہر

سکتی ہوں کہ نہیں۔“

طوبی مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ رحمان کی آواز سنائی دی۔ ”آؤ بچے! چلیں۔ پھر غور، بھی رحمان آگے بڑھا۔ طارق کو لپٹا کر اسے پیار کیا۔ پھر شانہ تھپتھپایا۔ اس کے بعد نجم الحمر، طوبی، ثانیہ، ثمرہ اور احسن وہاں سے چلے گئے تھے۔

☆

اگلے روز غسل کرنے اور لباس تبدیل کرنے کے بعد جب وہ ساتھ والے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں سعدیہ، خلیل اور تحریم اکٹھے بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ طارق ان کے قریب آیا۔ ایک کرسی کھینچ کر ان کے قریب ہو بیٹھا۔ تحریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”تحریم! آج کیا بات ہے؟ باورچی خانہ ٹھنڈا دکھائی نہیں دیتا میری بہن! تم ناشتہ بنا کر فارغ ہو گئی ہو اور خلیل! تم نے ابھی تک لباس تبدیل نہیں کیا۔ کام پہ نہیں جاؤ گے؟“

طارق کے ان سوالوں کے جواب میں سعدیہ، تحریم اور خلیل مسکرا کر رہ گئے تھے۔ باری باری ان تینوں کا جائزہ طارق نے لیا اور کہنے لگا۔ ”آج کیا بات ہے؟ تم تینوں میرے خلاف کوئی محاذ تو تیار نہیں کر رہے؟ یاد رکھنا! اگر ایسا ہوا تو پھر تینوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

طارق نے یہ گفتگو ازراہ تمسخر کہی تھی۔ ساتھ میں خود بھی مسکرا دیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ طارق پھر بولا۔ ”خلیل! کام پہ جاؤ گے کہ نہیں؟“

خلیل کچھ سنبیدہ ہو گیا۔ پھر طارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”بھائی! ابھی تو کافی وقت ہے میرے اور آپ کے کام پہ جانے کے لئے۔ پورا ایک گھنٹہ پڑا ہوا ہے اور اس ایک گھنٹہ میں آج کل کے دور میں بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔“

طارق نے اس بار بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ ”تمہارا گفتگو کا انداز بدلا سا ہے۔ لگتا ہے تمہاری ذات کے اندر کوئی نیا سوچ لگ گیا ہے۔“ پھر طارق نے تحریم کی طرف دیکھا۔ ”تحریم! میری بہن! تم نے بھی میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ ناشتہ تیار ہے کہ نہیں؟“

تحریم مسکرا دی۔ پھر کہنے لگی۔ ”طارق بھائی! آج ناشتہ آپ کو بڑا اعلیٰ پائے کا ملے گا۔“

ہوں اور طوبی آپ کو کام پر پہنچائے گی۔ لیکن اس سلسلے میں مجھے طوبی سے اختلاف ہے۔ اس کی تفصیل میں آپ سے بعد میں کہوں گا۔ پہلے آپ ہمارے ساتھ مل کر ناشتہ کریں۔“ جب تک احسن بولتا رہا خاموش رہ کر طارق سنتا رہا۔ جب وہ چپ ہوا تب طارق بول پڑا۔ ”تمہیں ناشتہ لانے کے لئے کس نے کہا؟ اماں، تحریم یا خلیل نے؟“

طارق کو سنجیدہ دیکھتے ہوئے احسن بھی کسی قدر سنجیدہ ہو گیا۔ پھر کہنے لگا۔ ”میرے عزیز بھائی! ناشتہ لانے کے لئے نہ مجھے سعدیہ اماں نے کہا، نہ تحریم بہن نے نہ خلیل نے بلکہ ماما جب کل یہاں سے رخصت ہونے لگی تھیں تو جاتے جاتے وہ تحریم کو بڑی تاکید کے ساتھ کہہ کر گئی تھیں کہ ناشتہ وہ خود بھیجیں گی، تحریم ناشتہ تیار نہ کرے۔ اسی بناء پر تحریم نے آج ناشتہ تیار نہیں کیا ہو گا۔ لہذا اکل کے طے شدہ پروگرام کے تحت میں ناشتہ لے آیا ہوں۔ اس میں ان تینوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔“

طارق نے کچھ سوچا پھر فیصلہ کن انداز میں بول پڑا۔ ”احسن! تم جانتے ہو جو کو تاہیاں تم سے ہوئیں وہ میں معاف کر چکا ہوں۔ میں تمہارے آنے جانے پر بھی پابندی نہیں لگاتا۔ تم جب چاہو یہاں آ سکتے ہو لیکن ناشتہ واپس لے جاؤ۔ میں ناشتہ نہیں کروں گا۔ ہمارے ہاں اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے۔ اسی سے گزر بسر کریں گے۔ ناشتہ واپس لے جاؤ اور اپنی ماما سے جا کر کہنا آئندہ ہمارے لئے کوئی ایسا اہتمام نہ کرے۔“

احسن نے کچھ سوچا۔ پھر طارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”میں اپنی ماما سے جا کر کیوں کہوں؟ میری ماما آپ کی بھی تو ماما ہے۔ آپ خود کیوں نہیں کہہ لیتے۔ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔ آپ ایسا کرنے کے مجھ سے زیادہ مجاز ہیں اور پھر آپ کے لئے یہ ناشتہ بڑی محبت، اور چاہت کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ میں جانتا ہوں ماما سے آپ کو بڑے گلے، بڑے شکوے ہیں۔ آپ ان سے جس قدر بھی نفرت کا اظہار کریں وہ ہمارے لئے قابل برداشت ہے۔ اس لئے کہ ماضی میں آپ کے ساتھ بڑی زیادتیاں ہوئی ہیں۔ ان کی تلافی کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ لیکن بھائی! یہ ناشتہ میں واپس نہیں لے کر جاؤں گا اس لئے کہ میں آپ سے قسمیہ کہتا ہوں کہ ناشتہ کا حکم ماما ہی نے دیا تھا لیکن ناشتہ تو میری اور آپ کی دونوں بہنوں ثانیہ اور ثمرہ نے تیار کیا ہے۔ انہوں نے ہی پیک کر کے بھیجا ہے۔ آپ ان دونوں کو معاف کر چکے ہیں۔ ان دونوں کو اپنی بہنیں بھی تسلیم کر چکے ہیں اور میرے

بس تھوڑی دیر انتظار کیجئے۔ پھر دیکھئے غائب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔“

طارق پھر مسکرا دیا اور کہنے لگا۔ ”کیا آسمان سے من و سلوا اترے گا؟“

اس پر تحریم نے ایک قہقہہ لگایا۔ کہنے لگی۔ ”طارق بھائی! آپ نے بالکل صحیح کہا۔ آج ہم چاروں کے لئے واقعی من و سلوا ہی اترے گا۔ بس تھوڑی دیر انتظار کیجئے۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔“

طارق پھر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک ساتھ دو کاریں عمارت کے احاطے میں داخل ہوئیں اور ان کی رہائش گاہ کے سامنے آکر رک گئیں۔ پھر ایک کار سے احسن، دوسری سے طوبی اترتی تھیں۔ دونوں نے پچھلی نشستوں سے کچھ سامان اٹھایا۔ پھر وہ سامان اٹھائے دونوں اکٹھے اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں سعدیہ، خلیل، طارق اور تحریم بیٹھے ہوئے تھے۔ طوبی اور احسن کو دیکھتے ہی بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے تحریم نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق بھائی! میں نے آپ سے کہا تھا کہ آج ہمارے لئے غائب سے من و سلوا ہی اترے گا۔ آپ دیکھ لیں۔ من و سلوا والے پہنچ گئے ہیں۔“

طوبی اور احسن کو دیکھتے ہوئے طارق سنجیدہ ہو گیا تھا۔ ان دونوں کی طرف اس نے دیکھا نہیں۔ بس اپنی ماں کی طرف دیکھ جا رہا تھا۔ طارق کے قریب آکر طوبی اور احسن نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر بلند آواز میں انہوں نے سلام کیا۔ دھیمے سے لہجہ ملا طارق نے سلام کا جواب دیا۔ طوبی آگے بڑھی، سعدیہ کے قریب بیٹھ گئی۔ اس کے بعد ایک بھر پور نگاہ اس نے طارق پر ڈالی۔ پھر سعدیہ کو مخاطب کیا۔ ”اماں! لگتا ہے ہمارے آنے سے پہلے کسی انتہائی سنجیدہ موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ذرا طارق کی طرف دیکھیں کیسے سنجیدہ ہو رہے ہیں۔“

سعدیہ نے طوبی کو اپنے ساتھ لپٹا کر اس کا سر چوما۔ پھر کہنے لگی۔ ”نہیں بیٹی! سنجیدہ موضوع پر گفتگو نہیں ہو رہی تھی بلکہ تمہاری آمد سے پہلے ہم چاروں قہقہے لگا رہے تھے۔“ اتنی دیر تک احسن بھی ایک کرسی کھینچ کر طارق کے قریب ہو بیٹھا۔ پھر طارق کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔ ”طارق بھائی! میں اور طوبی دونوں بہن بھائی اپنا فرض ادا کرنے آئے ہیں۔ طوبی نے مجھے فون کیا لہذا ہم دونوں بہن بھائی نانی اماں کے گھر اکٹھے ہوئے اور وہاں سے اکٹھے ہی آپ کی طرف آئے ہیں۔ میں تو آپ کے لئے ناشتہ لے کر آ

ہے اور چھوٹے بھائی کی ادنیٰ خواہش کو میں سمجھتا ہوں میرا بڑا بھائی رد نہیں کرے گا۔“
دھیمے دھیمے مسکراتے ہوئے طارق بول پڑا۔ ”تم ڈاکٹر ہو۔ لیکن دوسروں کو قائل
رنے کی قوت بھی تم میں ہے بہر حال جو کچھ لائے ہو کھولو ناشتہ کریں۔ پھر میں اور خلیل
کام پر جائیں۔“

طارق کے ان الفاظ پر طوبی چھلانگ لگاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تحریم کو اس نے
اشارہ کیا۔ اس نے میز کھینچ کر درمیان میں رکھ دیا۔ طوبی اس پر ناشتے کی اشیاء لگانے لگی۔ پھر
ب مل کر ناشتہ کرنے لگے تھے۔ ناشتے کے بعد طارق جب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تو طوبی
بھی بنی الفور اس کا پیچھا کرتی ہوئی اٹھی۔ پھر طارق کے سامنے آئی اور بڑے پیار اور محبت
میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”احسن بھائی نے آپ کو بتایا کہ ہم بہن بھائی ایک
دوسرے کو فون کر کے اکٹھے آئے ہیں۔ احسن تو گھر سے آپ کے لئے ناشتہ لے کر آیا تھا
اور میں اس ارادے سے آئی تھی کہ آپ کو آپ کے پرپس چھوڑ کر آؤں گی۔“

لحہ بھر کے لئے طارق نے گھور کے طوبی کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ ”بس یوں جانو
تمہارا مجھے پرپس چھوڑنے کا کام ہو گیا۔ میں جس طرح پہلے جاتا ہوں اسی طرح جاؤں گا۔
اس سلسلے میں کبھی مجھ سے نہ الجھنا، نہ بحث کرنا۔ میں روز وین سے جاتا ہوں اور وین ہی سے
جاؤں گا۔“

طوبی پھر بول پڑی۔ ”پہلے اور بات تھی۔ اب آپ کی ٹانگ میں تکلیف ہے۔ وین پر
جاتے ہوئے آپ دقت محسوس کریں گے لہذا سب سے مل کر میں نے فیصلہ کیا تھا کہ ہر
روز آپ کو پرپس چھوڑنے بھی جاؤں گی اور لے کر بھی آؤں گی۔“

طارق نے فوراً اس کی بات کاٹ دی اور کہنے لگا۔ ”تمہیں چھوڑنے اور لانے کی نہ کوئی
ضرورت ہے اور نہ تم ایسا کرو گی پہلے میں خود جاتا رہا ہوں اور گھر لوٹتا رہا ہوں۔ پہلے کی
طرح اب بھی میں آجاسکتا ہوں۔“

طوبی مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ہاتھ کے اشارے سے احسن نے اسے خاموش رہنے
کے لئے کہا۔ وہ چپ رہی۔ اس پر احسن بول پڑا۔ ”بھائی! میرا عہد ہے کہ میں آپ کے
سامنے کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ ناشتہ ثانیہ اور شمرہ نے بھیجا
تھا۔ آپ کی مہربانی آپ نے کھالیا۔ واقعی ان دونوں بہنوں نے بھیجا تھا۔ ماما کو انہوں نے

خیال میں ان کے ہاتھوں کی پکی ہوئی چیز کو میرا دل کہتا ہے واپس نہیں کریں گے اس لئے کہ
بہنیں بھائیوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ طارق میرے بھائی! بہنیں تو بیچاری چیزیں ہیں
مانند ہوتی ہیں۔ ماں باپ کے گھر چند دن رہ کر اپنے اپنے گھونسلوں کو اڑ جاتی ہیں۔ پھر
قسمت ساتھ دے تو لوٹ کر اس آنگن کی طرف دیکھتی ہیں جس میں انہوں نے پرورش
پائی ہوتی ہے ورنہ جدھر جاتی ہیں ادھر ہی گھونسلہ بنا کر زندگی کے سارے دن گزار دیتی
ہیں۔ میرا دل کہتا ہے بہنوں کی بھیجی ہوئی چیزوں کو آپ ٹھکرائیں گے نہیں۔“

احسن تھوڑی دیر کے لئے رکا۔ پھر اس نے دوبارہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ ”ثانیہ اور شمرہ
دونوں میرے ساتھ آئیں لیکن وہ دونوں ہسپتال چلی گئی ہیں۔ ماما اور پاپا بھی ہسپتال جا چکے
ہیں۔ بڑی بہن ثانیہ نے کہا تھا کہ میں ناشتہ لے کر چلا جاؤں۔ اگر طارق بھائی ناشتہ لے لیں
تو معاملہ ختم ہو جائے گا اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ آج آپ نے ناشتہ کر لیا تو کل
دونوں بہنیں خود آپ کے لئے ناشتہ لے کر آئیں گی۔“

احسن کے خاموش ہونے پر طارق بول پڑا۔ ”احسن! ایسی زحمت کرنے کی کوئی
ضرورت نہیں ہے۔ ناشتہ یہاں بھی ہم چاروں روز کر رہے ہیں۔ آج تم نے چونکہ
معقول بہانہ بنا لیا ہے کہ ناشتہ ثانیہ اور شمرہ نے بھیجا ہے لہذا میں اسے واپس لے جانے کے
لئے نہیں کہتا۔ لیکن میرے بھائی! آئندہ ایسا نہ کرنا۔ اس طرح یوں جانو میری ماں، میرا
بہن تحریم اور میرے بھائی خلیل کے سامنے میری سبکی، میرا ہلکا پن ہوتا ہے کہ میں ان کے
لئے ضروریات زندگی فراہم کرنے کے قابل نہیں رہا۔“

طارق مزید کہنا چاہتا تھا کہ احسن نے فوراً اس کی بات کاٹ دی اور بول پڑا۔ ”طارق
میرے بھائی! ایسا معاملہ نہیں ہے۔ میں آپ کا چھوٹا بھائی ہوں۔ آپ کا مجھ پر میرا آپ کا
حق ہے۔ ماضی میں جو کچھ ہوا اسے میں ایک لعنت سمجھ کر زمین میں دفن کر چکا ہوں۔ اب
آپ میرے لئے باپ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی ہر بات میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی
ہے۔ لیکن میرے بھائی! مجھ سے کم از کم بڑے بھائی کے رشتے کا احترام، اس کا ادب اور
رشتے کے حوالے سے جو مجھ پر فرائض عائد ہوتے ہیں وہ تو نہ چھینیں۔ بہر حال آپ،
نہیں مانیں گے۔ کبھی کبھی گھر کی اچھی چیز پکی ہو تو میں ضرور آپ کے لئے لے کر آیا کروں
گا۔ آپ انکار نہیں کریں گے۔ بس یوں جانیں چھوٹے بھائی کی یہ چھوٹی سی ادنیٰ خواہش

دن بڑی تیزی کے ساتھ گزرتے رہے۔ طارق کی ٹانگ اب بالکل ٹھیک ہو چکی تھی۔ بغیر میسا کھینوں کے وہ چلتا تھا۔ بڑی باقاعدگی سے کام پر جا رہا تھا۔ احسن، ثانیہ، ثمرہ، طوبی اور رحمان اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہے تھے کہ کسی نہ کسی طریقے سے طارق اپنی ماں نجم السحر سے راضی ہو جائے لیکن طارق کسی بھی طور نجم السحر کو ماں کہہ کر پکارنے پر رضامند نہ تھا۔

☆

اس روز طارق اور خلیل دونوں کی چھٹی تھی۔ دونوں بھائی تحریم اور سعدیہ کے ساتھ ناشتہ کرنے کے بعد فارغ ہوئے ہی تھے کہ ان کے ہاں رحمان، نجم السحر، احسن، ثمرہ، ثانیہ، طوبی اور نجم السحر کی ماں اور طارق کی نانی طاہرہ خاتون داخل ہوئے۔

ثانیہ اور ثمرہ دونوں نے اپنے ہاتھوں میں بڑے بڑے شاپنگ بیگ پکڑ رکھے تھے۔ دونوں طارق کے دائیں بائیں آکر بیٹھ گئی تھیں۔ باقی لوگ دوسری کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ پھر ثانیہ نے طارق کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔ ”طارق بھائی! میں اور ثمرہ دو ٹوٹے بیسن آپ، اماں سعدیہ، تحریم اور خلیل بھائی کے لئے کچھ سلیمان لے کر آئے ہیں۔ دیکھنا بھائی انکار مت کرنا۔ اس سامان میں ماما کی مرضی، نہ ان کی پسند شامل ہے۔ یہ سارا کام میں اور ثمرہ دونوں بہنوں نے مل کر کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ ایک بھائی اپنی دونوں بہنوں کا کھانا لے گا نہیں۔“

طارق کچھ نہ بولا۔ بس خاموش رہا۔ اس کی خاموشی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ثانیہ نے پہلے ایک شاپنگ بیگ اس پلنگ پر ملنا جس پر سعدیہ بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر دوسرا شاپنگ بیگ بھی اس نے الٹ دیا۔ اس کے بعد وہ ثمرہ کے ساتھ مل کر کپڑوں کے سینٹ بنانے لگی تھی۔

جب ایسا ہو چکا تب ثانیہ کچھ دیر تک بڑے غور سے طارق کی طرف دیکھتی رہی۔ اس لئے کہ طارق بھی ان سب کپڑوں کا جائزہ لے رہا تھا جو ثانیہ اور ثمرہ لے کر آئی تھیں۔ پھر

تیار نہیں کرنے دیا۔ ثانیہ اور ثمرہ کو پہلے ہی شک تھا کہ اگر ماما نے ناشتہ تیار کیا تو آپ نہیں کھائیں گے۔ بہر حال آپ کی مہربانی۔ آپ نے میری عزت رکھی۔ اب ایک پیغام ماما کی طرف سے ہے۔ میں نے کہا میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ جو حقیقت ہے اسے ویسے کا ویسا آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ ماما کا آپ کے نام پیغام یہ ہے کہ آپ پریس کی سروس چھوڑ دیں۔ انہوں نے جس انداز میں یہ بات کہنے کے لئے کہا تھا آپ کے سامنے وہ انداز تو میں نہیں اپنا سکتا۔ انہوں نے بڑی ساجت اور رونے دھونے کے انداز میں کہا تھا کہ بھائی سے میری طرف سے التماس کرنا کہ پریس کا کام چھوڑ کے اپنے ہسپتال واپس آ جائیں۔ ہسپتال میں اپنی مرضی کے مطابق جس کام کو بھی اپنے لئے مناسب اور آسان سمجھیں وہ آپ کر لیں۔ یہ ماما کی طرف سے آپ کے لئے پیشکش ہے بلکہ میں یہ کہوں گا کہ ماما کی طرف سے یہ پیشکش نہیں بلکہ خلوص میں ڈوبی ہوئی التجا ہے۔ میں پہلے بھی آپ سے کہہ چکا ہوں یہ بات کہنے کے لئے جو طریقہ جو لہجہ ماما نے استعمال کیا تھا وہ آپ کے سامنے میں نہیں اپنا سکتا۔ بہر حال ماما میرے اور آپ کے لئے ایک جیسی ہیں بلکہ میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ ماما آپ کو مجھ پر ترجیح دینے لگی ہیں۔ آگے ماما کی بات ماننا یا نہ ماننا آپ کا ذاتی فعل ہے۔ اس پر نہ میں کوئی اعتراض کروں گا نہ مجبور کروں گا۔“

جب تک احسن بولتا رہا۔ طارق سنتا رہا۔ کبھی کبھی بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ تاہم اس کے چہرے پر کسی ناپسندیدگی کے آثار نہیں تھے۔ احسن جب خاموش ہوا تو طارق نے اسے مخاطب کیا۔ ”جو کچھ تم نے کہا ہے وہ اپنی جگہ درست ہے لیکن دیکھو میرے اور تمہاری ماما کے درمیان اجنبیت اور بیگانگی کی جو خلیج حائل ہے نہ میں اسے پار کر سکتا ہوں نہ تمہاری ماما اسے عبور کر سکتی ہے۔ ہم سب کے درمیان رشتے، ضابطے، تعلقات جہاں تک آکر ٹھہر گئے ہیں میرے خیال میں اسی پر اکتفا کرنا چاہئے۔ تم لوگ اگر بیٹھنا چاہو تو کوئی اعتراض نہیں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔ میں کام پر جاتا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی طارق وہاں سے چلا گیا تھا۔

☆

ہوں ماں نہیں کہہ سکتا۔“

طارق کے ان الفاظ پر نجم السحر اور طاہرہ خاتون دونوں ہی اداس اور افسردہ ہو گئی تھیں۔ رحمان کے چہرے پر بھی ملول سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ پھر طارق کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”میرے بیٹے! تم غلط سمجھے ہو۔ میں تمہاری ماما نجم السحر سے متعلق بات نہیں کروں گا۔ میں تو اپنی ایک مجبوری تمہارے سامنے بیان کرنے لگا ہوں اور مجھے امید ہے کہ تم میری مجبوری، میری بے بسی پر میرا ساتھ دینے کی کوشش کرو گے۔ بیٹے! بات دراصل یوں ہے کہ تمہاری بہن ثانیہ کا ہم نے ایک جگہ رشتہ طے کیا ہے۔ بڑے اچھے لوگ ہیں۔ لڑکا ڈاکٹر ہے۔ یوں جانو ثانیہ کے ساتھ ہی پڑھتا رہا ہے۔ وہ باقاعدہ منگنی کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے انہوں نے ہم سے تاریخ مانگی تھی۔ میں نے انہیں یہی جواب دیا ہے کہ میں اس سلسلے میں ثانیہ کے بڑے بھائی طارق سے بات کروں گا اور اس سے بات کرنے کے بعد میں تم لوگوں کو منگنی کی تاریخ دوں گا۔ بیٹے! کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس منگنی میں تم نے ثانیہ کے بڑے بھائی کی حیثیت سے شامل ہونا ہے۔ اس لئے کہ جہاں ہم اس کا رشتہ طے کر رہے ہیں وہاں ہم نے بتا دیا ہے کہ میرے اور نجم السحر کے دو بیٹے اور دو ہی بیٹیاں ہیں۔ بیٹے! اگر تم منگنی میں نہ گئے تو یاد رکھنا ہماری عزت خاک میں مل کر رہ جائے گی۔ میں یہ بھی بتا دوں کہ میں نے انہیں یہ بھی کہا تھا کہ میرا ایک بھتیجا بھی ہے نام اس کا خلیل ہے اور اس کی شادی ہو چکی ہے اس کی بیوی کا نام تحریم ہے اور وہ بھی اس منگنی میں شامل ہوں گے۔ مزید میں تم سے یہ بھی کہوں کہ سعد یہ کا بھی میں ان سے ذکر کر چکا ہوں۔ اب جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ منگنی کی اس رسم میں تم چاروں شامل ہو گے۔“

رحمان کی اس ساری گفتگو کا جواب طارق دینا ہی چاہتا تھا کہ اتنے میں اس کے ساتھ پریس میں کام کرنے والا کاشف تقریباً بھاگتا ہوا آیا اور طارق کے پاس رکا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”طارق! غضب ہو گیا۔ شیراز صاحب کی ڈسٹھ ہو چکی ہے۔ گزشتہ شب انہیں ہارٹ ایک ہو اتھا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ آج چار بجے ان کا جنازہ ہے۔ چلو جلدی کرو۔ ان کے ہاں چلیں۔“

طارق اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”انکل! جس

طارق نے ثانیہ کو مخاطب کیا۔ ”میری بہن! میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ میں تم دونوں کو بہن تو تسلیم کرتا ہوں لیکن یہ جو تم کر رہی ہو اس کا بوجھ، اس کا وزن میں نہیں اٹھا سکتا۔ ثانیہ میری بہن! ایک موقع پر میں نے پہلے بھی تم سے کہا تھا کہ ایسے تکلفات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔“

طارق مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ثانیہ نے بولتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ ”بھائی! یہ تکلف نہیں ہے۔ نیا کوئی بہن اپنے بھائی کے لئے شاپنگ نہیں کر سکتی؟ اس میں چند سوٹ آپ کے ہیں۔ ایسے ہی اور سوٹ سعد یہ اماں، تحریم اور خلیل کے لئے بھی ہیں۔ اس میں کوئی تکلف ہے نہ فضول خرچی۔ ضرورت کی چیزیں ہیں اور وہ میں اور شمرہ خرید لائی ہیں۔ آپ انکار نہیں کریں گے۔“

طارق جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس موقع پر اپنی کرسی گھسیٹ کر رحمان اس کے قریب آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”طارق بیٹے! ان کپڑوں کے متعلق تو تم سے گفتگو ہوتی رہے گی۔ بہر حال میں تم سے یہ کہوں گا کہ اپنی دونوں بہنوں ثانیہ اور شمرہ کی اس پسند کو ناپسند نہ کرنا۔ انہیں قبول کرنا۔ یہ ایک ثانوی مسئلہ ہے۔ آج ہم سب مل کر جس موضوع پر میرے بیٹے! گفتگو کرنا چاہتے ہیں وہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔“

رحمان کے خاموش ہونے پر طارق بول پڑا۔ ”انکل! جس مسئلہ پر آپ گفتگو کرنا چاہتے ہیں میں جانتا ہوں۔ میں آپ سے پہلے بھی التماس کر چکا ہوں کہ میں ثانیہ اور شمرہ دونوں کو اپنی بہنیں تسلیم کر چکا ہوں۔ احسن کو بھی معاف کر چکا ہوں۔ اس کے ساتھ میرا رویہ بھائیوں جیسا ہے۔ میں اس کا بھی ممنون اور شکر گزار ہوں کہ وہ میری عزت اور احترام کرتا ہے۔ ماضی میں ہم دونوں کے درمیان جو کچھ ہوا اس کی وہ معافی مانگ چکا ہے۔ میں بھی اسے فراموش کر چکا ہوں۔ جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں نہ ہی کہیں تو اچھا ہے۔“

طارق تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر دوبارہ اس نے کہنا شروع کیا۔ ”انکل! رحمان! میں نے چند ہفتے پہلے بھی ایک بار طوبیٰ اور احسن سے التماس کی تھی کہ ہمارے درمیان جو تعلق اور رشتہ جہاں تک ہے اسے وہیں تک رہنا چاہئے۔ ہمارے درمیان ایک حد ہونی چاہئے نہ اس حد کو آپ عبور کریں نہ میں اسے عبور کروں گا۔ میں جانتا ہوں آپ یہی کہیں گے کہ میں اب کی بیوی کو ماں کہہ کر پکاروں۔ رحمان انکل! میں آپ کی مسز کو میڈم تو کہہ کر پکار سکتا

موضوع پر آپ گفتگو کرنا چاہتے تھے اس موضوع پر گفتگو کر کے فیصلہ بعد میں کریں گے۔ میں تمہارے لئے ہی رکا تھا ورنہ میں اپنے کام کی ابتداء کرنے لگا تھا۔ اب تم فی الحال مجھے جانا ہے۔ آپ برا مت محسوس کیجئے گا۔ آپ نے بیٹھنا ہے تو بیٹھیں۔ میں چاہا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی طارق کاشف کے ساتھ باہر نکلا۔ اس موقع پر بڑی تیزی کے ساتھ طوبی بھی باہر آئی اور طارق کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ چلتی ہوں۔ دونوں کو گاڑی میں لے جاتی ہوں۔“

طارق نے اسے فوراً جھڑک دینے کے انداز میں کہہ دیا۔ ”طوبی! حد سے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہیں کہہ چکا ہوں اپنی حدود میں رہو۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔“

اس کے ساتھ ہی طوبی ادا اس اور افسردہ سی ہو کر کمرے میں واپس آگئی تھی۔ طارق کاشف وہاں سے چلے گئے تھے۔ طوبی، ثانیہ، ثمرہ، طاہرہ خاتون، نجم السحر، رحمان اور احسن بھی کچھ دیر وہاں بیٹھ کر سعدیہ، تحریم اور خلیل کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ پھر وہ بھی وہاں سے چلے گئے تھے۔

☆

شیراز کے مرنے کے سوگ میں پریس تین دن بند رہا۔ چوتھے دن جب طارق کام پر آیا تو پریس تو بند تھا لیکن کاشف باہر کھڑا تھا۔ وہ ادا اس اور افسردہ تھا۔ طارق کو دیکھتے ہی وہ اس کی طرف بڑھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”میں یہاں تمہارے لئے ہی رکا ہوا تھا ورنہ میں کب کا جا چکا ہوتا۔ دیکھو! پریس اب نہیں کھلے گا۔ شیراز صاحب کے بیٹے یہاں آئے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے گفتگو کی ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ وہ پریس بچ رہے ہیں لہذا تم لوگ اپنی نوکریوں کا بندوبست کر لو۔ تم جانتے ہو شیراز صاحب کے دونوں بیٹے آوارہ مزاج اور فضول خرچ ہیں۔ میرے خیال میں ان میں سے ایک تو یہیں رہے گا۔ دوسرا پریس وغیرہ اور عمارت بچ کر باہر جائے گا۔ بہر حال کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تمہاری اور میری نوکری گئی۔ میرے خیال میں طارق! تم گھر جاؤ۔ میں اردو بازار کے چکر لگاتا ہوں اور کسی دوسرے چھاپ خانے میں کام تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ساتھ ہی میں تمہارے لئے جاب تلاش کروں گا۔ مجھے امید ہے دونوں بھائی کسی نہ کسی پریس میں کام حاصل کرنے میں کامیاب

ہیں گے۔ میں تمہارے لئے ہی رکا تھا ورنہ میں اپنے کام کی ابتداء کرنے لگا تھا۔ اب تم فی الحال مجھے جانا ہے۔ آپ برا مت محسوس کیجئے گا۔ آپ نے بیٹھنا ہے تو بیٹھیں۔ میں چاہا ہوں۔“

☆

اس وقت ٹی وی لاؤنچ میں ثانیہ، ثمرہ کے علاوہ احسن، نجم السحر، رحمان، طاہرہ خاتون اور طوبی بیٹھے ہوئے تھے۔ سب چونک پڑے کیونکہ اس میوزک پروگرام میں طارق اور ظیل نمودار ہوئے تھے۔

ظیل دو طلبے سنبھال کر بیٹھ گیا تھا۔ مائیک کے سامنے طارق آن کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں وائیلن تھا۔ اس طرح ظیل نے طلبے پر تھوڑی دیر ہاتھ مارتے ہوئے لے درست کیا۔ پھر دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اس کے بعد طارق وائیلن کو رکت میں لاتے ہوئے بجانے لگا۔ ایک غزل دھن تھی جسے وہ بجا رہا تھا جس کے بول کچھ

ہم کو کس کے غم نے مارا یہ کہانی پھر سہی
کس نے تو زادل ہمارا یہ کہانی پھر سہی

ظیل بڑی مشاقی کے ساتھ طلبہ بجا رہا تھا جبکہ طارق بھی بہترین مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس غزل کی دھن کو وائیلن پر بجانے لگا تھا۔ وائیلن کی اس دھن میں ایک ٹیپ سوز، ایک نا آشنا گداز، ایک انوکھی کیفیت اور سوز طاری کر دینے والی ایک کشش تھی۔ آہستہ آہستہ طلبے کی تیز ہوتی دھن کے ساتھ وائیلن بھی بڑے کرب خیز انداز میں اپنی آواز میں عیسٰی کشش پیدا کرتا جا رہا تھا۔ یہ دھن سنتے ہوئے لمحہ بہ لمحہ نجم السحر بیچاری

حاش کے لئے سرگرداں ہیں۔ ان کی پریس کا مالک فوت ہو گیا تھا۔ بیٹوں نے پریس اور کی جگہ بچا دی ہے لہذا طارق بھائی بے روزگار ہو چکے ہیں۔ انہیں کی وجہ سے امی اداس افسردہ ہو گئی ہیں۔“

نجم السحر نے کرسی آگے کھینچی اور کہنے لگی۔ ”اس میں فکر مندی کی کون سی بات ہے؟ اصل میرے کچھ جاننے والے تھے جو اسٹیشن میں ہمارے ساتھ رہے۔ وہ بھی ہماری جگہاں شفقت ہوئے ہیں۔ ان کی بیٹی اور بیٹے کی شادی تھی۔ ان کی شادی سے چند دن ہی انہوں نے ہمیں بلا لیا۔ لہذا کوئی ہفتہ بھر ہم لوگ آپ لوگوں کی طرف نہیں آئے۔ اگر طارق کی سروس جاتی رہی ہے تو سعد یہ! تمہیں فکر مند اور پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ اس نالائق سے کہنا تھا کہ اگر اس کی سروس جاتی رہی ہے تو ادھر ادھر بھاگ کر نے اور دھکے کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سیدھا ہسپتال چلا آتا۔ مجھ سے بات نہ اپنے انکل رحمان سے سارا معاملہ کہتا اور وہیں ہسپتال میں کام کرنا شروع کر دیتا۔ یہ اگلا ناکام ہے۔“

نجم السحر مزید کچھ کہتی لیکن سعد یہ بول پڑی۔ ”میری بہن! جو بات تم نے کہی ہے یہ نے بھی اس سے کہی تھی۔ دو دن بچا رہا جب ناکام لوٹتا رہا ہے تو میں نے اسے یہی مشورہ کہ رحمان انکل کے پاس ہسپتال چلے جاؤ۔ وہ کہیں نہ کہیں تمہاری ایڈجسٹمنٹ کر دیں لیکن وہ بات بامناہی نہیں ہے۔“

سعد یہ کہتے کہتے رک گئی۔ اس لئے کہ عین اسی لمحے کمرے میں خلیل داخل ہوا اور سب نے سلام کہا پھر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے نجم السحر فوراً بول ”خلیل بیٹے! تم نے بتایا ہی نہیں تم دونوں بھائیوں کا ایک پروگرام ٹی وی پر آیا تھا۔ کم میں اطلاع ہی کر دیتے کہ کب وہ ریکارڈ ہوا ہے اور کب آن ایئر ہونا ہے۔ تاکہ ہم دیکھنے کی پہلے ہی تیاری کر لیتے۔“

خلیل کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر کہنے لگا۔ ”میں نے میا کے ہاں پ کو بتانے کے لئے فون کیا تھا۔ آپ کے ہاں کھنٹی بجتی تھی لیکن فون کوئی نہیں فٹا۔“

سوس کا اظہار کر کے نجم السحر کہنے لگی۔ ”بیٹا! تمہارا کہنا درست ہے۔ دراصل ہم کچھ

دلگیر، غمگین، افسردہ اور غمزہ ہوتی چلی گئی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکلے تھے۔ باقی سب لوگ بھی اداس اور افسردہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ثانیہ، ثمرہ اور احسن ماں کی حالت پر پس سے گئے تھے۔ طبلہ بجا رہا تھا اور وائیلن چاروں طرف افسردگی اور سماں باندھے ہوئے تھا۔ تھوڑی دیر تک ایسا ہی سماں رہا۔ نجم السحر رو رہی تھی۔ یہاں کہ طارق اور خلیل کا کام ختم ہوا۔ اناؤنسر بیچ پر آیا۔ اس نے کسی اور گانے والے کو بلایا۔ السحر اپنی آنکھیں صاف کر رہی تھی۔

اس موقع پر طاہرہ خاتون اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے طوبیٰ کو مخاطب ”طوبیٰ میری بیٹی! چلو گھر چلیں۔“

نجم السحر نور آسنجھل گئی اور طاہرہ خاتون کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”امی! کیا کرنا گھر جا کے۔ دونوں یہیں رہ لیں۔ آپ چلی جاتی ہیں تو یہاں دل نہیں لگتا۔ پلیز! یہیں لیں۔ خانساں اور اس کی بیوی دونوں گھر پر ہیں۔ کچھ نہیں ہوتا۔ کل طارق کی طرف جانا ہے۔ یہیں سے جائیں گے۔ انکار نہ کیجئے گا۔“

اپنی بیٹی کی حالت دیکھتے ہوئے طاہرہ خاتون اپنی جگہ بیٹھ گئی تھی۔ اس کی طرف ہوئے طوبیٰ بھی بیٹھ گئی۔ پھر وہ پہلے کی طرح ٹی وی دیکھنے لگے تھے۔



اگلے روز سب طارق کے ہاں داخل ہوئے۔ گھر پر صرف سعد یہ اور تحریم ہی تھیں سب پہلے کمرے میں سعد یہ کے قریب بیٹھ گئے۔ پھر نجم السحر نے سعد یہ کو مخاطب ”سعد یہ میری بہن! کیا طارق اور خلیل ابھی تک کام سے نہیں آئے؟“

سعد یہ نے دھیمے اور غمزہ سے لہجے میں جواب دیا۔ ”بس! آنے ہی والے ہوں گے سعد یہ کے بولنے کے انداز سے نجم السحر ہنسی پھر پوچھنے لگی۔ ”میری بہن! کیا ہے؟ تم کچھ افسردہ اور اداس سی دکھائی دے رہی ہو۔ تمہاری کپکپاتی ہوئی آواز میں جھلکتا ہے۔“

اس بار سعد یہ کی بجائے طوبیٰ کے قریب بیٹھی ہوئی تحریم بول پڑی۔ اس نے نجم ا مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔ ”آئی! میں بتاتی ہوں۔ امی اداس اور افسردہ کیوں دراصل بات یہ ہے کہ طارق بھائی کی سروس چھوٹ گئی۔“

سعد یہ اسے پیار کرتی رہی۔ پھر اسے مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ علیحدہ ہوتے ہوئے حرا اس سے پہلے ہی بول پڑی۔ ”اماں! ماما مجھے ہو سٹل سے گھر لے گئی ہیں۔“ حرا مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس کی طرف بڑے غور اور تعجب سے دیکھتے ہوئے سعد یہ نے پوچھ لیا۔ ”کون سی ماما؟ کس کی بات کر رہی ہو؟“

قبل اس کے کہ حرا بولتی مسکراتے ہوئے نجم السحر نے کہنا شروع کیا۔ ”سعد یہ میری بہن! حرا کو ہم ہو سٹل سے گھر لے گئے ہیں۔ یہ فیصلہ میرے کہنے پر کیا گیا تھا۔ اگر یہ میرے بیٹے کی بیٹی ہے تو پھر میں اس کی دادی ہوں۔ زیادہ تر یہ میرے پاس ہی رہتی ہے۔ کبھی کبھی اماں اور طوبی کے پاس بھی جا کے رہ لیتی ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ میرے ہی پاس رہے۔ جہاں تک اس کے ماما کہنے کا تعلق ہے تو کسی موقع پر شاید طوبی کا تعارف کراتے ہوئے حرا سے طارق نے کہا تھا کہ یہ اس کی ماما ہے۔ لہذا یہ ماما طوبی کو ہی کہہ رہی ہے۔“

اس انکشاف پر سعد یہ نے ہلکا سا ایک قبضہ لگایا اور دوبار اس نے حرا کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ طوبی نے آگے بڑھ کر حرا کا بستہ اٹھالیا۔ بازو پکڑ کر حرا کو مسہری سے نیچے اتارا۔ اس موقع پر طوبی کی طرف دیکھتے ہوئے حرا نے پوچھ لیا۔ ”پاپا کہاں ہیں؟“

حرا کے اس سوال پر لمحہ بھر کے لئے طوبی کچھ افسردہ سی ہو گئی لیکن فوراً سنبھل گئی اور کہنے لگی۔ ”پاپا کام پہ گئے ہوئے ہیں۔ بہت جلدی آجائیں گے۔ تم میرے ساتھ آؤ۔ بھوک لگی ہوگی۔ تمہیں کھانا کھلاتی ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی طوبی حرا کو پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے گئی تھی۔

☆

شام کے قریب طارق لوٹا۔ کمرے میں سب کو بیٹھے دیکھ کر ٹھٹھکا۔ پھر آگے بڑھ کر سب سے پہلے اس نے پر جوش انداز میں رحمان سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد احسن سے ہاتھ ملایا۔ بعد میں اس نے ثانیہ، ثمرہ کا حال پوچھا اور دوسرے کمرے کی طرف جانے لگا۔ تب نجم السحر حرکت میں آئی۔ بھاگتے ہوئے اس نے طارق کا بازو پکڑا اور اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہنے لگی۔ ”میں بھی یہاں بیٹھی ہوئی ہوں۔ اجنبی نہیں تمہاری ماں ہوں۔ سوتیلی بھی نہیں سگی۔ میرا حال پوچھتے ہوئے کیا تمہاری زبان دکھتی ہے؟“

طارق نے عجیب سے انداز میں نجم السحر کی طرف دیکھا۔ اس موقع پر ساتھ والے

دنوں کے لئے اسلام آباد چلے گئے تھے۔ وہاں ایک شادی اٹینڈ کرنا تھی۔ یہر حال یہ طارق کہاں ہے؟“

خلیل نے کچھ سوچا اور پھر کہنے لگا۔ ”بھائی تو آج کل نوکری کے چکر میں ہے۔ ان کی پولیس کی نوکری جاتی رہی ہے۔ آج کل صبح سویرے نکلتے ہیں شام کو دیر سے آتے ہیں۔ روزگار کی تلاش میں بیچارے آج کل کافی پریشان اور فکر مند ہیں۔“

نجم السحر نے اس بار موضوع بدلا اور تحریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”تحریم میری بیٹی! پہلے یہ بتاؤ کہ گھر میں پکانے کے لئے کیا ہے؟ اس لئے کہ ہم سب کھانا نہیں کھائیں گے۔ تحریم اپنی جگہ پر کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی۔ ”آئی! آپ بتائیں کیا کھائیں گی؟ ہم وہی سب کچھ منگوالیتے ہیں۔“

نجم السحر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور تحریم سے کہنے لگی۔ ”نہیں میری بچی! تم بیٹو میں کچھ سامان لے آؤں۔ پھر سب مل کر باورچی خانے میں کھانا تیار کرتے ہیں اور اگلے بیٹھ کر کھائیں گے۔“

اس کے بعد نجم السحر، طوبی، ثانیہ اور ثمرہ چاروں باہر نکلیں اور کار میں بیٹھ کر چلی گئیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹیں۔ کار سے طرح طرح کا سامان نکال کر باورچی خانے میں رکھا۔ طوبی، ثانیہ، ثمرہ اور تحریم باورچی خانے میں کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو گئیں۔ تب نجم السحر اپنی ماں طاہرہ خاتون، رحمان اور احسن کے ساتھ سعد یہ سے ہاتھ ملانے لگی تھی۔

باورچی خانے میں کام ختم کرنے کے بعد طوبی نے نجم السحر کے ساتھ تھوڑی دیر کم پھسری۔ کوئی فیصلہ ہوا۔ اس کے بعد طوبی مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد لوٹی۔ اس کے ساتھ ننھی حرا بھی تھی۔ کار سے اترنے کے بعد بستہ اپنے کندھے پر ڈالا۔ طوبی کے ساتھ بھاگتی ہوئی حرا اس کمرے میں داخل ہوئی جس میں سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

اسے دیکھتے ہی سعد یہ نے اسے گلے لگانے کے لئے اپنے بازو پھیلا دیئے۔ اس نے ایک طرف رکھ دیا۔ آگے بڑھ کر مسہری پر چڑھی اور سعد یہ کی گود میں بیٹھتے ہوئے سے لپٹ گئی تھی۔

جب مائیں اپنے بچوں کو اپنی گود میں لے کر دیک جاتی ہیں میں موت کے آنچل بکھیرتی
فضاؤں میں دیمک کی طرح سرسراتے ہوئے تمہارا انتظار کرتا رہا۔ سوچوں کو منجمد کر دینے
والی سرد آندھیوں میں جب بچہ ماں کی ماما، باپ کی شفقت محسوس کرتا ہے تب خاتون!
میں اکیلا سڑک پر کھڑا ہو کر تیری راہ دیکھتا تھا۔ کوئی مجھے تیرے متعلق بتانے والا نہ تھا۔ نانی
اماں سے جب بھی پوچھتا تو یہی جواب ملتا کہ تیری ماں عنقریب تجھ سے آن ملے گی۔ لیکن
عنقریب بائیس سے تیس سالوں تک پھیلتا چلا گیا۔ خاتون! جب مجھے یہ بتایا گیا کہ میری ماں
نے طلاق لے لی ہے اور مجھے چھوڑ کر وہ باہر جا چکی ہے، واپس نہیں آئے گی اور مجھے یہ بھی
بتایا گیا کہ میرا باپ بھی باہر چلا گیا ہے اور وہاں اس نے شادی کر لی ہے اور اس کے وہاں
بچے ہیں تب میں نے سمجھا میں اس دنیا میں اکیلا اور تنہا ہوں اور مجھے اپنی زندگی کا فیصلہ خود ہی
کرنا ہے۔ اس کے بعد میں نے اس گھر کو چھوڑ دیا جس میں میرے لئے کوئی اپنائیت و چاہت
نہ تھی۔ میں اپنائیت کی تلاش میں نکلا جو مجھے مل گئی۔ اب تم میرے ماحول کے خلاف کیوں
ہو؟ کیا کسی بھی موقع پر تم نے میرے لئے ہمدردیاں ہونے کا ثبوت دیا؟ مائیں تو اندھیروں
کے جگر چیر کر، شیطنت کے سارے رنگ پھاڑ کر نادیہ آگ کی طرح اپنے بچوں سے آن
ملتی ہیں اور میں تمہاری غیر موجودگی میں سڑکوں پر دھکے کھاتا رہا۔ ہر ماں اپنے بچے کو لینے
سکول آتی تھی۔ میں دھوپ میں کھڑا ہو کر رکشے کا انتظار کرتا۔ بچے جب گھر آتے تھے ان
کی مائیں ان سے پیار کرتی تھیں مجھے گھر آ کر نانی اماں کی دیکھ بھال کرنا پڑتی تھی۔ یہ بیمار
تھیں۔ اس گھر میں میرے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ میری بے بسی پر آسمان خاموش کھڑا مسکراتا
تھا۔ زمین چپکے چپکے روتی تھی۔ سو میں نے اپنے جینے کی راہ نکالی۔ میں جان چکا تھا کہ تہذیب
کے ورثے میں میرے مقدر میں ماں باپ کے آثار نہیں ہیں۔ اس گھر میں رہتے ہوئے
مزید ذلت اور تاریکی کے سایوں کا شکار نہ ہونا چاہتا تھا سو میں نے اس گھر کو چھوڑ دیا۔
خاتون! ذرا پیچھے بائیس تیس برس اپنے ماضی میں جھانکیں۔ کیا آپ نے برسوں کی پیاس،
خواہشوں، وسوسوں کی داستانوں، ذلت کے بحران، بے چہرہ المیوں اور ماحول کی بے چینی
کے علاوہ بھی مجھے کچھ دیا؟“

جب تک طارق بولتا رہا نجم السحر پچاری خاموش رہی۔ اس کی گردن جھکی رہی، اس کی
آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ وہ رو رہی تھی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے احسن، ثانیہ،

کمرے سے خلیل، تحریم، طوبی اور حرا بھی نکل آئے تھے۔ ہاتھ کے اشارہ سے تحریم کو نجم
السحر نے اپنے قریب بلایا۔ اس کے کان میں کھسر پھسر کی جس کے جواب میں تحریم نے
طوبی کو اٹھایا اور باہر لے گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد نجم السحر نے پھر طارق کو مخاطب
کیا۔ ”میں جانتی ہوں چھاپہ خانے سے تمہاری نوکری چھوٹ چکی ہے اور تم سروس کی تلاش
میں ہو۔ تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ واپس ہسپتال آؤ گے اور اپنا فزیو تھراپی کا شعبہ سنبھالو گے۔
تمہاری حیثیت وہاں ایک کارکن کی نہیں مالک کی ہو گی۔ سارا عملہ تمہارے ماتحت کام
کرے گا۔ آج کے بعد تم کہیں کام نہیں کرو گے۔“

نجم السحر آج جس انداز میں طارق سے گفتگو کر رہی تھی اس پر سب حیران اور ششدر
تھے۔ رحمان، احسن، ثمرہ، ثانیہ، سعدیہ، طوبی، خلیل تقریباً سارے ہی عجیب سے انداز میں
اس کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ اس کے سننے لہجے کو دیکھتے ہوئے لمحہ بھر کے لئے خود
طارق بھی پریشان ہوا تھا۔

جب نجم السحر خاموش ہوئی تب طارق نے اسے مخاطب کیا۔ ”میڈم! جس قسم کی آپ
اپنائیت کی باتیں کر رہی ہیں ایسی آپ کو زیب نہیں دیتیں۔ ذرا اپنے من میں جھانک کر
دیکھئے کیا میرے اور آپ کے درمیان جو ایک انمول رشتہ تھا اسے کسی بھی طور آپ نے
قائم رکھنے کی کوشش کی؟ خاتون چھوٹے بچے کا دل ایک شفاف آئینے کی مانند ہوتا ہے۔ ذرا
سوچئے میرے لئے اس شفاف آئینے پر آپ نے ماما کا کوئی بھی جذبہ رقم کرنے کی کوشش
کی؟ آپ دین و دنیا دونوں کی گناہ گار ہیں۔ ہمارا مذہب عورت کو حکم دیتا ہے بچے کو دو سال
دودھ پلائے۔ آپ تو مجھے ڈیڑھ سال کا ہی چھوڑ کر بھاگ گئی تھیں۔ خاتون! آپ نے یہی
نہیں کیا۔ آپ نے برسوں میری خبر نہ لی۔ میرے خط و خال سے آسودگی اور سکون چھینا۔
میری روح کو ذلت اور پستی سے بوجھل کیا۔ مجھے بکھرا کھلیاں، روندنا ہوا پھول اور پامال
کھیت سمجھ کر فراموش کئے رکھا۔ میری مزید بد قسمتی کہ جب آپ پردیس سے دیں لو نہیں
تب بھی میرے خلاف آپ کا زہر کم نہ ہوا۔ گناہ کا پھل کہہ کر آپ نے میری روح کی
پاکیزگی کو پامال کیا۔ کسی کے بیٹے کہہ کر میرے بے داغ اطراف کو داغ داغ کیا۔ تنگ و عار
کی پیدوار کہہ کر آپ نے مجھ سے میرے ہونے تک کی شناخت چھینی۔ آپ پردیس میں
اپنا مستقبل سنوارتی رہیں اور مجھے اپنا بھیانک ماضی سمجھ کر فراموش کر دیا۔ سہ ماہی وہ راتیں

نجم السحر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ثانیہ کو مخاطب کر کے طارق بول پڑا۔ ”ثانیہ! میری بہن! نے دو۔ جو ماں پاؤں سے جوتا اتار کر اور اپنے بیٹے پر برساتے ہوئے اس کی پیشانی زخم دے کر سکتی ہے اس کے لئے بیٹے کو تھپڑ مارنا کیا حیثیت رکھتا ہے۔“

نجم السحر نے کھا جانے والے انداز میں طارق کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگی۔ ”جس وقت نے پاؤں سے جوتا اتار کر مارا تھا۔ اس وقت مجھے خبر نہ تھی کہ تم میرے بیٹے ہو۔ بیٹے کی بات سے یہ پہلا تھپڑ ہے جو میں نے اپنے آپ کو ماں سمجھتے ہوئے اور ماں کا حق استعمال کرتے ہوئے مارا ہے۔“

نجم السحر مزید کچھ کہتی کہ طارق نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”خاتون! وقت سڑک کنارے تم نے پاؤں سے جوتا اتار کر مجھ پر لگاتار برسانا شروع کیا تھا اس ن میرا ہاتھ بھی تم پر اٹھ سکتا تھا اور خدا کی قسم میں نے کئی بار تم پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش بھی کی لیکن نہ جانے کون سی نادیدہ قوت مجھے ایسا کرنے سے روک دیتی تھی اور میں ہاتھ نہ اٹھا سکا۔ شاید یہ ایک رشتے، ایک ناطے کا جذبہ ہی تھا جو مجھے روکے ہوئے تھا۔“

طوبی بچاری نجم السحر کے پیچھے کھڑی ابھی تک سسک سسک کر رو رہی تھی۔ اس کی یہ بات دیکھتے ہوئے نجم السحر انھی۔ اس کا بازو پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔ اس کا سر اپنی گود میں لگا۔ کئی بار اسے چوما پھر کہنے لگی۔ ”چپ ہو جاؤ میری بیٹی! مت رو۔ مجھے امید ہے حالات یک ہو جائیں گے۔“

نجم السحر کے کہنے پر طوبی نے اپنے آپ کو سنبھالا دیا۔ اپنی آنکھیں صاف کیں۔ پھر نجم السحر کے قریب ہی بیٹھی رہی۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ اس کے بعد نجم السحر نے سعدیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”سعدیہ میری بہن! میں تمہارے ساتھ بھی ایک قافلہ طے کرنے آئی تھی۔ پہلی بات جو میں تمہیں بتانا چاہتی تھی وہ یہ کہ حرا کو میں اپنے غم سے لے کر چکی ہوں۔ زیادہ تر وہ میرے پاس ہی رہتی ہے۔ کبھی کبھی طوبی اور اماں کے پاس آ جاتی ہے۔ احسن یا طوبی کبھی کبھی اسے سکول لے کر جاتے ہیں۔ جو بات میں تمہارے ساتھ طے کرنے آئی ہوں وہ یہ کہ تم بیمار ہو۔ تحریم تمہیں یہاں نہ اچھی طرح سنبھال سکتی ہے نہ تمہاری دیکھ بھال کر سکتی ہے۔ میں آج تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ تم ہسپتال میں رہو گی۔ ایک نرس باقاعدہ تم پر مقرر ہو گی۔ وہاں تمہارا علاج بھی ہو گا اور دیکھ بھال

شمرہ اور طوبی بھی سسک پڑی تھیں۔ رحمان، سعدیہ اور خلیل کی حالت بری ہو رہی تھی۔ اس موقع پر احسن اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک خالی کرسی اٹھائی۔ اسے طارق کے قریب رکھا پھر شانوں سے پکڑ کر طارق کو اس کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہنے لگا۔ ”بھائی! خدا کے لئے بیٹھ جائیں۔ آرام سے بیٹھ کر بات کریں۔“

احسن کے کہنے پر طارق اس کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ ماحول چونکہ بوجھل ہو گیا تھا۔ سعدیہ شاید اس ماحول سے چھٹکارا چاہتی تھی۔ لہذا اس نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”بیٹے! کہیں کام ملا؟“

طارق سنبھلا اور سعدیہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ ”ہاں ماں! ایک میڈیکل سنور میں جگہ ملی ہے۔ تنخواہ تو تھوڑی ہے لیکن بے کار رہنے سے بہتر ہے۔“

طارق کے ان الفاظ پر نجم السحر چونکی۔ گھورنے کے انداز میں اس نے طارق کی طرف دیکھا پھر کسی قدر سخت لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ ”تم کسی میڈیکل سنور میں کام نہیں کرو گے۔“

طارق نے بھی اسی انداز میں جواب دیتے ہوئے نجم السحر کو مخاطب کیا۔ ”عجیب دھمکی اور دھونس ہے۔ میڈیکل سنور میں کام نہ کروں تو بے کار رہوں؟ خود بھی مروں اور اپنے لواحقین کو بھی بھوکا مرنے دوں؟“

نجم السحر نے اس بار تیز لہجے میں کہا۔ ”بس! تم میڈیکل سنور میں کام نہیں کرو گے۔“

طارق بھی پھر گیا۔ ”میں وہاں کام کروں گا۔“

نجم السحر پہلے سے زیادہ زور سے چلائی۔ ”میں کہتی ہوں تم وہاں کام نہیں کرو گے۔“

”میں کام کروں گا۔ دیکھتا ہوں مجھے کون منع کرتا ہے۔“

اس پر نجم السحر انھی اور زوردار تھپڑ اس نے طارق کے منہ پر مارا اور کہنے لگی۔ ”میں دیکھتی ہوں تم وہاں کیسے کام کرتے ہو۔“

نجم السحر کی اس حرکت پر سب لوگ سناٹے میں آ گئے تھے۔ اس موقع پر ثانیہ پھر کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ نجم السحر اور طارق کے درمیان آن کھڑی ہوئی۔ پھر بڑے غصے اور غضب ناکی میں اپنی ماں نجم السحر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”ماما! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ آپ نے بھائی پر کیوں ہاتھ اٹھایا؟“

بھی۔“

اس موقع پر سعدیہ نے ایک بھر پور نگاہ پہلے نجم السحر پر ڈالی پھر انتہائی بے بسی سے اس نے طارق کی طرف دیکھا۔ جواب میں طارق بول اٹھا۔ ”اماں کہیں نہیں جائیں گی۔ یہیں رہیں گی۔“

نجم السحر نے پھر کھا جانے والے انداز میں طارق کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔ ”میں اگر تمہاری سگی ماں ہوں تو سعدیہ تمہاری حقیقی ماں ہے۔ اس کے ساتھ میرا رشتہ ہے۔ ہم دونوں بہنیں ہیں اور بہنوں کے بیچ تم مت بولو۔ اگر بولو گے تو اور کئی طمانچے کھاؤ گے۔“ جواب میں شاید طارق کچھ کہتا کہ سعدیہ بول پڑی۔ ”نجم السحر میری بہن! میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ تم مجھے ایسی پیشکش کر رہی ہو لیکن طارق کی اجازت کے بغیر میں کیسے پاسکتی ہوں؟ جب تک یہ نہ جانے دے میں کیسے ہاں کر سکتی ہوں؟“

نجم السحر نے پھر سعدیہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ ”طارق کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ اس نے اعتراض کرنے کی کوشش کی تو میں اس کی ہڈیاں توڑ دوں گی۔ میں اب تک جو کچھ یہ کرتا رہا ہے بالکل خاموشی سے برداشت کرتی رہا ہوں۔ اب یہ وہی کچھ کرے گا جو کچھ میں چاہوں گی۔ یہ ضد کر رہا ہے کہ میں میڈیکل سنور میں کام کروں گا۔ یہ ذرا کام کر کے دیکھے۔“

طارق نے گھورنے کے انداز میں نجم السحر کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ ”میں توکل میڈیکل سنور میں کام کرنے جاؤں گا۔ دیکھتا ہوں آپ کیا کرتی ہیں۔“

نجم السحر نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ”میں صبح ہی صبح منہ اندھیرے یہاں ہوں گی۔ تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ جس میڈیکل سنور میں تم جاؤ گے وہاں سب لوگوں کے سامنے میں نے اگر مار مار کے تمہیں سیدھا نہ کر دیا تو میرا نام نجم السحر نہیں۔ وہیں کان سے پکڑ کر میں تمہیں اپنے ہسپتال لے کر جاؤں گی۔ پھر دیکھوں گی تم کیا کرتے ہو۔ زیادہ سے زیادہ تم یہی کرو گے کہ جب میں تم پر ہاتھ اٹھاؤں گی جواب میں تم بھی مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ گے۔ میں چاہتی ہوں تم ایسا کرو تا کہ سارا شہر لاہور دیکھے ایک بیٹا اپنی ماں پر کیسے ہاتھ اٹھاتا ہے۔“

نجم السحر تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ یہ خاموشی بڑی کاٹ کھانے والی تھی۔ اس نے کچھ سوچا۔ پھر اس نے طوبی کو مخاطب کیا۔ ”طوبی! تم آج رات یہیں رہو گی۔ صبح تم طارق

کو اپنے ساتھ لے کر ہسپتال آنا۔ اگر یہ نہ آئے تو اس کا پیچھا کرو۔ جس میڈیکل سنور میں جائے، مجھے آکر اس کی اطلاع کرو۔ اس کے بعد میں جانوں اور یہ۔ تمہارا بس یہی کام ہے۔ پھر میں دیکھتی ہوں یہ اپنی ماں کی کیسے بات نہیں مانتا۔“

نجم السحر تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ پھر اس نے براہ راست طارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”صرف تمہاری وجہ سے میں نے تمہاری بہن ثانیہ کی منگنی کو التواء میں ڈالا ہے۔ لڑکے والوں سے میں نے کہا ہے کہ میرا بڑا بیٹا کراچی گیا ہوا ہے۔ وہ آئے گا تو اس کے بعد منگنی کی رسم ادا کی جائے گی۔ یہ بات بھی یاد رکھنا کہ تم اس رسم میں شامل ہو کر بڑے بھائی کا حق ادا کرو گے۔“

نجم السحر مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ طارق اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ ”دیکھو گا مجھے اس رسم میں آنا بھی ہے کہ نہیں۔ آپ خواہ مخواہ مجھ پر دھونس بجا رہی ہیں۔“ پھر طارق نے سعدیہ کی طرف دیکھا۔ ”ماں! آج کھانا نہیں ملے گا؟ بھوک لگ رہی ہے۔“

اس پر طوبی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ آواز دے کر اس نے تحریم کو بلایا۔ جس کمرے میں وہ سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے اسی میں کھانا لگایا۔ پھر سب نے مل کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد رحمان، نجم السحر، ثانیہ، شرہ اور احسن جب جانے لگے تو نجم السحر طوبی کے قریب آئی اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”میری بیٹی! ہم جا رہے ہیں۔ ماما بھی میرے ساتھ ہی جائیں گی۔ وہیں رہیں گی۔ تم ایسا کرو رات یہیں رہو۔ پہلی بات یہ کہ تم نے طارق کو اپنے ساتھ لے کر ہسپتال آنا ہے۔ دوسری بات یہ کہ رات تحریم کے ساتھ مل کر سعدیہ کی تیاری کر لو۔ طارق کے ساتھ ساتھ اسے بھی گاڑی میں بٹھا کر ہسپتال لے کر جانا۔ یہ وہیں ہسپتال میں رہے گی۔ ایک بیڈ اس کے لئے مخصوص کر دیں گے۔ ایک نرس ہمہ وقت اس کے لئے مخصوص رہے گی۔ اس سلسلے میں اگر طارق کوئی بھی اعتراض کھڑا کرے تو مجھے فون کرنا۔ میں پہنچ جاؤں گی۔ تم بالکل بے فکر رہنا۔ طارق نے اگر کوئی بڑا ہنگامہ کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا میں اس سے بھی بڑا بلوا کھڑا کروں گی۔ اب تم ایسا کرو کہ تحریم کو بلاؤ کہ وہ حرا کو لے آئے تاکہ میں حرا کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔“

طوبی باہر نکلی۔ تھوڑی دیر بعد حرا، تحریم کے ساتھ آئی۔ نجم السحر نے حرا کا ہاتھ اپنے

ہاتھ میں لیا اور پھر طارق کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”طارق میرے بیٹے! اس وقت تو میں جارہی ہوں لیکن ایک بات اپنے ذہن میں رکھنا۔ اگر تم نے کل صبح سروس کے لئے کسی بھی میڈیکل سنور کا رخ کرنے کی کوشش کی تو شہر کے اندر ایک بہت بڑا ہنگامہ کھڑا ہو گا۔ اتنا بڑا ہنگامہ کہ یہ خبروں کی سرفی بنے گا۔ یاد رکھنا میں ماں کا وہ حق استعمال کروں گی جس سے ابھی تک تم نا آشنا ہو۔“

طارق نے نجم السحر کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر رحمان، نجم السحر، ثانیہ، احسن اور حرا کے علاوہ طاہرہ خاتون بھی وہاں سے چلے گئے تھے۔

☆

سب کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک طارق، سعدیہ، طوبی، خلیل اور تحریم خاموش رہے۔ پھر سب کی موجودگی میں طوبی نے طارق کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔ طارق! میرے خیال میں تم کسی میڈیکل سنور کو جو آئن مت کرو۔ آئنی نجم السحر ٹھیک کہتی تھیں کسی میڈیکل سنور میں کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے.....“

طوبی کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے طارق بول پڑا۔ ”تمہارا غلب ہے میں کہیں کام نہ کروں۔ گھر بیٹھا ہوں اور گھر کا چولہا ٹھنڈا ہونے دوں؟“

طوبی نے تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگی۔ ”طارق! ایک تو تم پوری بات نہیں سنتے ہو۔ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہی ہمیں انتقامی ہونا ہے۔ بے خیال میں تمہیں سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ تم میڈیکل سنور کو چھوڑ کر آئی کے ہنڈل میں کام نہیں کرنا چاہتے ہو حالانکہ آئی تمہاری ماں ہے۔ ایک طرح سے وہ ہسپتال کا راز ہے۔ بہر حال میں سمجھتی ہوں ابھی تک تمہیں آئی کے خلاف بے شمار شکوے، بے شکایتیں ہیں۔ تم اپنی جگہ درست بھی ہو۔ میں کوئی اعتراض نہیں کروں گی۔ تم بے شک ہنڈل میں کام مت کرو لیکن میری ایک بات مانو میڈیکل سنور مت جاؤ۔ صبح سے تم اسے ساتھ جانا شروع کرو۔ دونوں میاں بیوی اپنے ایڈورٹائزنگ ایجنسی آفس میں آئیں گے۔ ساتھ ہی میں آپ کو گارمنٹس فیکٹری بھی لے جایا کروں گی۔ آپ وہ سادہ کام سنبھالیں۔ دونوں کام چونکہ میرے ہیں اور میں آپ کی بیوی ہوں لہذا اس رشتے سے انوں فرمیں آپ کی ہیں۔ جس قدر آمدنی ہو اس کے مالک آپ ہیں۔“

طوبی تھوڑی دیر کے لئے رکی۔ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس سے پہلے ہی طارق بول پڑا۔ ”طوبی! اگر میں وہاں بھی کام نہ کرنا چاہوں تب؟“

طوبی نے اس بار سعدیہ کی طرف دیکھا اور شکوؤں بھری آواز میں کہنے لگی۔ ”آئی! تم کو سمجھائیں۔ اگر یہ میری بات مان جائے تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔ ضرور

میڈیکل سنور ہی میں کام کرنا ہے؟ اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کے ماتحت کام کرنا کہاں کی دوراندیشی پر مبنی تھیں۔

اندیشی ہے؟ میرے خیال میں آپ اپنی ضد چھوڑیں۔ اگر آپ نے ضد کرنے کی کوشش کی طوبی پریشان ہو گئی۔ فوراً اپنے پلنگ سے اتری۔ جوتے پہننا بھول گئی۔ نگے ہی پیر تو میں بھی ضد پر اتروں گی۔ پھر دیکھتے ہیں بنا کیا ہے۔ میں ہر صورت کل آپ کو لے کر برے کمرے کی طرف بھاگی۔ نیند سے فوراً اٹھنے کی صورت میں اس کے خوبصورت جاؤں گی۔ آنٹی نجم السحر صبح آئے نہ آئے آپ میرے ساتھ چلیں گے۔ میرے آفس میں نیلے بال، چمکدار گردن، نرم و نازک بدن اسے مزید خوبصورت بنائے ہوئے تھا۔ کام کریں گے۔ اگر آپ میرے ساتھ نہیں بیٹھنا چاہتے تو آپ دونوں فرم میں سنبھال لیں۔ برے کمرے میں آکر اس نے دیکھا سعدیہ بستر پر بے سدھ سی پڑی تھی۔ طارق، خلیل میں یہاں آنٹی کے پاس رہتی ہوں۔ اب بولیں آپ کیا کہتے ہیں؟“

طارق کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر کہنے لگا۔ ”اچھا! اس موضوع پر اس کے حسن اور دلکشی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اس موقع پر اس نے محبت بھری ایک صبح بات ہو گی۔ ابھی تو مجھے نیند آرہی ہے۔“

پھر اس نے تحریم کی طرف دیکھا۔ ”تحریم میری بہن! بستر تو لگاؤ سوئیں۔“
طوبی شاید طارق کے ان الفاظ سے مطمئن ہو گئی تھی۔ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ زاب ہو گئی ہے۔ کچھ دیر پہلے مجھ سے باتیں کر رہی تھیں جو نہی ان کی طبیعت خراب ہوئی جس کمرے میں سعدیہ تھی اس کمرے میں دو مزید پلنگ لگا دیئے گئے۔ ایک خلیل کے لئے (نیم بھی ہمارے پاس آگئی۔ ابھی ان پر بے ہوشی اور غشی کی کیفیت طاری ہوئی ہے۔“
ایک طارق کے لئے۔ ساتھ والے کمرے میں طوبی اور تحریم سو رہی تھیں۔

☆

حسرتوں کے بحر بے کراں جیسی رات دلوں کے دوسووں میں رت جگلوں کی داستانیں ہاڑ۔ رات ختم ہو رہی ہے۔ کوئی نہ کوئی ٹیکسی مل جائے گی۔ جلدی لاؤ۔ اماں کو ٹیکسی میں کھڑی کرتی بھاگتی جا رہی تھی۔ چاندنی اوڑھے نادیدہ مناظر یادوں کے گھنے بیڑے تلے خوابوں کے مسافر کی طرح چپ اور خاموش تھے۔ رات بھاگتے بھاگتے اپنے انجام کو پہنچ رہی تھی۔ طوبی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ خلیل کو اس نے ہاتھ کے اشارے سے رکنے کے لئے کہا۔ ہواؤں کے کھلتے قہقہوں کی جھلماہٹ اور زمین کی خوش لباسی اور رنگ و رعنائی نے صبح کا پیغام دینا شروع کر دیا تھا۔ چاند تارے اور کہکشاں اور آہو سی چاندنی اپنی بساط لینے لگے۔ طوبی بول پڑی۔ ”آنٹی! میں طوبی بول رہی ہوں۔“

رات کا دست سیاہ رنگ بننے لگا تھا۔ ہر شے کے چشم و نظر میں سپردگی کا شمار اپنے انجام کو پہنچ رہا تھا۔ خواہشوں کی طلب و مانگ ختم ہو رہی تھی۔ اذانوں کے جلو میں صبح نو کے قافلے اپنی آمد کا پیغام دے رہے تھے۔

اچانک طوبی چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ساتھ والے بستر پر دیکھا وہ خالی پڑا تھا۔ تحریم اپنے بستر پر نہ تھی دوسرے کمرے سے اسے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ خلیل کی حالت میں پڑی ہوئی ہیں۔ طارق، خلیل اور تحریم ان کے ارد گرد بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں بھی ان کے پاس سے اٹھ کر آرہی ہوں۔ آپ ایک مہربانی کریں۔ فوراً ہسپتال کی

لوگ اس کے ارد گرد جمع تھے۔

اندر داخل ہوتے ہی رحمان نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق بیٹے! جلدی کرو۔ میں ایسولینس ساتھ لے کر آیا ہوں۔ تم اور خلیل دونوں ماں کو اٹھاؤ اور ایسولینس میں ڈالو۔ پھر ہسپتال لے کر چلیں۔“

سعدیہ اس وقت ہوش میں آچکی تھی۔ آنکھیں اس کی کھلی ہوئی تھیں۔ طارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ”میرے بیٹے! کون آیا ہے؟“

طارق کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اتنی دیر تک رحمان، نجم السحر، ثانیہ، شمرہ، احسن اور حرا اس کے سامنے آگئے۔ ہاتھ کے اشارے سے سعدیہ نے حرا کو بلایا۔ حرا اس کے پلنگ پر چڑھی۔ حرا کو اپنے ساتھ لپٹا کر سعدیہ نے پیار کیا۔ پھر نجم السحر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”اچھا ہوا تم لوگ آگئے۔ میں بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اپنے کوچ سے پہلے جو میرے پاس الفاظ تھے وہ میں ادا کر دینا چاہتی ہوں۔“

اس موقع پر رحمان بول پڑا۔ ”طارق بیٹے! وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ ماں کو ایسولینس میں ڈالو اور ہسپتال لے چلیں۔“

سعدیہ نے رحمان کی طرف دیکھا۔ پھر دھیمے سے لہجے میں دکھ بھری آواز میں کہنے لگی۔ ”رحمان بھائی! آپ کی بڑی مہربانی۔ بہت شکریہ۔ آپ ایسولینس لے کر آئے۔ لیکن میں ہسپتال نہیں جاؤں گی۔ میری کہانی ختم ہو رہی ہے۔ اس اداس دنیا کی آب و گل سے میرا ناطہ ختم ہو رہا ہے۔ میں گمشدہ غبار میں کھوتی جا رہی ہوں۔ میرے لہو کی ساری رگوں میں قضا کا زہر بھر چکا ہے۔ اب مجھے ہسپتال لے جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں دو چار لمحوں کی مہمان ہوں۔ جو کچھ میں کہنا چاہتی ہوں سن لو۔“

رحمان، نجم السحر، ثمرہ، ثانیہ اور احسن وہاں بیٹھ گئے تھے۔ نجم السحر بالکل طارق کے قریب بیٹھی۔ پھر طارق کی طرف دیکھتے ہوئے سعدیہ نے کہنا شروع کیا۔ ”طارق میرے بیٹے! یہ زندگی پھینکی دھوپ کے لمحوں اور دھند میں لپٹے ایک پہر جیسی ہے۔ دنیا کی یہ زندگی دائم مسافت، سرابی تصور اور ایک ساحل بے نشان ہے۔ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ میرے بیٹے! میرے نطق اور میری ساعت پر میری گرفت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ موت دیمک اور کیڑوں کی سرسراہٹ کی طرح بڑی تیزی سے مجھ پر چھانے لگی ہے۔ بچے! تم خود چل کر

ایسولینس بھیجیں۔ میں انہیں ہسپتال لے کر آتی ہوں۔“

دوسری طرف سے نجم السحر کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”طوبی! میری بیٹی! تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہسپتال ٹیلی فون کرتی ہوں۔ جب تک ایسولینس تیار ہوتی ہے اتنی دیر تک میں گاڑی لے کر ہسپتال آتی ہوں اور ایسولینس لے کر میں خود آتی ہوں۔ تم فکر مت کرو۔ بس تھوڑی دیر میرا انتظار کرو۔“

اس کے ساتھ ہی طوبی نے موبائل بند کر دیا تھا۔ پھر وہ اپنے بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اتنی دیر تک رحمان بھی جاگ چکا تھا۔ نجم السحر کو گھبرائی ہوئی حالت میں دیکھتے ہوئے اس نے پوچھ لیا۔ ”کیا بات ہے؟ صبح ہی صبح کس کا فون آگیا تھا؟“

نجم السحر کی پریشان سی آواز رحمان کو سنائی دی۔ ”طوبی! کا فون آیا تھا۔ سعدیہ کی حالت نازک ہے۔ وہ غشی کی حالت میں پڑی ہوئی ہے۔ طوبی نے ایسولینس مانگی ہے۔ میں ہسپتال جانے لگی ہوں۔“

رحمان فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ ”میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“

پھر نجم السحر زور زور سے پکارنے لگی۔ ”احسن! احسن!“

نجم السحر کے پکارنے پر احسن ہی نہیں اس کے پیچھے پیچھے ثانیہ اور شمرہ بھی اس کمرے میں آگئی تھیں۔ گھبرائی ہوئی آوازیں احسن نے پوچھ لیا۔ ”ماما! کیا بات ہے؟ آپ دونوں اٹھے ہوئے ہیں۔ کیا کوئی خلاف معمول بات ہے؟“

طوبی کی جو ٹیلی فون کال آئی تھی اس کی تفصیل نجم السحر نے ان تینوں سے کہی۔ اس پر وہ تینوں بھی پریشان ہو گئے تھے۔ احسن کہنے لگا۔ ”ماما! میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ بھائی کی حالت نجانے کیسی ہوگی۔“

اس پر ثانیہ ضد کرنے لگی۔ ”ماما! میں اور شمرہ بھی ساتھ جائیں گی۔ حرا کو بھی ساتھ لے جاتے ہیں۔ نہ جانے اماں کی حالت کیسی ہوگی۔ ہم سب کا جاننا بے حد ضروری ہے۔“

ڈاکٹر رحمان نے اس سے اتفاق کیا۔ پھر سب جلدی جلدی تیار ہوئے۔ گاڑی میں بیٹھے۔ پہلے ہسپتال گئے وہاں سے ایسولینس لی پھر وہ پاکستان کو اسٹریٹس کا رخ کر رہے تھے۔ گرتے پڑتے بھاگتے ہوئے وہ طارق کے کوارٹر میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا پلنگ پر سعدیہ لیٹی ہوئی تھی۔ طارق، خلیل، طوبی، تحریم کے علاوہ عمارت کے سارے

میرے پاس آئے تھے لیکن خلیل کو میں نے یتیم خانے سے لیا تھا۔ تجھے تیری ماں، تیرے بہن بھائی مل گئے ہیں۔ لیکن اس دنیا میں اس کا کوئی نہیں۔ یہ بے چارہ بننے بیٹے سحابوں کی تحریک اور منزل کے موہوم تعین کی طرح ہے۔ میرے بعد چھوٹے بھائی کی طرح اس کا خیال رکھنا۔ تحریم کو بہن جان کر اس کی حفاظت، اس کی نگہداری کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ میری موت کے بعد یوں ہو کہ یہ ایک ڈرامہ تھا جو ختم ہو گیا اور ڈرامے کے اختتام پر سارے کردار اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جائیں۔ بیٹے! ایسے مت کرنا۔ یہ میری تمہارے لئے پہلی نصیحت ہے۔

میری دوسری نصیحت غور سے سننا۔ اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھنا میری روح بڑی دکھی رہے گی۔ ”طارق! ماں جمود کے عالم سکوت کی مہروں، ظلمتوں کے چہار سو غلبے اور گمشدہ خاموشیوں میں گلابوں کی تازہ مہک، نئے دنوں کی بشارت، امیدوں کی چاندنی اور دعاؤں بھری ماتا کی طرح ہوتی ہے۔ عذابوں کے قصوں، صداؤں کی داستانوں، تنگی کی دھوپ اور پیلے موسموں میں ماں کی چاہتوں کی خوشبو دکھوں کا دوا، زخموں کا مرہم اور درد کا درماں ہوتی ہے۔ یاد رکھنا! میرا کردار ختم ہو رہا ہے۔ میں ہمیشہ کے لئے تم سے جدا ہو رہی ہوں۔ میرے بعد مصائب کے جہوم اور کھٹن کھٹور راستوں میں یہی نجم السحر تیری حفاظت، تیری نگہداری کرے گی۔ یہ تیری سگی ماں ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سعدیہ نے اپنے ہونٹوں پر مایوس سا تبسم بکھیرا۔ پھر دوبارہ کہنا شروع کیا۔ ”طارق میرے بیٹے! ماں ایک حرف تابندہ ہے۔ لب تکلم کی حلاوت اور ماتا بھری لطافت ہے۔ ماں تو پوس کی تاریک ٹھنڈی راتوں میں محبت کی ردا میں ڈھانپ لینے والی ہوتی ہے۔ بیٹے! تیری ماں تیرے سامنے بیٹھی ہے۔ یہ اس بات کو ترس رہی ہے کہ تو اسے ماں کہہ کر پکارے لیکن تو ایسا نہیں کر رہا۔ میں ہمیشہ کے لئے تجھ سے رخصت ہو رہی ہوں۔ اگر تو میری خوشنودی چاہتا ہے، اگر تجھے یہ منظور ہے کہ موت کے بعد تیری طرف سے میری روح سکھی اور پرسکون رہے تو ابھی میرے سامنے نجم السحر کو ماں کہہ کر پکارو۔ میری موجودگی میں اس کے سارے دکھ دور کرو۔“

طارق نے اس موقع پر شکوؤں بھرے انداز میں سعدیہ کی طرف دیکھا۔ سعدیہ پھر بول

پڑی۔ ”اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو صاف جواب دے دو۔ اس طرح مجھے گھور کر مت دیکھو۔ میں نے کہا ہے اپنی ماں کی طرف دیکھو اور اسے ماں کہہ کر پکارو۔ موت سے پہلے بس میری یہی سب سے بڑی خواہش ہے۔“

سعدیہ کی اس گفتگو سے طارق بیچارہ پکھل کر رہ گیا تھا۔ اس نے نجم السحر کی طرف دیکھا اور درد بھری آواز میں اسے زور کے ساتھ پکارا۔

”اماں“

بس اس کا یہ لفظ ادا کرنا تھا کہ نجم السحر نے بازو پھیلائے طارق کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اس کا سر، اس کا منہ، اس کا چہرہ چومنے لگی۔ ساتھ ہی دھاڑیں مار کر رونے بھی لگی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے ثانیہ، ثمرہ، احسن بھی طارق سے لپٹ کر رونے لگے تھے۔ ان کے پیچھے کھڑی طوبی اپنا منہ ڈھانپ کر ہچکیاں، سسکیاں لے رہی تھی۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ لمحہ بہ لمحہ سعدیہ کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اس کی نحیف سی آواز سنائی دی۔ ”طوبی! طارق! خلیل! تحریم! چاروں میرے پاس آؤ۔“

چاروں آگے بڑھے۔ سعدیہ کے قریب ہو بیٹھے۔ ہاتھ کے اشارے سے اس نے چاروں کو ہاتھ آگے کرنے کے لئے کہا۔ جب انہوں نے ہاتھ آگے کئے تو سعدیہ نے اپنے ایک ہاتھ میں طوبی اور طارق کے ہاتھ پکڑے۔ اپنے دوسرے ہاتھ میں اس نے خلیل اور تحریم کے ہاتھ تھامے پھر ان چاروں کو مخاطب کرتے ہوئے نحیف سی آواز میں کہنے لگی۔ ”میرے بچو! تم سے جدا ہوتے وقت میری دعا ہے کہ تم پھولوں کی پیاس بجھاتی شبنم جیسے پرسکون، شاداب شگوفوں جیسے خوش اور سادمان راستوں کی کہکشاں جیسے خوش حال رہو۔“

اس کے ساتھ ہی سعدیہ سے ان چاروں کے ہاتھ چھوٹ گئے۔ اس کی گردن جھک گئی اور وہ موت سے ہلکتا ہو گئی تھی۔

اس صورت حال پر طارق، طوبی، خلیل، تحریم دھاڑیں مار کر رونے لگے تھے۔ وہاں محراب شخص ہچکیاں لے کر رو رہا تھا۔ کچھ دیر تک ایسا ہی ساں رہا۔ پھر نجم السحر نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ احسن جو اس وقت طارق سے لپٹ کر رو رہا تھا اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا۔ احسن کچھ سنبھلا پھر نجم السحر نے اسے مخاطب کیا۔ ”بیٹے! ثانیہ! طوبی! خلیل! اس کے ساتھ ساتھ میرے ساتھ

انتقال کی انہیں اطلاع کرو۔“

احسن بیچھے ہٹا۔ موبائل اس نے نکالا۔ نمبر ملائے اور سعدیہ کے مرنے کی خبر اس نے طاہرہ خاتون کو کر دی تھی۔

اتنی دیر تک اللہ بخش، بجار خان، علی خان اور مراد خان چاروں حرکت میں آچکے تھے۔ صحن کے اندر انہوں نے دو بڑے بڑے شامیانے نصب کروادیئے تھے۔ ایک عورتوں کے لئے دوسرا مردوں کے لئے۔ فرش پر دریاں بچھا دی گئی تھیں۔ سعدیہ کے مرنے کی خبر پڑوس میں بھی پھیل گئی تھی۔ مرد اور عورتیں جو افسوس کے لئے آ رہے تھے وہ ان شامیانوں کے اندر دریوں پر بیٹھنے لگے تھے۔

ڈاکٹر رحمان کچھ دیر حیران اور پریشان اس کمرے میں سعدیہ کی لاش کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر اٹھا۔ طارق کے قریب آیا۔ کچھ دیر بڑے پیار اور شفقت میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ پھر اسے مخاطب کیا۔ ”طارق بیٹے! اٹھ جاؤ۔ صبر کرو۔ باہر دیکھو افسوس کے لئے آنے والے مرد اور عورتیں جمع ہونے لگے ہیں۔ میرے خیال میں اٹھو چل کر وہاں بیٹھتے ہیں۔ سعدیہ کی لاش یہاں سے اٹھا کر اس شامیانے میں رکھتے ہیں جو عورتوں کے لئے مختص ہے۔ اٹھو بیٹے! دیر نہ کرو۔“

طارق بیچارہ اپنی جگہ پر بیٹھا روتا رہا۔ خلیل کی بھی یہی کیفیت تھی۔ اس صورت حال پر رحمان بیچھے ہٹا اور نجم السحر کے قریب آیا اور اسے مخاطب کیا۔ ”نجم! تم خود آگے بڑھو۔ طارق کو اٹھاؤ۔“

طارق کی حالت دیکھتے ہوئے نجم السحر خود بھی رو رہی تھی۔ رحمان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”میں کہتی ہوں تھوڑی دیر اسے رونے دیں۔ اسے ڈھارس آجائے گی۔“

رحمان مان گیا۔ پھر دونوں میاں بیوی بھی وہاں بیٹھ گئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد طاہرہ خاتون اس کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ رو رہی تھی۔ رومال سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے وہ جب قریب آئی تو طارق نے اسے دیکھا۔ اپنی جگہ سے وہ اٹھ گیا۔ طاہرہ خاتون نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اس کا لپٹنا ہی تھا کہ پہلے سے زیادہ طارق سسک سسک کر رونے لگا تھا۔ طاہرہ خاتون نے اسے تسلی دینا شروع کی تھی۔

نجم السحر بھی اپنی جگہ سے اٹھی۔ طارق کے قریب آئی۔ جب تک وہ طاہرہ خاتون سے

لپٹا رہا نجم السحر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتی رہی۔ جب مڑ کر طارق نے نجم السحر کی طرف دیکھا تو نجم السحر نے اس کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اس کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے طارق ابھی تک سسک رہا تھا۔ طاہرہ خاتون کچھ دیر تک اسے تسلی دیتی رہی۔ پھر نجم السحر نے اس کی تھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھتے ہوئے اس کا چہرہ اوپر کیا۔ اپنے رومال سے اس کے آنسو صاف کئے۔ پھر بڑے پیار، بڑی محبت اور مامتا بھری آواز میں اس نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”بیٹے! اب سنبھلو۔ ذرا باہر دیکھو۔ اللہ بخش، بجار خان، علی خان اور مراد خان نے صحن میں عورتوں اور مردوں کے لئے شامیانے لگوا دیئے ہیں۔ بیٹے! افسوس کے لئے مرد اور عورتیں جمع ہو رہے ہیں۔ میرے خیال میں تم اپنے آپ کو سنبھالو اور چل کر مردوں میں بیٹھو۔ خلیل کو بھی اپنے ساتھ لے لو۔ احسن اور رحمان بھی تمہارے ساتھ جاتے ہیں۔“

نجم السحر کے کہنے پر طارق نے اپنے آپ کو کچھ سنبھال لیا۔ پھر طارق کا ہاتھ پکڑ کر نجم السحر اسے باہر لے گئی اور بیسن کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی۔ ”چلو! پہلے ہاتھ منہ دھو لو۔“

کسی معصوم اور فرمانبردار بچے کی طرح طارق آگے بڑھا۔ بیسن پر اس نے ہاتھ منہ دھویا۔ تولیے سے ہاتھ منہ پونچھا۔ نجم السحر پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لائی۔ طارق نے کوئی مزاحمت نہ کی تھی۔ نجم السحر نے پھر اسے مخاطب کیا تھا۔ ”بیٹے! خلیل کو بھی اٹھاؤ۔“

طارق چپ چاپ آگے بڑھا۔ کندھے سے پکڑ کر اس نے خلیل کو اٹھایا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”چلو! ہاتھ منہ دھو لو باہر افسوس کے لئے لوگ جمع ہو رہے ہیں۔ ہم دونوں بھائیوں کو وہاں جا کے بیٹھنا چاہئے۔“

خلیل ہاتھ میں جا کر ہاتھ منہ دھو آیا تھا۔ اس موقع پر سلطان خان، بجار خان، علی خان، اللہ بخش اور مراد خان اندر آئے۔ پھر سب کو مخاطب کر کے سلطان کہنے لگا۔ ”میرے بچو! ایک طرف ہٹ جاؤ۔ میت کو باہر لے جاتے ہیں۔ محلے کے سب لوگ افسوس کے لئے آ رہے ہیں۔“

اس پر سب پیچھے ہٹ گئے۔ اللہ بخش، بجار خان، علی خان اور مراد خان نے سعدیہ کا ہنگ اٹھایا اور شامیانے میں عورتوں والے حصے میں لے جا کر رکھ دیا تھا۔

طاہرہ خاتون اور نجم السحر ساری لڑکیوں کو لے کر شامیانے میں عورتوں والے حصے

کے ساتھ ایک لمبا عرصہ گزارا وہ اب مجھے اماں کے بغیر کھانے کو دوڑتے ہیں۔“

نجم السحر پھٹ پڑی تھی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ طارق کے ان الفاظ پر طوبی بھی رو رہی تھی۔ احسن آگے بڑھا۔ گاڑی میں داخل ہوا۔ بڑے پیار سے اس نے طارق کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بڑی ہمدردی اور دردمندی میں اسے مخاطب کیا۔ ”بھائی! آپ نے یہ کیا حالت بنالی ہے۔ آپ کی یہ حالت دیکھتے ہوئے دیکھیں امی اور طوبی کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ آپ انھیں باہر آئیں اور سب لوگوں میں چل کر بیٹھیں۔ اللہ بخش آپ کا پوچھ رہا تھا۔ میرے خیال میں آپ سے پوچھ کر وہ کھانا شروع کرنا چاہتے ہیں۔“

طارق چپ رہا۔ منہ سے کچھ نہ بولا۔ ”اس کا ہاتھ ابھی تک احسن کے ہاتھ میں تھا۔ پھر احسن نے کچھ زور لگایا تب طارق اٹھ کر باہر آگیا۔ نجم السحر اور طوبی ابھی تک سسک رہی تھی۔ پھر نجم السحر نے طارق کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اور کہنے لگی۔ ”بیٹے! جب تم ہی نہیں اپنے آپ کو سنبھالو گے تو سوچو ہماری کیا حالت ہو گی۔ اٹھو چلو۔ وہاں سب کے ساتھ جا کر بیٹھو۔“

طارق چپ چاپ نجم السحر، طوبی اور احسن کے ساتھ ہو لیا تھا۔ طارق کو دیکھتے ہی اللہ بخش بول پڑا۔ ”طارق میرے بھائی! کہاں چلے گئے تھے؟ سلطان صاحب تمہیں یاد کر رہے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے طارق کو بلاؤ تاکہ کھانا شروع کریں۔ اتنی دیر تک ایک طرف سے سلطان بھی آگیا۔ اسے دیکھتے ہی طارق نے اسے مخاطب کیا۔ ”انکل! مجھ سے پوچھنے یا اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کھانا شروع کریں۔“

عمارت کے سارے لوگ اور وہ جو باہر سے جانے والے آئے تھے سب کو کھانا کھلایا گیا۔ کھانے کے بعد رحمان، نجم السحر اور ان کے اہل خانہ اور طاہرہ خاتون طارق کے کوارٹر میں آکر بیٹھ گئے تھے۔ نجم السحر نے رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”میرے خیال میں آپ اور احسن گھر جائیں۔ ثانیہ اور شمرہ کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔“ رحمان نے کچھ سوچا پھر نجم السحر کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا۔ ”تمہارا اپنا کیا پروگرام ہے؟“

نجم السحر نے ایک نگاہ اپنے ساتھ بیٹھے طارق پر ڈالی۔ پھر کہنے لگی۔ ”میں تین دن تک یہیں رہوں گی۔ سعدیہ کا تیسرا کر کے گھر آؤں گی۔“

میں چلی گئی تھیں جبکہ رحمان، طارق، احسن اور خلیل کو لے کر محلے سے افسوس کے لئے آنے والے لوگوں میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔

☆

شام سے پہلے سعدیہ کی تدفین کر دی گئی تھی۔ سب لوگ نماز جنازہ سے لوٹے تو اس وقت تک سلطان، بجار خان، علی خان، مراد خان اور اللہ بخش کے زیر انتظام کھانے کا اہتمام کر دیا گیا تھا۔ اللہ بخش زور زور سے پکارتے ہوئے سب کو کھانے کے لئے بلارہا تھا۔ پھر وہ طارق کے کوارٹر میں آیا۔ اس وقت وہاں خلیل، رحمان، احسن، طاہرہ، نجم السحر، طوبی، تحریم، حرا، شمرہ، ثانیہ وغیرہ بے حد اداس اور افسردہ بیٹھے ہوئے تھے۔

رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے اللہ بخش نے پوچھ لیا۔ ”ڈاکٹر صاحب! طارق کہاں ہے؟“

خلیل نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر اللہ بخش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”جنازہ گاہ سے بھائی میرے ساتھ آئے ہیں۔ نجائے وہ کہاں گئے ہیں۔“

نجم السحر پریشان ہو گئی تھی۔ پھر احسن کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”بیٹے! فوراً اٹھو۔ دیکھو بھائی کہاں ہے۔“

طوبی اپنی جگہ سے اٹھ گئی اور نجم السحر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”آنٹی! کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اصل میں طارق میری گاڑی کی کچھلی نشست پر پڑا ہوا ہے۔ میں نے اسے وہاں سے نکال کر یہاں لانے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ نہیں مانتا۔ وہ کہتا ہے اماں کے مرنے کے بعد ان کمروں میں آنے کو جی نہیں چاہتا۔“

طوبی کے ان الفاظ پر نجم السحر پگھل کر رہ گئی تھی۔ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ باہر نکلی۔ طوبی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ احسن بھی ان دونوں کے ساتھ ہو لیا تھا۔

نجم السحر نے آگے بڑھ کر طوبی کی گاڑی کا دروازہ کھولا۔ کچھلی نشست پر طارق بے سدھ سا پڑا ہوا تھا۔ پیار بھرے انداز میں نجم السحر نے اسے پکارا۔ ”طارق میرے بیٹے!“

طارق نے آنکھیں کھول کر نجم السحر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آئے تھے۔ نجم السحر پس کر رہ گئی تھی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ طارق بول پڑا۔ ”امی! مجھے یہیں پڑا رہنے دیں۔ وہاں جانے کو میرا دل نہیں کرتا۔“ رحمان، طاہرہ، شمرہ، ثانیہ، تحریم، حرا، شمرہ، ثانیہ وغیرہ نے اسے

تیسرے کے روز ایک بار پھر سب طارق کے ہاں جمع ہوئے۔ سب دن بھر کام میں مشغول رہے۔ پھر شام کے وقت اکٹھے ہوئے۔ کچھ دیر تک نجم السحر، رحمان، طاہرہ خاتون اور طوبی آپس میں مشورہ کرتے رہے۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر نجم السحر، طارق کے سامنے آن بیٹھی۔ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اسے مخاطب کیا۔ ”طارق بیٹے! تمہارا اب کیا پروگرام ہے؟“

طارق نے آہستہ آہستہ گردن سیدھی کرتے ہوئے نجم السحر کی طرف دیکھا۔ پھر کسی قدر تعجب سے پوچھا۔ ”کیسا پروگرام؟“

”بیٹے! تم اب کیا کرنا چاہتے ہو؟ دو کاموں میں سے ایک کام اپنالو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ یا تو ہسپتال میں فزیو تھراپی کا شعبہ سنبھالو یا طوبی کے ساتھ کام کرو۔ ان دو کے علاوہ اگر تمہارا کوئی تیسرا پروگرام ہو تو بیٹے! وہ بھی مجھے بتادو لیکن مجھ پر ایک احسان کرنا مجھے یہ نہ کہنا کہ تم کہیں ملازمت کرنا چاہتے ہو۔ بیٹے! اب جبکہ سعدیہ مرچکی ہے۔ میں ہی سب کچھ تمہارے لئے ہوں۔ میں جانتی ہوں اس کے تم پر بڑے احسانات ہیں۔ اس لئے میں نے اس کی موجودگی میں اپنے آپ کو سگی اور اسے تمہاری حقیقی ماں قرار دیا تھا۔ اب بولو تم کیا چاہتے ہو؟“

طارق نے کچھ سوچا۔ ایک اچھٹی ہوئی نگاہ اس نے اپنے پہلو میں بیٹھی طوبی پر ڈالی۔ پھر وہ بول پڑا۔ ”امی! میں طوبی کے ساتھ کام کروں گا۔“

طارق کے ان الفاظ پر نجم السحر ہی نہیں طوبی بھی خوشی سے کھل اٹھی تھی۔ رحمان، احسن، طاہرہ خاتون، ثانیہ، شمرہ، تحریم اور خلیل کی خوشیوں کی بھی کوئی انتہاء تھی۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ اس کے بعد نجم السحر بول پڑی۔ ”بیٹے! ایک مسئلہ تو حل ہوا۔

طارق نے احتجاجی انداز میں ایک نگاہ نجم السحر پر ڈالی۔ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے نجم السحر بول پڑی۔ ”طارق میرے بیٹے! اس موقع پر تم کچھ نہ بولو۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ جو کچھ کروں گی بہتر ہی کروں گی۔“

اس کے بعد نجم السحر نے پھر رحمان کی طرف دیکھا۔ ”آپ جاتے جاتے دونوں باپ بیٹا ہسپتال بھی چکر لگائیے گا۔ نائٹ ڈیوٹیاں چیک کر کے جائیے گا۔ احسن کے ہاتھ کل کچھ رقم بھی بھجوا دیجئے گا۔ دو دن مہمان آتے رہیں گے۔ ان سب کے کھانے کے اخراجات ہمارے ذمے ہوں گے۔ تیسرا بھی میں خود اپنے اخراجات سے کروں گی۔“

رحمان کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے طوبی بول پڑی۔ ”آئی! سارے اخراجات تو آپ اپنے ذمہ لے رہی ہیں۔ میں کیا کروں گی؟“

نجم السحر مسکرائی۔ طوبی کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ ”طوبی میری بیٹی! مجھ میں اور تم میں کیا کوئی فرق ہے؟ پہلے تمہارے ساتھ میرا ایک ہی رشتہ تھا۔ اب تو تمہارے ساتھ میرا دوہرا رشتہ ہو گیا ہے۔ پہلے تم صرف میری بھتیجی تھیں۔ اب بھتیجی کے ساتھ ساتھ تم میری بہو بھی ہو۔“

طوبی کچھ کہنا چاہتی تھی کہ طاہرہ خاتون بول پڑی۔ ”نجم! تم ایسا کرو آج اور کل کے جو اخراجات ہیں یہ سب میرے اور طوبی کے ذمہ ڈالو۔ تیسرا تم کر لو۔“

نجم السحر مسکرائی۔ پھر اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”اماں! آپ کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس جو کچھ ہے وہ بھی آپ کا ہے۔ میں جو کچھ کر رہی ہوں یہ آپ اور طوبی ہی کی طرف سے ہے۔ اماں! آپ بھی گھر جائیں۔ میں اور طوبی یہاں رہیں گی۔ آپ کو میرے خیال میں کل آنے کی ضرورت نہیں۔ رحمان بھی کل نہیں آئیں گے یہ ہسپتال جائیں گے۔ ہاں تیسرے کے روز آپ سب آجائیں۔“

نجم السحر کی اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا تھا۔ پھر رحمان، طاہرہ خاتون، احسن، ثانیہ اور شمرہ وہاں سے چلے گئے۔ ثانیہ جاتے ہوئے حرا کو بھی اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

اجازت کے بغیر ہم اس جگہ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ پہلے یہاں کے لوگوں سے مشورہ کیا جائے گا۔ جو فیصلہ یہ کریں گے اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔“

اس کے بعد طارق نے ہاتھ کے اشارے سے خلیل کو اپنے پاس بلایا اور اس کے کان میں راز دارانہ سی گفتگو کی جسے سن کر وہ باہر نکل گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد عمارت کے سارے لوگ وہاں آن جمع ہوئے تھے اور کچھ کرسیوں پر اور کچھ پلنگ کھینچ کر بیٹھ گئے تھے۔ جب سب لوگ آچکے تب سب کے سامنے طارق نے وہ باتیں پیش کیں جو اس کی ماں نجم السحر نے تھوڑی دیر پہلے کہی تھیں۔“

عمارت کے سارے مکین کچھ دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبے رہے۔ پھر آپس میں مشورہ کیا۔ اس کے بعد سلطان کو نمائندہ بنایا گیا۔ لہذا سلطان نے گفتگو کا آغاز کیا۔ ”طارق بیٹے! اس عمارت کے مکینوں کو سب سے بڑی خوشی یہ مل رہی ہے کہ تمہاری سگی ماں، تمہارے بہن بھائی مل گئے ہیں۔ بیٹے! ماں دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے جسے ٹھکرایا نہیں جاسکتا۔ ٹھیک ہے آج تک تم نے سعد یہ کو اپنی سگی ماں ہی کی طرح جانا لیکن یہ خدا کا تم پر بڑا کرم ہے کہ اس نے تمہیں تمہاری ماں سے ملادیا ہے اس طرح سے سعد یہ کی صورت میں جو کی ہوئی تھی تمہاری اصل ماں کی صورت میں اسے پورا کر دیا گیا ہے۔ جہاں تک تمہاری امی نجم السحر نے اور تمہاری نانی طاہرہ خاتون نے تمہاری شادی کا جو طریقہ طے کیا ہے اس سے تو ہم سب اتفاق کرتے ہیں۔ بیٹے! جہاں تک تمہارے اور خلیل کے رہنے کا تعلق ہے تو جو بھی تم فیصلہ کرو گے ہم عمارت کے لوگ اس سے متفق ہیں۔ اس کے ساتھ ہی میں تمہاری امی نجم السحر اور رحمان صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے سعد یہ کی فونگی کے سارے اخراجات برداشت کئے۔ تمہاری گفتگو سننے کے بعد میں اپنی بیٹی طوبی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ یہ زرگوںہ، تحریم اور ثروت کو اپنی گارمنٹس فیکٹری میں جگہ دے رہی ہے۔ اس طرح بیٹے! تم لوگوں کے ساتھ ہمارا ایک رابطہ اور واسطہ ضرور رہے گا۔ تمہارے ہم سب لوگوں کو جمع کر کے ہماری عزت افزائی کی ہے۔ ہم تمہیں یہی مشورہ دیں گے کہ تم یہاں سے خلیل کے ساتھ وہاں منتقل ہو جاؤ۔ تمہیں اچھی رہائش مل رہی ہے۔ تمہیں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہنا چاہئے۔ طاہرہ خاتون کی بڑی مہربانی کہ وہ خلیل اور تحریم کو بھی تمہاری طرح اہمیت دیتے ہوئے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہیں۔“

اب میرے سامنے دو اور مسائل ہیں۔ وہ بھی تم نے ہی حل کرنے ہیں۔ مرنے سے پہلے سعد یہ نے جو وصیت کی تھی اس کے الفاظ مجھے یاد ہیں بیٹے۔ تمہارے اور احسن کی طرح خلیل بھی اب میرا بیٹا ہے۔ اس کے متعلق بھی فیصلہ کر دینا چاہیے؟ ہاں میں تمہیں پہلے بتا دوں کہ طوبی نے اپنے طور پر خلیل کے متعلق ایک فیصلہ کیا ہے۔ وہ اس کی گارمنٹس کی فیکٹری میں کام کرے گا، اس کی نگرانی کرے گا اور جب اس کے موسیقار کے ساتھ اس کا کوئی کام ہو گا تو وہاں چلا جایا کرے گا۔ کوئی روک رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اس کے علاوہ طوبی نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ تحریم، زرگوںہ اور ثروت چونکہ سلائی کڑھائی کا کام خوب جانتی ہیں لہذا تینوں اس کی گارمنٹس فیکٹری میں کام کریں گی۔ اس طرح یہ تینوں بھی اچھے پیسے کمائیں گی اور ان کے وہاں سروس کرنے کی وجہ سے یہاں کے لوگوں سے ہمارا ایک تعلق اور رابطہ بھی رہے گا۔“

نجم السحر تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ اس کے بعد کچھ سوچنے کے بعد اس نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ ”طارق! دوسرا موضوع جس پر میں تمہارے ساتھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں وہ تمہاری اور خلیل کی رہائش کا ہے۔ اس سلسلے میں، میں نے ماں سے مشورہ کیا ہے۔ ماں کا کہنا ہے کہ عنقریب تمہاری اور طوبی کی شادی کا اہتمام آجائے گا۔ میں نے ماں کو مشورہ دیا تھا کہ طوبی ان کے پاس رہے گی۔ طارق میرے پاس جائے گا۔ بارات میرے ہاں سے ماں کے پاس شاہ جمال آئے گی اور ہم طوبی کو بیاہ کر اپنے ہاں لے جائیں گے۔ لیکن ماں نے میری اس تجویز کو رد کر دیا ہے۔ ماں کا کہنا ہے کہ بیٹے! تم ان کے پاس رہو گے۔ طوبی میرے ہاں قیام کرے گی۔ ماں بارات لے کر ہمارے پاس آئیں گی اور طوبی کو بیاہ کر لے جائیں گی۔ پھر طوبی اور تم ماں کے پاس شاہ جمال میں رہو گے۔ ساتھ ہی ماں نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ خلیل اور تحریم دونوں میاں بیوی بھی وہیں قیام کریں گے۔ اس طرح ماں کا کہنا ہے کہ اسے پلے پلائے دو بیٹے اور بیٹیاں مل جائیں گی۔ ماں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ان کی کوٹھی میں بڑی ویرانی اور اداسی ہے۔ تم چاروں کے وہاں جانے سے رونق آجائے گی۔“

جب تک نجم السحر بولتی رہی طارق خاموش رہ کر سوچتا رہا۔ جب نجم السحر خاموش ہوئی تو اس نے کہنا شروع کیا۔ ”امی! میری اور خلیل کی رہائش کا مسئلہ حل کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ ان کو انٹروں میں ہم ایک عرصے سے رہ رہے ہیں۔ یہاں کے رہنے والوں کی

اس طرح اس سمیت تین کمرے خالی ہو جائیں گے۔ وہ تین کمرے اللہ بخش کے استعمال میں رہیں گے۔ طارق بیٹے! تمہارا کوارٹر خالی ہونے کے بعد بجار خان اپنے بیوی بچوں کو یہاں لے آئے گا۔“

میا جب خاموش ہوئی تو ہاتھ کے اشارے سے نجم السحر نے زرگونہ کو اپنے قریب بلایا۔ زرگونہ ہچکچاتے ہوئے نجم السحر کے قریب گئی۔ نجم السحر نے ایک طرح سے اسے اپنی گود میں بٹھایا۔ پھر اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے گئی اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”زرگونہ میری بیٹی! میں نے طوبی سے تمہارے متعلق تفصیل پوچھی تھی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ تم ایف اے کر چکی ہو۔ آگے تم نے پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ بیٹی! میں نے اپنے من میں تمہارے لئے فیصلہ کیا ہے اور اس سلسلے میں، میں نے اپنے شوہر رحمان اور بیٹے احسن سے بھی مشورہ کیا ہے۔ اپنی بیٹیوں ثانیہ اور ثمرہ سے بھی بات کر چکی ہوں۔ وہ میری تجویز سے پوری طرح متفق ہیں۔ بیٹے! اگر میں تیری ماں سے تجھے اپنے بیٹے ڈاکٹر احسن کے لئے مانگوں تو تجھے کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟“

نجم السحر کے ان الفاظ پر زرگونہ ہلک سی اٹھی تھی۔ عجیب سے انداز میں اس نے نجم السحر کی طرف دیکھا۔ اپنی جگہ سے اٹھ جانا چاہتی تھی لیکن نجم السحر نے اسے پکڑے رکھا۔ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا۔ پھر کہنے لگی۔ ”نہیں بیٹے! اس طرح تو میں تجھے نہیں جانے دوں گی۔ جو کچھ میں نے پوچھا ہے اس کا تمہیں جواب دینا ہوگا۔ دیکھو بیٹی! تم جوان ہو۔ انتہا درجہ کی خوبصورت ہو۔ بس یوں جانو تم میری پسند ہو۔ میں تمہارے منہ سے کچھ سننا چاہتی ہوں۔ ہاں! اگر تم کسی اور کو پسند کرتی ہو تب بھی کہہ دو۔ میں اس معاملے کو آگے نہیں بڑھاؤں گی۔ میری بیٹی! میری اس گفتگو کا کوئی جواب تو دونا۔“

کچھ دیر سر جھکا کر زرگونہ سوچتی رہی۔ پھر دھیمے سے لہجے میں کہنے لگی۔ ”آپ جو چاہیں کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں کسی کو پسند نہیں کرتی۔“ اس کے ساتھ ہی اپنا ہاتھ جھڑا کر بھاگنے کے انداز میں زرگونہ جہاں سے اٹھی تھی وہیں جا کر بیٹھ گئی تھی۔“

رحمان، احسن، ثانیہ، ثمرہ، طوبی شاید اس معاملے کو بھانپ گئے تھے لہذا وہ مسکرا بھی رہے تھے اور سوالیہ سے انداز میں کبھی نجم السحر اور کبھی زرگونہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ نجم السحر کے چہرے پر چونکہ مسکراہٹ تھی لہذا انہوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ زرگونہ کا جواب یقیناً

سلطان کو یہاں تک کہتے کہتے رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ بیچ میں میا بول پڑی تھی۔ ”طارق بیٹے! میں تمہیں اور خلیل کو یہاں سے جانے کی اجازت دے تو رہی ہوں لیکن ساتھ ہی ایک شرط بھی ہے۔“

سب لوگ چونک کر میا کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ طارق نے بھی مسکراتے ہوئے میا کی طرف دیکھا اور پوچھ لیا۔ ”میا! آپ کی ہر شرط سر آنکھوں پر۔ اگر آپ صرف یہ اشارہ بھی کر دیں کہ مجھے یہاں سے نہیں جانا چاہئے تو دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔ آپ پہلے اپنی شرط بتائیے۔ اس کے بعد میں کچھ کہوں گا۔“

میا کچھ دیر سوچتی رہی۔ باری باری اس نے سب کی طرف دیکھا۔ پھر طارق کو مخاطب کیا۔ ”بیٹے! میں تمہیں اور خلیل کو اس وقت یہاں سے جانے دوں گی جس وقت تم دونوں میرے ساتھ یہ وعدہ کر کے جاؤ گے کہ کم از کم ہفتے میں ایک دو بار ضرور یہاں آیا کرو گے۔ اپنے ساتھ طوبی اور تحریم کو بھی لے کر آیا کرو گے۔ اگر تم ایسا کرنے کا وعدہ نہیں کرتے تو پھر تمہیں میں یہاں سے شفٹ ہونے کی کسی بھی صورت اجازت نہیں دے سکتی۔“

میا کی یہ شرط سن کر سب مسکرا رہے تھے۔ طارق جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ طوبی اس سے پہلے ہی بول پڑی۔ ”میا! یہ تو کوئی شرط نہیں۔ آپ ہفتے میں ایک یا دو بار کہتی ہیں میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں، طارق، خلیل اور تحریم ہفتے میں تین بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ کو سلام کرنے کے لئے آیا کریں گے اور ان کو ارٹرز کے سارے مکینوں سے مل کر جایا کریں گے۔“

میا نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”میرے بچو! تم جہاں بھی رہو خوش رہو۔ بس میری تو یہی خواہش ہے کہ تم ہم سے ملتے رہو۔ اس لئے کہ تم جانتے ہو تم ہی لوگ میرے بچے، تم ہی لوگ میرے بہن بھائی ہو۔ تم لوگوں نے آج تک میری جو خدمت کی اسے تو میں زندگی بھر بھلا نہ سکوں گی۔ تم دونوں بھائی طوبی اور تحریم کے ساتھ طاہرہ خاتون کے ہاں شفٹ ہو جانا۔ تمہارا یہ کوارٹر خالی ہو جانے کے بعد ہم بھی ایک تبدیلی کریں گے۔ اس لئے کہ اللہ بخش اور بجار خان گزشتہ کئی ہفتوں سے یہ پروگرام بنا رہے ہیں کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو یہاں لانا چاہتے ہیں۔ سلطان نے انہیں یہ پیشکش کی ہے کہ ان کے پاس دو کمرے ہیں۔ ایک کمرہ وہ خالی کر دیں گے۔ ایک کمرے میں رہیں گے۔“

ہاں میں ہی ہو گا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر نجم السحر نے گل ساٹکا کی طرف دیکھا۔ ”گل ساٹکا! میری بہن! تم یہ خیال کر رہی ہو گی کہ میں نے علیحدگی میں زرگونہ سے کیا بات کی۔ میری بہن! زرگونہ میری بیٹی کی جگہ ہے۔ میں نے اس کے لئے ایک فیصلہ کیا ہے۔ جو فیصلہ میں نے کیا ہے سب کے سامنے کہوں گی۔ اس لئے کہ یہاں تم بھی اور تمہارے دونوں بیٹے بھی ہیں۔ عمارت کے سارے مکین یہاں موجود ہیں۔ ان کی موجودگی میں یہ فیصلہ ہونا چاہئے۔ گل ساٹکا! میں زرگونہ کو اپنے بیٹے احسن کے لئے مانگتی ہوں۔ عمو نا لوگ اپنے ڈاکٹر بیٹے کے لئے لیڈی ڈاکٹر لاتے ہیں لیکن میں نے صرف ہسپتال ہی نہیں گھر کو بھی آباد کرنا ہے۔ اگر تم لوگ ہاں کر دو تو زرگونہ میرے پاس رہے گی۔ گھر کی مالک ہو گی۔ اسے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ گفتگو کا آغاز کرنے سے پہلے میں اپنے بیٹے کے علاوہ اپنے شوہر، اپنی بیٹیوں اور طوبی سے بھی مشورہ کر چکی ہوں۔ اپنی ماں سے بھی میں نے رائے لی تھی۔ سب اس رشتے سے متفق ہیں۔ گل ساٹکا! اس وقت علی خان اور مراد خان بھی بیٹھے ہوئے ہیں ان سے مشورہ کر لو۔ پھر جو فیصلہ تم کرو ہمارے لئے آخری ہے۔“

نجم السحر کے خاموش ہونے پر سب سے پہلے سلطان حرکت میں آیا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ وہاں آن بیٹھا جہاں علی خان، مراد خان اور گل ساٹکا بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ دیر ان کے ساتھ صلاح مشورہ کرتا رہا پھر اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے نجم السحر کو مخاطب کیا۔ ”نجم السحر میری بہن! جو سوال تم نے کیا ہے اس کا جواب میں دوں یا گل ساٹکا؟“

نجم السحر کہنے لگی۔ ”بھائی! آپ کی بڑی مہربانی۔ اگر اس سلسلے میں گل ساٹکا ہی کو بولنے دیں تو میں سمجھوں گی یہ تم لوگوں کا ہم پر احسان ہو گا۔“

گل ساٹکا مسکراتی تھی۔ ایک نگاہ اس نے باری باری اپنے بیٹوں پر ڈالی اس کے بعد زرگونہ کی طرف دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بول اٹھی۔ ”نجم السحر میری بہن! اس رشتے پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔“

گل ساٹکا کے اس جواب پر وہاں بیٹھے سب لوگ بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ کچھ دیر تک سب مسکراتے رہے پھر اچانک طوبی حرکت میں آئی۔ سب کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”میں تھوڑی دیر تک آتی ہوں۔ میرے آنے تک کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔“

اس کے بعد وہ طارق کے قریب آئی۔ اس کے کان میں کھسر پھسر کی جسے سن کر طارق اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں اٹھ کر باہر نکل گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد نجم السحر نے پھر گل ساٹکا کو مخاطب کیا۔ ”گل ساٹکا! میری عزیز بہن! تم نے ہاں کر کے یوں جانو ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ جب میں پہلی بار اس عمارت میں آئی تھی اور میں نے زرگونہ کو دیکھا تھا تو اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ زرگونہ کو میں اپنی بہو بناؤں گی۔ یہ خوبصورت ہے۔ دراز قد ہے۔ سلجھی ہوئی بچی ہے۔ مجھے ایسی ہی بچی چاہئے تھی۔ اسے دیکھنے کے بعد میں نے اپنے گھر والوں سے مشورہ کیا۔ جب سب نے ہاں کی تب میں نے آپ سے سوال کیا۔ اب ہمارا طریقہ کچھ کچھ اس طرح ہو گا کہ چند دن بعد ہم لوگ اپنی بڑی بیٹی ثانیہ کی منگنی کا اہتمام کر رہے ہیں۔ یہ منگنی بہت پہلے ہو جانی چاہئے تھی لیکن طارق کے ساتھ معاملہ الجھا ہوا ہونے کی وجہ سے اس میں تاخیر کی گئی۔ اب جس روز ثانیہ کی منگنی کی رسم ادا کی جائے گی اس سے دوسرے روز ہم یہاں آئیں گے اور احسن اور زرگونہ کی منگنی کی رسم ادا کریں گے۔ یہ رشتہ ہو جانے کے بعد اس عمارت کے مکینوں کے ساتھ ہمارا مستقل رابطہ اور تعلق رہے گا۔ اس موضوع پر آپ لوگوں کی آمد سے پہلے میں طارق سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن خلیل کو کہہ کر طارق نے آپ سب کو یہاں بلوایا۔ اچھا ہوا آپ سب لوگوں کی موجودگی میں یہ معاملہ طے ہو گیا۔ اس کے علاوہ بھی میں ایک معاملہ طے کرنا چاہتی تھی اور اس موضوع پر میں نے طارق اور طوبی سے بھی بات کی تھی۔ بات یہ ہے کہ میں جانتی ہوں کہ ثروت اور اس کی ماں دونوں بڑی دکھی ہیں۔ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ثروت کا بیٹا اس سکول میں پڑھے گا جس میں حرا پڑھ رہی ہے اور ان دونوں کے اخراجات میں خود برداشت کروں گی۔ خرم کو لے جانے اور واپسی کے لئے روزانہ یہاں گاڑی آیا کرے گی۔ اسے لے بھی جائے گی اور چھوڑ بھی جائے گی۔“

یہاں تک کہتے ہوئے نجم السحر رک گئی۔ پھر اس نے اپنے سامنے بیٹھی سمیعہ اور ثروت کو دیکھا اور ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”میں نے جو فیصلہ کیا ہے آپ دونوں کا اس سلسلے میں کیا خیال ہے؟“

ثروت نے سوالیہ سے انداز میں اپنی ماں کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ دونوں ماں بیٹی نے کوئی فیصلہ کیا۔ پھر ثروت نے نجم السحر کو مخاطب کیا۔ ”میڈم اگر

آپ ایسا کرتی ہیں تو یہ آپ کا ہم پر بڑا احسان ہو گا۔ میں آپ کی اس پیشکش کو قبول کرتی ہوں اور زندگی بھر آپ کی احسان مند رہوں گی۔“

رحمان پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے بول پڑا۔ ”ثروت بنی! تم کل سے طوبی کی گارمنٹس فیکٹری میں کام کرنا شروع کر دینا۔ جو گاڑی تمہارے بیٹے خرم کو لینے آئے گی اس میں تم بھی جایا کرو گی۔ گارمنٹس فیکٹری تم کو گاڑی لے کر بھی جایا کرے گی اور تم دونوں ماں بیٹے کو چھوڑ کر بھی آیا کرے گی۔ بنی! اس طرح تم ضروریات زندگی سے کسی قدر سبکدوش ہو جاؤ گی۔ جہاں تک میری بیٹی زرگونہ کا تعلق ہے اس کی عنقریب منگنی ہو گی۔ میرے خیال میں یہ طوبی کی گارمنٹس فیکٹری میں کام نہیں کرے گی نہ ہی اس کو ضرورت ہے۔“

رحمان کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر گل سانگا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”گل سانگا! میری بہن! مجھے اس بات پر فخر ہے کہ اس عمارت کے سارے لوگ آپ کو موردِ کبرہ کر پکارتے ہیں۔ اب جبکہ آپ نے زرگونہ کا رشتہ میرے بیٹے احسن کے ساتھ قبول کر لیا ہے تو اس موقع پر میں آپ لوگوں سے بھی کہوں گا کہ منگنی کی رسم پر آپ کوئی تکلف نہیں کریں گے۔ اس کے بھی سارے اخراجات ہم پورے کریں گے۔ منگنی کے بعد جلد ہی شادی کا بھی اہتمام کیا جائے گا۔ سب سے پہلے تو طارق اور طوبی کی شادی کا بندوبست کیا جائے گا اور آپ سب لوگ اس شادی میں شریک ہوں گے۔ ان دونوں کی شادی کے چند ماہ بعد ثانیہ اور احسن کی شادی کا بھی اہتمام کر دیا جائے گا۔ میں آپ لوگوں سے یہ بھی کہوں کہ آپ زرگونہ کے لئے جہیز نام کی کوئی چیز تیار نہیں کریں گے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو میں آپ کے ساتھ خفا ہوں گا۔ مجھے صرف بیٹی چاہئے۔ بس جس گھر میں اس نے جانا ہے وہاں ضروریات زندگی کی ہر چیز موجود ہے لہذا زرگونہ یہاں سے کچھ بھی نہیں لے کر جائے گی۔“

رحمان کی گفتگو کا جواب کوئی دینا ہی چاہتا تھا کہ سب چپ رہے اس لئے کہ طارق اور طوبی اندر آئے تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں میں مٹھائی کے ڈبے اٹھا رکھے تھے۔ پھر طارق کا اشارہ پا کر سب لوگوں کے بیچ میں خلیل نے میز رکھ دیا۔ سارے ڈبے کھول کر میز پر جما دیئے گئے۔ پھر طوبی نے سب کو مخاطب کیا۔ ”یہ مٹھائی احسن اور زرگونہ کا رشتہ طے ہونے کی خوشی میں ہے۔ آپ سب لوگ انھیں اور منہ میٹھا کریں۔“

سب لوگ مٹھائی کھانے لگے تھے۔

اگلے روز طارق، خلیل، تحریم اور طوبی طاہرہ خاتون کی کوٹھی میں منتقل ہو گئے تھے۔ خلیل، تحریم اور ثروت نے طوبی کی گارمنٹس فیکٹری میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ طارق طوبی کی ایڈورٹائزنگ ایجنسی سنبھال چکا تھا۔ چند ہی دن بعد ثانیہ کے علاوہ احسن اور زرگونہ کی منگنی کی رسم بڑے شاندار طریقے سے ادا کر دی گئی تھی۔

☆

نے طوبیٰ کو بھی فون کیا ہے۔ اسے بلایا ہے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ طارق کسی کام کے سلسلے میں بغیر گیا ہے وہ آتا ہے تو وہ اسے لے رہا ہے پہنچتی ہے۔ بہر حال ہم سب نے مل کر یہ طے کیا ہے کہ اگلے ماہ کی پندرہ تاریخ کو طوبیٰ اور طارق کی شادی کا اہتمام کیا جائے۔ میں تو یہ چاہتی تھی کہ شادی کا اہتمام فائو سنار ہو ٹل میں کیا جائے۔ بارات میرے ہاں سے چلے گی۔ جو اخراجات میں کرنا چاہتی تھی انہیں طارق رد کر چکا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شادی کسی فائو سنار ہو ٹل میں نہیں ہوگی بلکہ سادگی سے گھر پر ہوگی۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ آپ جو فائو سنار ہو ٹل میں شادی کے اخراجات کرنا چاہتے ہیں وہ مجھے نقد دے دیں۔ طارق کا کہنا تھا کہ یہ رقم سلطان صاحب کے حوالے کر دی جائے گی جسے وہ مناسب طریقے سے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیں گے۔ اس سلسلے میں میری طوبیٰ سے بھی بات ہو چکی ہے۔ اس نے بھی طارق کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اب تم لوگ بولو کیا کہتے ہو؟“

رحمان نے پہلے گھورنے کے انداز میں نجم السحر کی طرف دیکھا پھر طاہرہ خاتون کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”اماں! مجھ سے تو آپ نہ ہی پوچھیں تو اچھا ہے۔ مجھے تو اپنے بیٹے طارق سے پورا پورا اتفاق ہے۔ میں تو پہلے ہی اس کا ساتھ دیتا رہا ہوں۔ ذرا اپنی بیٹی سے پوچھ لیں۔ ان کے کیا خیالات ہیں۔“

جواب میں نجم السحر نے زیادہ گھورنے اور کسی قدر غصیلے انداز میں رحمان کی طرف دیکھا۔ پھر طاہرہ خاتون کو اس نے مخاطب کیا۔ ”اماں! کوئی تجویز میرا بیٹا طارق پیش کرے اور میں اسے نہ مانوں یہ ممکن ہی نہیں۔ جو کچھ طارق کہتا ہے ایسا ہی ہو گا۔ بہر حال.....“

یہاں تک کہتے کہتے نجم السحر کو رک کر جانا پڑا۔ اس لئے کہ کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تھی۔ نجم السحر نے احسن کی طرف دیکھا۔ ”بیٹے! بھاگ کر جاؤ۔ دیکھو کس کا فون ہے؟“

احسن تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔ سب وہاں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگے تھے۔ تھوڑی دیر بعد احسن لوٹا۔ وہ بڑا پریشان، بکھرا بکھرا، اداس اور غمگین سا سر جھکائے میننگ روم میں داخل ہوا تھا۔ اس کی حالت دیکھتے ہوئے بھی چونک پڑے۔ بڑی بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے نجم السحر نے پوچھ لیا۔ ”بیٹے! تمہاری یہ کیا حالت ہو گئی ہے؟ کس کا فون تھا؟“

احسن کچھ نہ بولا۔ جس کرسی سے اٹھ کر گیا تھا اسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر آہستہ آہستہ غصے اور غضب ناک کے آثار گہرے ہوتے چلے گئے تھے۔ نجم السحر نے پھر اسے

ڈاکٹر رحمان اپنے آفس میں مصروف کار تھا کہ کمرے میں احسن داخل ہوا۔ مسکراتے ہوئے وہ قریب آیا اور رحمان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”پاپا! آپ میننگ روم میں چلیں۔ وہاں بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔“

رحمان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔ ”بیٹے! آج میننگ تو نہیں ہے۔ تم مجھے میننگ روم کیوں لے جانا چاہتے ہو؟“

احسن آگے بڑھا۔ رحمان کا ہاتھ پکڑ کر اس نے اٹھایا۔ پھر کہنے لگا۔ ”پاپا! آپ پہلے میننگ روم چلیں پھر آپ کو پتہ چلے گا وہاں کس قسم کی میننگ ہو رہی ہے۔“

رحمان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جب دونوں باپ بیٹا میننگ روم میں آئے وہاں پہلے سے طاہرہ خاتون، نجم السحر، ثانیہ، شمرہ، خلیل اور تحریم بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں اس طرح اکٹھے دیکھ کر رحمان کچھ پریشان ہوا۔ بہر حال دونوں باپ بیٹا آگے بڑھے۔ جس کرسی کی طرف احسن نے اشارہ کیا تھا رحمان اس پر بیٹھ گیا۔ اس کے قریب ہی احسن بیٹھ گیا۔

رحمان گفتگو کا آغاز کر کے کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی طاہرہ خاتون بول پڑی۔ ”رحمان میرے بیٹے! میں آج خلیل اور تحریم کو اس لئے اپنے ساتھ لے کر آئی ہوں کہ طارق اور طوبیٰ کی شادی کی تاریخ طے کی جائے۔“

ان الفاظ پر رحمان کھل سا گیا تھا۔ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ”اماں! قسم خدا کی۔ آپ نے میرے دل کی بات کہی ہے۔ سب یہاں بیٹھے ہوئے ہیں میرے خیال میں اس موقع پر طارق اور طوبیٰ کو بھی ہونا چاہئے تھا۔ مل کر کوئی تاریخ طے کرتے ہیں۔ تاریخ نزدیک ہی ہونی چاہئے۔ میرے بس میں ہو تو میں آج ہی طارق اور طوبیٰ کی شادی کا اہتمام کر دوں۔“

رحمان جب خاموش ہوا تو طاہرہ خاتون بول پڑی۔ ”بیٹے! تمہاری آمد سے پہلے میں تفصیل کے ساتھ نجم السحر، ثانیہ، شمرہ اور احسن سے بات کر چکا ہوں۔ سلسلہ میں، میں

مخاطب کیا۔ ”بولتے کیوں نہیں ہو؟ کیا ہوا؟“

احسن کے جواب دینے سے پہلے رحمان بھی بول پڑا۔ ”بیٹے! بولو کیا ہوا؟ کس کا فون تھا؟ فون سن کر تمہاری طبیعت کیوں برہم ہوئی ہے؟“

احسن نے زوردار انداز میں مکامیز پر مارا اور انتہائی غصے اور غضب ناکی میں وہ پھٹ پڑا۔ ”آج پھر بھائی کو کسی نے مارا ہے۔ بھائی پر کسی نے کتا چھوڑا ہے۔“

اس سے آگے احسن کچھ نہ کہہ سکا تھا۔ لگتا تھا اس کی آواز غصے اور غضب ناکی کے باعث حلق میں انک کر رہ گئی ہو۔ اس کے ان الفاظ پر نجم السحر بیچاری کرسی سے گرتے گرتے پیچ تھی۔ اس کی حالت ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ پھر وہ چلا اٹھی۔ ”کیسے ہوا؟ کس نے مارا میرے بیٹے کو؟“

احسن نے پھر کہنا شروع کیا۔ ”ابھی طوبی کا فون تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ طارق بھائی اپنے کسی کام کے سلسلے میں اس کی غیر موجودگی میں ڈیفنس گئے ہوئے تھے۔ وہ آفس سے باہر گئی ہوئی تھی۔ سٹاف کو بتا کر گئے تھے۔ گاڑی بھی نہیں لے کر گئے۔ میرے خیال میں رکشے میں گئے۔ پھر اماں نے طوبی کو فون کیا کہ وہ دونوں یہاں آئیں۔ طوبی آفس پہنچ کر بڑی بے چینی سے بھائی کا انتظار کرتی رہی۔ جب وہ نہیں آئے تب وہ گاڑی نکال کر ان کے پیچھے گئی۔ راستے میں ایک جگہ فٹ پاتھ کے کنارے بہت سے لوگ جمع تھے۔ طوبی نے وہاں گاڑی روک لی اس لئے کہ اس نے دیکھا وہاں فٹ پاتھ پر بھائی گرے ہوئے تھے۔ لوگ انہیں سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ طوبی نے یہ بھی بتایا کہ جنہوں نے بھائی کو مارا ہے انہوں نے بھائی پر کتا بھی چھوڑا ہے۔ جگہ جگہ سے کتے نے بھائی کے کپڑے پھاڑ دیے ہیں۔ بھائی کے جسم پر کتے کے پنچے کے نشانات ہیں۔ پیچھے سے کہیں آ رہے تھے وہاں گر پڑے۔ لوگوں نے سنبھال دیا۔ اچھا ہوا طوبی وہاں پہنچ گئی۔ اب وہ بھائی کو گاڑی میں ڈال کر ادھر ہی لا رہی ہے۔“

جب تک احسن بولتا رہا سب گم سم بیٹھے رہے۔ لگتا تھا کسی کے منہ میں زبان نہ ہو۔ سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ہر کوئی اداس اور افسردہ تھا۔ احسن خاموش ہو گیا تھا۔ اس کے چپ ہونے پر نجم السحر بارود کی طرح پھٹ پڑی۔ ”یہ کون بد بخت ہے جو میرے بیٹے پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ طوبی نے مجھے بتایا تھا کہ اس سے پہلے بھی دوبار اس پر کوئی

ہاتھ اٹھا چکا ہے۔“

احسن اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور نجم السحر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”اما! بھائی کو لے کر طوبی تھوڑی دیر تک پہنچنے والی ہے۔ بھائی زخمی ہوں گے۔ میں ان کے لئے بیڈ تیار کرتا ہوں۔“

احسن بولتے بولتے خاموش ہو گیا۔ اس لئے کہ رحمان اور نجم السحر بھی کھڑے ہو گئے۔ پھر رحمان کہنے لگا۔ ”سارے کام کی نگرانی میں خود کروں گا۔“ پھر جب رحمان، نجم السحر اور احسن دروازے کی طرف بڑھے تو طاہرہ خاتون، ثانیہ، ثمرہ، خلیل اور تحریم بھی افسردہ سے ان کے پیچھے ہو لئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد طوبی کی گاڑی ہسپتال کے احاطے میں داخل ہوئی۔ ہاتھ کے اشارے سے ہسپتال کے مسلح گارڈ کو طوبی نے اپنی طرف بلایا تاکہ وہ گاڑی کے اندر سے طارق کو نکالے لیکن اتنی دیر تک ہسپتال کے اندرونی حصے سے احسن اور خلیل بھاگتے ہوئے آئے۔ احسن نے ہاتھ کے اشارے سے مسلح گارڈ کو دروازے پر ہی کھڑا رہنے کا اشارہ دیا خود وہ طوبی کی کار کے قریب آیا۔ اتنی دیر تک رحمان، نجم السحر، طاہرہ خاتون، ثانیہ، ثمرہ اور تحریم بھی ہسپتال سے نکل آئے تھے۔

کار کے اندر سر لے جاتے ہوئے احسن نے جب طارق کو باہر نکالنا چاہا تو اس وقت طارق اپنے حواس میں تھا۔ زبردستی کی مسکراہٹ اس نے اپنے چہرے پر بکھیری۔ بڑی محبت سے اس نے احسن کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔ ”احسن! ذرا پیچھے ہنو۔ میں خود نکلتا ہوں۔“

احسن نے ہاتھ آگے بڑھا کر طارق کے دونوں بازو پکڑ لئے۔ پھر کہنے لگا۔ ”نہیں بھائی جان! میں خود آپ کو نکالوں گا۔“

اتنی دیر تک خلیل بھی آگے بڑھا۔ دونوں نے طارق کو باہر نکالا۔ اس کی حالت دیکھتے ہوئے نجم السحر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ اس کا لباس تار تار تھا۔ جگہ جگہ جسم پر کتے کے پنچوں کی خراشیں تھیں۔ جس پر جگہ جگہ مار کی جوتیں تھیں۔ نجم السحر کے اس طرح رونے پر طوبی، ثانیہ، ثمرہ، تحریم اور طاہرہ خاتون بھی رودی تھیں۔ احسن اور خلیل دونوں طارق کو اندر لے گئے۔ سب لوگ ان کے پیچھے پیچھے ہو لئے تھے۔ اندر لے جا کر طارق کو

دست لوگ ہیں مجھے ٹھیک ہو جانے دیں پھر میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا اس لئے کہ میں جانتا ہوں اس وقت اگر میں نے آپ کو بتایا تو آپ جذبات میں نکل کھڑی ہوں گی۔ میں آپ، احسن اور خلیل کو کہیں بھی نہیں جانے دینا چاہتا۔ اس معاملے میں، میں آپ کے ساتھ ہوں۔ لہذا آپ برائے نامیں۔ مجھے توڑا سا ٹھیک ہو جانے دیں پھر میں ساری تفصیل آپ سے کہہ دوں گا۔“

نجم السحر نے آگے بڑھ کر طارق کی پیشانی پر ایک طویل بوسا دیا۔ پھر روتی اور ماتا بھری آواز میں بول پڑی۔ ”بیٹے! مجھے اتنے بڑے صبر میں مت ڈالو۔ بیٹے! میں تیرے ساتھ وعدہ کرتی ہوں کہ جب تک تو ٹھیک نہ ہو گا میں کسی رد عمل کا اظہار نہیں کروں گی۔ مجھے یہ تو پتہ چلنا چاہئے کہ تیرے ساتھ کس نے زیادتی کی ہے۔ میں قسم اٹھاتی ہوں کہ تیرے مشورے، تیری اجازت کے بغیر میں ان لوگوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔ بول اب کیا کہتا ہے؟“

ہونٹ کانٹتے ہوئے طارق نے نجم السحر کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔ ”امی! جو وعدہ آپ نے کیا ہے احسن اور خلیل سے کہیں بلکہ انکل سے بھی کہیں وہ بھی مجھ سے وعدہ کریں۔ پھر میں بتاتا ہوں۔“

نجم السحر نے باری باری جب احسن، خلیل اور رحمان کی طرف دیکھا تو انہوں نے بھی اس کی اجازت کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھانے کا عہد کیا۔ تب طارق بول پڑا۔ ”امی! میرا ایک دوست تھا۔ سعد یہ اماں اسے اچھی طرح جانتی تھیں۔ خلیل بھی اس سے واقف ہے۔ اس کا نام احمد تھا۔ میرے ساتھ پڑھتا تھا۔ ایف ایس سی کے بعد اس نے آگے پڑھنا چھوڑ دیا۔ ایک لڑکی کے ساتھ اس نے شادی کر لی۔ اس کی وہ محبت کی شادی تھی۔ لڑکی اس کے ساتھ پڑھتی رہی تھی۔ طوبیٰ بھی اس لڑکی کو جانتی ہے۔ میں جب بعد میں اسے تفصیل بتاؤں گا تو یہ جان جائے گی کہ وہ لڑکی کون تھی۔ یوں جانیں وہ لڑکی ہماری کلاس فیلو تھی۔ اس لڑکی نے ماں باپ کی مرضی کے خلاف شادی کی۔ احمد نے اسے ہر آسائش مہیا کی۔ ڈینٹس کی ایک فیل کی ہاں اس نے ملازمت اختیار کر لی تھی۔ وہ امپورٹ ایکسپورٹ کا کام کرتے ہیں۔ احمد کو یہ خبر نہ تھی کہ جن کے ہاں اس نے ملازمت اختیار کی ہے وہ جرائم پیشہ لوگ ہیں۔ حراسی احمد کی بیٹی ہے جس میں پال رہا ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ احمد اور اس کی

ایک بیڈ پر لٹا دیا گیا تھا۔

نجم السحر روتے روتے سنبھلی۔ طارق کے بیڈ پر بیٹھ کر وہ کچھ دیر تک بڑی محبت، بڑے ماتا بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر طارق کا ہاتھ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا۔ کئی بار اسے چوما پھر بڑی شفقت میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”بیٹے! ہاں کس نے تمہیں مارا؟ کس نے تم پر کتا چھوڑا؟“

طارق منہ سے کچھ نہ بولا۔ آنکھیں اس نے بند کر لی تھیں۔

نجم السحر پھر بول پڑی۔ ”بیٹے! میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔ میرے سوال کا جواب اس طرح چپ رہنا نہیں۔ میں تمہارے منہ سے کچھ سننا چاہتی ہوں۔“

نجم السحر کی اس محبت اور چاہت پر طارق پگھل کر رہ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے تھے۔ ہونٹ کانٹنے لگا تھا۔ نجم السحر بھی رو دی۔ رومال سے طارق کی آنکھیں پونچھیں پھر کہنے لگی۔ ”بتاؤ میرے بیٹے! کس نے تم پر جبر کیا؟ بتا۔ ابھی تیری ماں میں اتنی ہمت ہے کہ جس نے تیری آنکھوں سے یہ آنسو نکالے ہیں میں ان کی آنکھوں سے خون کے آنسو نکالوں۔ بول۔ چپ مت رہ۔“

طارق نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ پھر کہنے لگا۔ ”اماں نہیں! ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ مجھے ٹھیک ہو جانے دو۔ اس کے بعد میں آپ کو بتا دوں گا۔“

احسن اب تک خاموش تھا۔ جذباتی انداز میں بول پڑا۔ ”نہیں بھائی جان! آپ کی خاموشی ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔ آپ کو بتانا ہو گا کہ کس نے آپ کی یہ حالت بنائی۔ طوبیٰ بتا رہی تھی کہ پہلے بھی دوبار کوئی آپ پر ہاتھ اٹھا چکا ہے۔ بتائیں وہ کون لوگ ہیں؟“

احسن نے کچھ اور کہنا چاہا کہ نجم السحر بول پڑی۔ ”میرے بیٹے! کیا تو چاہتا ہے کہ خاموش رہ کر میں تیرا غم برداشت کروں اور اس دنیا سے کوچ کر جاؤں؟“

ساتھ ہی نجم السحر بڑے پیار سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگی تھی۔ طارق نے نجم السحر کا ہاتھ چوم لیا۔ پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”امی! اس دنیا میں بے شمار دو ناگوں والے کتے ہیں جو چار ناگوں والے کتے سے بھی زیادہ بھیاں اور زہریلے ہیں۔ آپ کس کس سے میرا انتقام لیتی رہیں گی۔ جنہوں نے میری یہ حالت کی ہے وہ بڑے دراز

تھی۔ پھر رحمان نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”بیٹے! اگر ان لوگوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اگر وہ لوگ تمہارے دوست احمد اور اس کی بیوی کے قاتل ہیں اور انہوں نے تمہارے ساتھ جبر کیا ہے تو پھر وہ کتنے ہی دست دراز کیوں نہ ہوں میرے بیٹے! میں تمہارے ساتھ ہونے والی زیادتی کا انتقام ضرور لوں گا۔ میرے بیٹے! میرا صرف ایک بیٹا احسن نہیں میرے دو بازو ہیں تم اور احسن۔ اگر تم سے زیادتی کرنے والا میرا سگا بھائی بھی ہو تو قسم اللہ پاک کی میں اس سے بھی سارے رشتوں کو فراموش کرتے ہوئے اس جبر کا انتقام لوں گا جو تمہارے ساتھ کیا گیا ہے۔۔۔۔۔“

رحمان کو بولتے بولتے خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ کچھ مسلح جوان اس کے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ پھر طارق کو وہاں دیکھتے ہوئے ایک نے طنزیہ سے انداز میں کہنا شروع کیا۔ ”تو تم ہمارے ہاں سے بھاگ کر یہاں آن گئے ہو۔ تم کیا سمجھتے تھے کہ تم ہمارے ہاتھوں سے محفوظ رہو گے؟ تمہارا زندہ رہنا ہمارے لئے خطرے کا باعث بنتا جا رہا ہے۔ لہذا اسی ہسپتال میں ہم تمہیں ہر صورت میں ٹھکانے لگا کر رہیں گے۔“ اس کے ساتھ ہی ان میں سے ایک نے اپنی کلاشکوف سیدھی کی اور بیڈ پر لیٹے طارق پر فائر کرنا ہی چاہتا تھا کہ ڈاکٹر رحمان آگے بڑھا اور دھاڑتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”خبردار! تم میں سے کوئی فائر کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اگر تم لوگوں نے ایسا کیا تو پچھتاؤ گے۔“

لیکن وہ شخص باز نہ آیا۔ ٹریگر اس نے دبا دیا۔ گولیاں نکلیں اور ڈاکٹر رحمان کو چھلنی کرتی چلی گئی تھیں۔ طارق اپنے بیڈ پر محفوظ تھا۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ تاہم اپنی حفاظت کی خاطر وہ بیڈ سے اتر کر فرش پر لیٹ گیا تھا۔ اس موقع پر احسن اور غلیل کسی جوابی کارروائی کی ابتداء کرنا ہی چاہتے تھے کہ عین اسی وقت کمرے کے دروازے پر ہسپتال کا مسلح محافظ نمودار ہوا۔ پھر گرجتی ہوئی آواز میں بول پڑا۔ ”خبردار! اپنی جگہ سے مت ہلنا۔ اب مزید کسی نے فائر کرنے کی کوشش کی تو میں بھون کر رکھ دوں گا۔“

ان سب نے جب اپنے ہتھیار سنبھال لئے تو ہسپتال کے گارڈ نے جو ایک سابقہ فوجی تھا برست مارا اور ان میں سے کئی کی رانوں اور ٹانگوں کو چھلنی کر کے رکھ دیا تھا۔ ہسپتال کا وہ گارڈ کیونکہ آڑ لے کر فائر کر رہا تھا لہذا جب اس پر جوابی فائرنگ کی گئی تو وہ محفوظ رہا۔ ان مسلح جوانوں نے دیکھا کہ ان پر فائر کرنے والا آڑ میں ہے تو جوشی ہوئے تھے وہ فرش پر گر

بیوی کو انہیں جرائم پیشہ لوگوں نے غائب کر دیا ہے۔ پہلے مجھے شبہ تھا کہ وہ دونوں کہیں زندہ ہیں لیکن آج کی ملاقات پر مجھ پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ دونوں اس دنیا میں نہیں۔ میں پہلے بھی دو دفعہ ان کے پاس گیا۔ ان سے احمد اور اس کی بیوی کا پتہ کیا۔ میں چاہتا تھا کہ حرا کے ماں باپ مل جائیں۔ اس طرح دو بار میں ان کے پاس گیا۔ دونوں بار انہوں نے مجھ پر جبر کیا۔ آج بھی میں احمد اور اس کی بیوی کا پتہ کرنے گیا تو انہوں نے مجھ پر صاف انکشاف کر دیا کہ وہ دونوں میاں بیوی اس دنیا میں نہیں ہیں۔ دونوں ہلاک ہو چکے ہیں۔ میں نے جب ان سے تفصیل جانی چاہی کہ وہ کیسے ہلاک ہوئے کس نے انہیں ہلاک کیا تب انہوں نے مجھے مارا پٹا۔ ان کے ہاں ایک کتاب ہے۔ کوٹھی کا دروازہ بند کر کے انہوں نے مجھ پر کتاب چھوڑ دیا۔ شاید وہ کتے کے ہاتھوں میرا خاتمہ کرانا چاہتے تھے لیکن میری خوش قسمتی کہ کتاب مجھے کہیں کاٹ نہ سکا۔ میں اس سے اپنا دفاع کرتا رہا۔ تاہم اس کے بچوں کی خراشیں میرے جسم پر جگہ جگہ آئی ہیں۔ کوٹھی کا دروازہ بند تھا لہذا میں بڑی مشکل سے کوٹھی کی دیوار پھاند کر باہر بھاگا۔ سڑک کے کنارے بھاگتا ہوا میں کچھ فاصلے پر گیا۔ وہاں میں فٹ پاتھ پر گر گیا۔ وہاں کچھ لوگ جمع ہو گئے مجھے سنبھالنے لگے۔ اتنے میں طوبی بھی وہاں پہنچ گئی اس کے بعد جو کچھ ہوا طوبی نے یقیناً آپ کو بتا دیا ہو گا۔“

طارق کے اس انکشاف پر احسن، رحمان، ثانیہ، شمرہ اور نجم السحر عجیب سے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ پھر رحمان نے طارق کو مخاطب کیا۔ ”بیٹے! جن کے ہاں تمہارے دوست احمد نے سروس کی ذرا ان میں سے کسی کا نام تو کہو۔“

طارق نے تیز سے انداز میں رحمان کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔ ”انکل! جن کے ہاں احمد نے سروس اختیار کی اس شخص کا نام شبنم زاد ہے۔ اس کے دو بیٹے ہیں ایک کا نام آصف، دوسرے کا نام عامر ہے۔ ان کی ایک بیٹی بھی ہے لیکن وہ اپنے ماں باپ اور بھائیوں سے ناراض ہے۔ اسے خبر ہے کہ اس کے بھائی تحریب کاری میں ملوث ہیں لہذا وہ گھر کو چھوڑ چکی ہے۔ اس نے شادی کر لی ہے اور علیحدہ رہتی ہے۔ ماں باپ اور بھائیوں سے اس نے مننا جلنا ترک کر رکھا ہے۔“

طارق کے اس انکشاف پر غصے اور غضب میں احسن کی مٹھیاں بھینچ گئی تھیں۔ اس کے چہرے پر انتہا درجہ کے ناپسندیدگی کے آثار تھے۔ رحمان کی حالت بھی اس سے مختلف نہ

گئے باقی دو دوسرے دروازے سے باہر بھاگے۔

گارڈ جب آڑ سے پیچھے ہٹا تو اچانک کمرے میں جو زخمی ہوا تھا اس نے اس پر فائر کر دیا اور ایک گولی گارڈ کی ران کو چھیدتی ہوئی نکل گئی تھی۔ احسن اور خلیل تیزی سے آگے بڑھے اور کمرے میں زخمی ہونے والوں پر انہوں نے قابو پالیا اور ان کے ہتھیار ان سے چھین لئے تھے۔

ہسپتال کے گارڈ نے اپنے زخم کی کوئی پروا نہ کی۔ لنگڑاتا، اپنی ٹانگ کو گھسیٹتا ہوا وہ ہسپتال کے صدر دروازے کی طرف بھاگا۔ دونوں بھاگنے والوں کو اس نے پھر لٹکارا۔ ”خبردار! جہاں ہو وہیں رک جاؤ ورنہ میں فائر کھول دوں گا۔“

بھاگنے والوں نے جب مڑ کر اس پر فائر کرنا چاہا تو گارڈ نے ایک ستون کی آڑ لیتے ہوئے ان پر برسٹ مارا اور ان کی ٹانگوں اور رانوں کو چھید کر رکھ دیا تھا۔

عین اسی لمحہ پولیس کے کچھ مسلح جوان ہسپتال میں داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ سلطان، علی خان، مراد خان، بجار خان اور اللہ بخش تھے۔ پولیس فوراً حرکت میں آئی۔ ان کے آنے پر ہسپتال کے گارڈ نے جن دو بھاگنے والوں کو زخمی کیا تھا پولیس نے انہیں حراست میں لے لیا۔ پھر گارڈ کے کہنے پر پولیس والے اندر گئے کمرے میں جو زخمی پڑے ہوئے تھے ان کے ہتھیاروں پر قبضہ کر کے انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا۔

اتنی دیر تک رحمان کو بیڈ پر لٹا کر احسن اور نجم السحر نے بڑی تیزی سے ان زخموں کی مرہم پٹی کرنا شروع کر دی تھی۔

احسن بھاگتا ہوا باہر آیا اور گارڈ کو پکڑ کر دوسرے بیڈ پر لٹا دیا گیا اور ہسپتال کا عملہ اس کی مرہم پٹی کرنے لگا تھا۔ سارے حملہ آوروں کو اپنی گرفت میں کرنے کے بعد پولیس والے اپنے ڈی ایس پی کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں ڈاکٹر رحمان زخمی حالت میں بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کمرے میں آنے کے بعد احسن کی طرف دیکھتے ہوئے سلطان نے پوچھ لیا۔ ”بیٹے! یہ کیا معاملہ ہوا؟“

احسن روبانسی سی آواز میں بول پڑا۔ ”سلطان انکل! ہم سب لوگ اس کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر پہلے طارق بھائی کو باہر سے لایا گیا تھا۔ کسی نے انہیں مارا، ان پر کتا چھوڑا تھا۔ ابھی ہم ان سے وہ حالات ہی پوچھ رہے تھے جن کے تحت کسی نے ایسا کیا

تھا۔ تب یہ مسلح جوان ہسپتال میں داخل ہوئے۔ یہ بھائی جان پر فائر کر کے ان کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے کہ آگے پایا آگئے۔ انہوں نے پایا پر فائر کھول دیا۔ اس کے بعد ہمارا گارڈ آگیا جس نے ان پر فائرنگ کی جس سے کچھ زخمی ہو کر گر پڑے۔ باقی نے بھاگنے کی کوشش کی۔ گارڈ ان کے پیچھے بھاگا۔ وہ خود بھی زخمی ہوا۔ تاہم اللہ کا شکر ہے وہ سب لوگ پکڑے گئے ہیں۔“

اس بار ڈی ایس پی بول پڑا۔ ”بیٹے! فکر کی کوئی بات نہیں جو بھی حملہ آور ہوئے ہیں سب کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔“

پھر ڈی ایس پی نے طارق کی طرف دیکھا۔ ”مسٹر طارق! جو واقعات تمہارے ساتھ پیش آئے تمہیں بہت پہلے پولیس کو اطلاع کرنی چاہئے تھی۔ جن لوگوں کے ہاں تم جاتے رہے ہو وہ جرائم پیشہ تھے۔ دہشت گردی اور ملک کے اندر دھماکے کروانے میں ملوث تھے۔ یہ تو چند ماہ پہلے سلطان صاحب نے میرے ساتھ رابطہ کیا۔ آج تم ان کے گھر گئے تو سلطان صاحب نے فوراً مجھے اطلاع کر دی۔ خود بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلے۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ ہمیں افسوس ہے ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی تم نکل چکے تھے۔“

طارق جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ سلطان سب کو مخاطب کر کے بول پڑا۔ ”در اصل بہت عرصہ پہلے سے ہماری نگاہیں ان لوگوں پر تھیں۔ میں نے اپنی بیٹی طوبی کو بھی بتا رکھا تھا کہ جو نبی طارق اکیلا کہیں جائے مجھے فوراً اس کی اطلاع کی جائے۔ آج بھی جب یہ نکلا تو طوبی نے مجھے اطلاع کی کہ طارق ذنیس کی طرف گیا ہے۔ بہر حال مجھے خوشی ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جہاں یہ حادثہ پیش آیا۔ طارق بیٹے! اس کو کٹھنی سے کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ وہیں سے مجھے پتہ چل گیا تھا کہ تمہیں مارا بیٹا گیا ہے اور تم پر کتا چھوڑا گیا ہے۔ بیٹے! جہاں یہ حادثہ افسوس ناک ہے وہاں ایک خبر اچھی بھی ہے۔ اس کو ٹھنی سے دو ایسے بد معاش اور مفرور بھی گرفتار ہوئے ہیں جو پولیس کو مطلوب تھے اور اشتہاری قرار دیئے جا چکے تھے اور ان کی گرفتاری کے لئے دس دس لاکھ روپے کا انعام مقرر تھا۔ چونکہ انہیں ہم نے گرفتار کر دیا ہے لہذا انعام کی رقم بیس لاکھ روپے ہمیں ملے گی۔“

اس کے بعد پولیس والوں نے تھوڑی دیر تک سلطان سے مزید گفتگو کی۔ طارق کا

شکر یہ ادا کیا۔ اس کے بعد پولیس فورس سب کو پکڑ کر وہاں سے لے گئی تھی۔

☆

ان کے جانے کے بعد سب لوگ ڈاکٹر رحمان کے ارد گرد جمع ہو گئے تھے۔ گولیوں نے انہیں چھلنی کر دیا تھا وہ ابھی تک بے ہوش پڑے تھے۔ ان کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ دوسری جانب ہسپتال کے گارڈ کی خبریت تھی۔ ہسپتال کے عملے نے اس کے زخم کی مرہم پٹی کر دی تھی۔ گولی چونکہ پار ہو گئی تھی لہذا آپریشن کی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔

رحمان کی حالت دیکھتے ہوئے نجم السحر، شمرہ، طوبی، طاہرہ خاتون سب رو رہے تھے۔ ایسے میں اللہ بخش، بجا خان، علی خان اور مراد خان بیچارے اداس اور افسردہ سے ہو کر ایک طرف کھڑے ہو گئے تھے۔

سلطان آہستہ آہستہ طوبی کے قریب آیا۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ طوبی اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ سلطان اس سے مخاطب ہوا۔ ”بیٹے! پاکستان کو ارٹرز میں سب لوگوں کو اس حادثے کی اطلاع کر دینی تھی۔“

طوبی نے اپنے آنسو پونچھے۔ سنبھلی۔ پھر سلطان کو اس نے مخاطب کیا۔ ”انکل! جس وقت میں طارق کو لارہی تھی تو میں نے میا کو فون کر دیا تھا کہ طارق کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا ہے۔ آپ تو پہلے ہی وہاں سے نکل چکے تھے۔ میا نے ٹیلی فون پر مجھے بتایا کہ وہ سب کو لے کر ہسپتال پہنچے گی۔ اس کے بعد میں نے آنٹی کو طارق کے اس حادثے سے آگاہ کیا تھا۔“

سلطان طوبی کے پاس سے ہٹ کر دوسری سمت گیا۔ باری باری اس نے تحریم، ثانیہ، شمرہ اور نجم السحر کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہنے لگا۔ ”میری بہنوں! میری بچیو! صبر سے کام لو۔ دعا مانگو۔ خدا رحمان صاحب کو صحت دے۔۔۔۔۔“

سلطان کہتے کہتے رک گیا۔ اس لئے کہ اسی وقت دو ٹیکسیاں ہسپتال کے احاطے میں داخل ہوئی تھیں۔ پھر ان میں سے میا، ثروت، اس کا بیٹا اور اس کی ماں گل سانگا اور زرگونہ اترے اور تقریباً بھاگتے ہوئے اس حصے کی طرف آئے تھے جہاں سب جمع تھے۔

اندر آتے ہی گل سانگا نے بڑی بدحواسی میں نجم السحر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔ ”میری بہن! ڈاکٹر صاحب کو کیا ہوا؟“

پھر جب سب نے دیکھا کہ رحمان خون میں لت پت بستر پر پڑے تھے تب سب پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ مختصر الفاظ میں سلطان نے آنے والوں کو حادثے سے آگاہ کیا۔ سب اداس اور افسردہ ہو کر رحمان کے بیڈ کے ارد گرد کھڑے ہو گئے تھے۔ نجم السحر اور احسن رحمان کو ہوش میں لانے کے جتن کرنے لگے تھے۔

تھوڑی دیر بعد رحمان نے آنکھیں کھولیں۔ ہاتھ کے اشارے سے اس نے نجم السحر، ثانیہ، شمرہ، احسن اور طارق کو اپنے قریب آنے کے لئے کہا۔ پھر اس نے ایک طرف کھڑے لوگوں کو بھی اپنے قریب ہونے کو کہا۔ اس کے بعد چند لمحے سکوت رہا۔ پھر سب کو مخاطب کرتے ہوئے رحمان بول پڑا۔ ”سنو! میں روٹھی امیدوں کی طرح تھوڑی دیر تک پتھروں کے نگر سے کوچ کرنے والا ہوں۔ میرے سامنے قضا کے لرزتے رنگ میری روح اور جسم کے حصار کو توڑ رہے ہیں۔ میری ہستی ریزہ ریزہ ہو رہی ہے۔ زرد رتوں کا خوف میرے چار سو رقص کر رہا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد رحمان رکا۔ ہاتھ آگے بڑھا کر اس نے طارق کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اپنے قریب کیا۔ طارق بیچارہ کچھ نہ بولا بس گردن جھکائے زار و قطار رو رہا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے دوسرے لوگ بھی پس رہے تھے۔ رحمان نے پھر طارق کو مخاطب کیا۔ ”طارق میرے بیٹے! میرے بعد اپنی بہنوں اور بھائی کے لئے باپ کا کردار ادا کرنا۔ یاد رکھنا! ہمارے معاشرے میں ایسے وحشی تماشے روز ہوتے رہتے ہیں۔ میرے بعد دھرتی کو میلا اور معاشرے کو خون آلود کرنے والے خونخوار کتوں کے اندر اپنی ماں، بہنوں اور بھائی کے لئے دکھ کا مسیحا، بے خمیر انسانوں کے انبوہ میں ان کے لئے آس کا جگنو اور معاشرے کے خونی اندھیروں میں ان کے لئے ستاروں کی درخشانی بن کر رہنا۔“

پھر ہاتھ بڑھا کر رحمان نے احسن کو بھی اپنے قریب کیا۔ اس کے بعد اس نے دونوں کو مخاطب کی۔ ”تم دونوں میری تمناؤں کے شہر، میرے سپنوں کے نگر اور میری متاعِ جان کا اثاثہ ہو۔ میرے بعد اپنی ماں اور بہنوں کو درد و کرب کی تصویر، دکھوں کا شمشان اور غموں اور محرومیوں کا عنوان نہ بننے دینا۔“

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ اس کے بعد رحمان نے اپنے قریب ہی کھڑی روتی اور بین کرتی، آنسو بہاتی نجم السحر کو مخاطب کیا۔ ”نجم! میرے بعد احسن سے بھی بڑھ کر طارق

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر خلیل کو رحمان نے اشارے سے اپنے قریب بلایا اور اسے مخاطب کیا۔

”میرے بیٹے! تم لوگوں کے بیچ کھڑے رہے اور میری نگاہ تم پر نہ پڑی معاف رکھنا۔ میرے بیٹے! تمہاری حیثیت بھی ہمارے خاندان میں طارق اور احسن کی سی ہے۔ میرے بعد طاہرہ خاتون کے ساتھ رہتے ہوئے تم اور تحریم یہ سمجھنا کہ شروع ہی سے تمہارا تعلق اس گھر سے تھا۔ مجھے امید ہے کہ میرے بعد تم دونوں بھی اس خاندان میں سکھی اور پرسکون رہو گے۔“

خلیل سے ہٹ کر رحمان نے پھر طارق کی طرف دیکھا۔

”طارق بیٹے! احسن اور خلیل دونوں تم سے چھوٹے ہیں۔ اس خاندان کے تم ہی محور ہو۔ میرے بعد شیشے کو میلی آنکھ سے دیکھنے والوں، چہروں کی مقدس خیاں کو چھیننے والوں اور ہوس پیشہ زمانے سے اپنی ماں اور بہنوں کو من کے روگ، روحوں کے سوگ سے بچا کر رکھنا۔۔۔۔۔“

رحمان مزید کچھ کہتا لیکن رک گیا۔ اس کی حالت لمحہ بہ لمحہ بگڑتی جا رہی تھی۔ پھر کسی کو مخاطب کئے بغیر اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔

”موت کی اندھی چاپ مجھے مجبوری کی چادر اوڑھانے لگی ہے۔ میرے باب سماعت پر مرگ کا شور دستک دے رہا ہے۔ میرے بدن کے سارے ساز پر قضا کی مضرب ضرب لگا رہی ہے۔ میری نظر کے کشکول میں موت کے کھوٹے سکے بڑی تیزی کے ساتھ گرنے لگے ہیں۔“

یہاں تک کہتے کہتے رحمان نے ایک ہچکلی لی۔ پھر وہ خاموش ہو گیا۔ احسن تڑپ کر آگے بڑھا۔ رحمان کا اس نے جائزہ لیا۔ اس نے دیکھا رحمان کی نبض تھم چکی تھی اور وہ موت سے ہسٹنا رہا ہو چکا تھا۔ پھر احسن نے مڑ کے طارق کی طرف دیکھا اور روتی آواز میں کہنے لگا۔

”بھائی! پاپا ہمیشہ کے لئے ہم سے روٹھ گئے ہیں۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی طارق پلنگ کے قریب گر سا گیا تھا اور دھاڑیں مار کر رونے لگا تھا۔ نجم السحر، احسن، شمرہ، ثانیہ، طوبی اور زرگونہ بھی وہاں جمع ہو گئی تھیں اور طارق سے لپٹ کر مبرونے اور مین کرنے لگے تھے۔ ہسپتال کے اندر آہوں، سسکیوں کا ایک ہنگامہ

کا خیال رکھنا۔ احسن نے ہمارے اندر رہتے ہوئے تتلیوں کی سبک اڑانوں، صندلی خوشبو اور صاف و شفاف خوشنما اور بے داغ مانتا بھرے ماحول میں پرورش پائی۔ اس نے سماعتوں کی بھی خوشبو جیسے ماحول میں بچپن سے جوانی کی طرف سفر کیا ہے لیکن میرے بیٹے! طارق کی کیفیت اس سے مختلف رہی ہے۔ ہم سے دور رہتے ہوئے یہ بیچارہ ریگ صحرا اسی وسعتوں میں چاہتوں کی جستجو کرتا رہا ہے۔ زندگی کے ساغر کے لئے مانتا بھری شبنم کا متلاشی رہا ہے۔ دکھ کے سمندر اور کرب کی صدیوں میں یہ غذاہوں کے ایسے قصوں اور سزاؤں کی ایسی داستانوں سے گزرتا رہا ہے جن کی کوئی اتھاہ نہیں ہوتی۔ نجم! میرے بعد طارق ہی تیرے درو دیوار کی تقدیر، تیرے غموں کا مداوا اور وقت کی بے ثباتی میں محبت کی مہک ثابت ہو گا۔ اس کا دل مت دکھانا۔ آج تک یہ بیچارہ جدائی اور فرقت میں رہا ہے۔ اس کی تلاقی کرنا۔ اسے ماں کی مانتا دینا۔“

رحمان کو خاموش ہو جانا پڑا اس لئے کہ اس کے ان الفاظ پر نجم السحر پکھل گئی۔ آگے بڑھ کر اس نے طارق کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اور اس کے کندھے پر سر رکھ کر بیچاری پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ طارق نجم السحر کو اپنے ساتھ لپٹائے خود بھی رو رہا اور اسے تسلی بھی دے رہا تھا۔

رحمان نے پھر طارق کو اپنے قریب بلایا۔ نجم السحر سے علیحدہ ہو کر طارق، رحمان کے قریب آیا۔ رحمان کے دونوں ہاتھ اس نے اپنے ہاتھوں میں لئے انہیں بوسہ دیا۔ پھر کہنے لگا۔ ”انکل! آپ حوصلہ رکھیں۔ مایوسی کی باتیں نہ کریں۔“

رحمان کے چہرے پر تلخ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر مدہم سی آواز میں کہنے لگا۔ ”میرے بیٹے! مجھے انکل کہہ کر مخاطب مت کرو۔ میں تیرا باپ ہوں۔ جس طرح احسن مجھے پاپا کہہ کر مخاطب کرتا ہے تم بھی میرے لئے یہی الفاظ استعمال کرو تا کہ مرنے سے پہلے میری روح رو بہ تسکین ہو۔ میں اپنے پیچھے دو جوان بیٹے اپنی بیوی اور بچیوں کی حفاظت کے لئے چھوڑے جا رہا ہوں۔“

طارق نے اپنا گال رحمان کے گال سے لگایا پھر بڑے پیار سے کہنے لگا۔ ”پاپا! کم از کم ہم نسب کی موجودگی میں تو آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ دیکھیں! ماما کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ ثانیہ، شمرہ، طوبی، تحریم اور زرگونہ رو رو کر ہانک رہی ہیں۔“

سا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ہر آنکھ آنسو بہا رہی تھی۔ عین اسی لمحہ ہسپتال کے باہر سے کوئی بارات
 گزر رہی تھی۔ ہسپتال کے اندر آہوں سسکیوں کا طوفان تھا۔ ہسپتال کے باہر خوشیوں کا
 ایک ہنگامہ تھا۔

بھئی دنیا ایک سر اے
 کوئی آئے کوئی جائے۔

(ختم شد)

پاکستانی قادیان
 ڈاک ملام